تذکرة الظفر

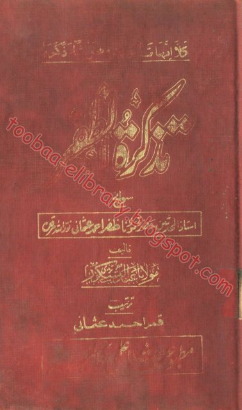
سوانح

استاذ المحدثین حضرت مولانا

مفتی ظفر احمد عثمانیؒ

تالیف: مفتی محمد عبدالشکور ترمذیؒ

ترتیب: قمر احمد عثمانی


تذکرۃ الظفر
سوانح
استاذ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نوراللہ مرقدہ
تالیف
مولانا عبدالشکور ترمذی
ترتیب
قمر احمد عثمانی

تذکرة الظفر

سوانح

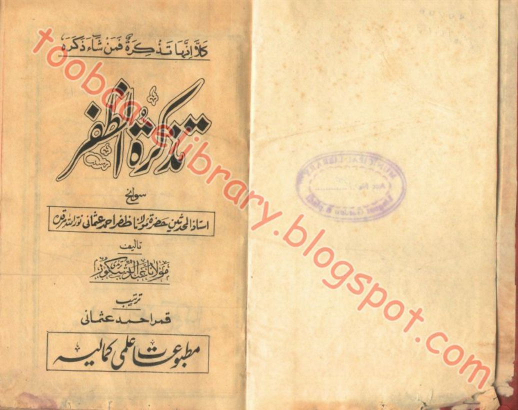
استاذ المحدثین حضرت مولانا

مفتی ظفر احمد عثمانیؒ

تالیف: مفتی محمد عبدالشکور ترمذیؒ

پیشکش: طوبیٰ ریسرچ لائبریری

معاون خصوصی: مفتی امداداللہ یوسف زئی



كلا انها تذكرة فمن شاء ذكره

تذکرۃ الظفر

سوانح

استاذ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نوراللہ مرقدہ

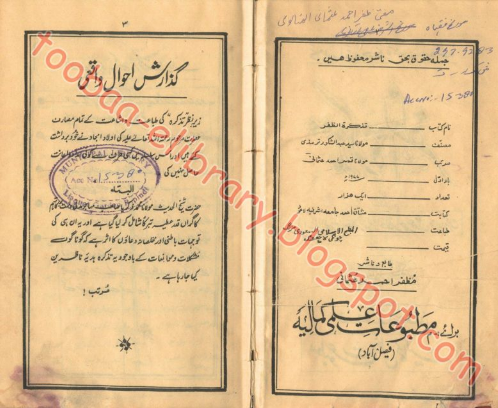
تالیف

مولانا عبدالشکور ترمذی

ترتیب

قمر احمد عثمانی

مطبوعات علمی کمالیہ



نام کتاب ——— تذکرۃ الظفر

مصنف ——— مولانا سید عبدالشکور ترمذی

مرتب ——— مولانا قمر احمد عثمانی

بار اوّل ——— ۱۹۷۷ء

تعداد ——— ایک ہزار

کتابت ——— مشتاق احمد جامعہ اشرفیہ لاہور

طباعت ——— المطبع الاسلامی السعودی مرکز چوگی لاچھمن

قیمت ———

طابع و ناشر

مُظفر احمد عثمانی

برائے مطبوعاتِ علمی کمالیہ

(فیصل آباد)

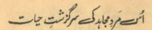
گذارش احوال واقعی

زیرِ نظر "تذکرہ" کی طباعت و اشاعت کے تمام مصارف حضرت مرحوم رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی اولاد امجاد نے خود برداشت کیے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی طرف سے کوئی امداد و اعانت حاصل نہیں کی

البتہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم کا گراں قدر عطیہ تبرکاً شامل کر لیا گیا ہے اور یہ ان ہی کی توجہات باطنی اور مخلصانہ دعاؤں کا اثر ہے کہ گوناگوں مشکلات و موانعات کے باوجود یہ تذکرہ ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

مُرتب!



- جس نے مسلم لیگ کی حمایت کے لیے کانگرس کے مقابلے میں مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کی بُنیاد رکھی ❖
- جس نے شب و روز کی محنت سے پاکستان کے حق میں سلہٹ ریفرنڈم کی مہم سر کی ❖
- جس نے پاکستان کے مشرقی حصّے میں اپنے ہاتھوں سے پاکستانی پرچم کی رسم پرچم کشائی ادا کی ❖
- جس نے اپنے خون پسینے سے بنائے ہوئے پاکستان کو دو لخت ہوتے دیکھا تو اس صدمۂ جاں کاہ کو برداشت نہ کرسکا
- اور جس پاکستان کے لیے اس مردِ حق نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا اُسی پاکستان کی سرزمین کے ایک گوشہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مُنہ چھپا لیا کہ اب مزید کچھ دیکھنے کی ہمت نہ رہی تھی ❖

فہرست مضامین

نام عنوان — صفحہ نمبر

نام مضمون — صفحہ نمبر

باب دوم

نام عنوان — صفحہ نمبر

باب سوم

نام عنوان — صفحہ نمبر

باب چہارم

اس صدی کا امامِ اعظم تھا

(قمر احمد عثمانی)

عالمِ باعمل ظفر احمدؒ
عارفِ بے بدل ظفر احمدؒ
علم و عرفان و آگہی کا چراغ
لمعۂ نورِ صاحبِ مازاغؐ
قائدِ حاملانِ دینِ متین!
رہبرِ عالمانِ شرعِ مبین!

عالم و ماہرِ شریعت بھی
سالک و رہبرِ طریقت بھی
مردِ عارف بھی صاحبِ دل بھی
بندۂ حق بھی شیخِ کامل بھی
ختم عرفان و آگہی اُس پر
کاشفِ اسرارِ باطنی اُس پر
رونقِ بزمِ اولیاء بھی وہی
مسند آرائے اتقیاء بھی وہی
چشمۂ فیضِ بارگاہِ خلیلؒ[۱]!
یعنی مسترشدِ نگاہِ خلیلؒ!
کلکِ گوہر فشانِ اشرفؒ بھی[۲]
اور دست و زبانِ اشرفؒ بھی
مرشدِ تھانویؒ کا نورِ نظر
صاحبِ علم و فضل و عقل و ہنر
رہ نما و مفکر و دانا!
مرشد و مقتدا و مولانا!
عالم و فاضل و فقیہ و ادیب
حافظ و قاری و امام و خطیب
مفتی و واعظ و مقرر بھی
ناقد و شارح و مفسر بھی
مقتدائے محدثین بھی وہی
پیشوائے محققین بھی وہی!
اُس سے اعلائے سنتِ نبویؐ[۳]
اُس کے سر پر لوائے مصطفویؐ

بیشک علم کا وہ ضیغم تھا!
اس صدی کا امامِ اعظم تھا

۱؎ مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مکی ۲؎ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۳؎ حضرت مرحوم کی شہرۂ آفاق تصنیف "اعلاء السنن" بزبان عربی جو بیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

پیش لفظ

از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

سُبحانہٗ و حَمدہٗ و مُصَلِّیاً و مُسَلِّماً اَمَّا بَعْدُ

مولانا مفتی عبد الشکور صاحب مہتمم مدرسہ تھانویہ ساہی وال ضلع سرگودھا، خلیفہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی نے حضرت ممدوح کی سوانح عمری تحریر فرمائی۔ متوسلین اور تمام مسلمین پر احسان کیا۔ ایسے زبردست عالمِ دین اور شیخ کا تعارف کرایا جن کی مثال اس زمانہ میں مشکل ہی ہے۔ اگرچہ ان کی یادگاروں میں دو کتابیں تو ان کے علوم و معارف کے تعارف کے لیے زندہ دلیلیں ہیں ایک احکام القرآن کی پہلی دو منزلیں (باقی دوسرے اہلِ علم کی ہے) اور اعلاء السنن اٹھارہ جلدوں میں۔ یہ تو ایسا زبردست شاہکار ہے کہ ہزار سال سے ایسی کتاب کی ضرورت تھی مگر اب تک وجود میں نہ آسکی تھی۔ آج کل پراپگنڈہ کا دور ہے۔ غیر مقلدین جو خود کو اہلِ حدیث کہتے ہیں اپنی غلط فہمیوں کے پراپگنڈہ میں یہ کہا کرتے ہیں کہ حنفی لوگ حدیثوں کے خلاف کرتے ہیں اور اسی پر بس نہیں عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے ائمہ مجتہدین کی تحقیقات مسائل اور قرآن و حدیث سے راجح و قوی مسئلوں کے استنباط و انتخاب کے تسلیم کر لینے والوں کو مشرک کہہ جاتے ہیں جو خود اُن کے ایمان کے لیے خطرہ ہے۔ اور ائمہ عظام کو بھی بُرا کہتے ہیں جو بروئے حدیث شریف ناحق ہونے کی دلیل ہے۔

مولانا نے اس کتاب میں وہ تمام احادیث یکجا کر دی ہیں جن سے حنفی فقہ کے مسائل ماخوذ ہیں اور پھر اس پر شرح بھی تحریر فرما دی جو دوسرے مذہبوں سے بڑھ کر احناف کا حدیثوں پر عمل اور مختلف کو جمع کر کے سب پر عمل یا منسوخ کے ناسخ پر مفہوم کے قوی و راجح کا انتخاب مختصر و مجمل کی مفصل و واضح حدیثوں کی تفصیل کے موافق مُراد یں اور

گہرائیوں کے مسائل کا اخذ اور غیر مقلدین کی تہمت تراشیوں کی حقیقت ظاہر کر دی ہے ۔ اعتراضات کا پادر ہوا ہونا دکھلا دیا ہے اور ایک ہزار سال کی پیاس بجھا دی ۔ فاللہ درہ ۔

مفتی صاحب موصوف نے حضرت مولانا کے سیاسی واشرفی مسلک کی بھی خوب وضاحت کی ہے اور مہتمم حقانیہ نے اس کی حقانیت سامنے لا کر رکھ دی ہے اسلامی سیاست جو دین کا جزء ہے اور فرنگی سیاست جو عیاری دغا فریب کا نام ہے الگ الگ کر کے دکھلا دی ہے ثابت کر دیا ہے کہ متقی اہل علم اسلامی سیاست کا علم اور حسب دستگاہ عمل بھی رکھتے ہیں اور فرنگی سیاست سے کنارہ کش مگر اس کی چالوں سے بچاؤ رکھا کرتے ہیں کہ مومن کامل کی شان ہی یہ ہے لَا یَخْدَعُ وَلَا یُخْدَعُ (نہ دھوکہ دیتا ہے نہ دھوکہ میں آتا ہے) ۔

جو بعض صحابہ نے حضرت عمرؓ کے مختصر ترین تعارف میں کہا تھا ۔ چونکہ فرنگی سیاست نام ہی دہوکہ و فریب کا ہے بعض مسلمان بھی اس سے متاثر ہو گئے اور حقیقت اُن کی نظر سے اوجھل ہو گئی تھی ۔ اس لیے اس مسلک کی تشریح و توضیح بہت ضروری چیز تھی ۔ اللہ تعالیٰ جناب مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تمام مسلمانوں کو حق کی پیروی کی توفیق دیں ۔

" ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند "

مراد نظر بر جواہر ظفر

۱۳۹۵ھ ۱۳۹۵ھ

قصیدہ نعتیہ از حضرت ممدوح

زال الظلام ولاح النور بالافق ۔۔۔ برق تالق فی داجٍ من الغسق
تاریکی چھٹ گئی اور آفاق میں روشنی چمکنے لگی ۔۔۔ گھٹا ٹوپ تاریکی میں ایک بجلی سی کوندرہی ہے

برق من الطور او بدر علی جبل ۔۔۔ ببطن مکۃ منشق علی فلق
یہ برق طور ہے یا مکہ کی بستی کے ایک پہاڑ پر ۔۔۔ چاند ہے جو ٹکڑے ہو کر پھٹ گیا ہے ۔

یا صبح من ید کانت اشارتہا ۔۔۔ فی البدر انکی من الصمام فی العنق
ایک مبارک ہاتھ کی انگلی کے اشارہ سے ۔۔۔ جس نے چاند میں وہ کام کیا جو گردن میں تلوار نہیں کر سکتی

تعالی الرحمن مشیرٌ لا مثال لہ ۔۔۔ فاق الخلائق فی خلق وفی خلق
سبحان اللہ یہ تو بے مثال نبی ہیں جو صورت و ۔۔۔ سیرت میں ہر طرح تمام مخلوق سے بڑھ گئے ہیں

محمد خاتم النبیاء سیدھم ۔۔۔ حامی الحقیقۃ مفتاح المنغلق
محمد خاتم الانبیاء ، سردار انبیاء ۔۔۔ حق کے حامی اور ہر بند دروازہ کو کھولنے والے ہیں

اتقی الانام واز کاھم واعلمھم ۔۔۔ باللہ احلمھم فی الرتق والفتق
تمام مخلوق سے زیادہ متقی سب سے زیادہ پاکیزہ ۔۔۔ سب سے زیادہ خدا کو پہچاننے والے صلح اور جنگ میں سب سے بڑھکر حلیم

زاکی النجار جمیل الوجہ انورہ ۔۔۔ یمحو الظلام کبدر التم فی الافق
پاکیزہ سرشت خوب صورت منور چہرہ ۔ تاریکی ۔۔۔ کو اسطرح مٹاتے ہیں جیسے آفاق میں ماہ کامل

قد جاء والناس فی ھرج وفی مرج ۔۔۔ والظلم عم بسیط الارض بالغلق
آپ ایسے وقت میں تشریف لائے کہ لوگوں میں فساد مچا ہوا تھا ۔۔۔ اور ظلم نے تمام زمین کو ہلا ڈالا تھا ۔

والجھل کاللیل قد ارخی ذوائبہ ۔۔۔ فی غیم کفر علی الآفاق منطبق
جہالت رات کی طرح اپنی زلفیں بکھیر رکھی تھیں اور ۔۔۔ کفر کے بادل تمام آفاق پر چھائے ہوئے تھے

فانشق صبح الھدی من نور طلعتہ ۔۔۔ یجلو غیاھب لیل الجھل والحمق
پس آپ کے مبارک چہرہ کے نور سے صبح ہدایت نمودار ہوئی ۔۔۔ جہالت اور حماقت کی رات کا اندھیرا فنا ہوئی

فاصبح الناس فی علم و فی حکم — بنعمة الله بعد القتل والخرق

اب اللہ کے فضل سے لوگوں نے گمراہی اور حماقت کی بجائے علم اور حکمت کی روشنی میں صبح کی۔

واصبحت امة امیة عرفت — بالجهل سابقة الاقوام والفرق

اور وہ جاہل قوم جو جہالت میں مشہور عالم تھی اب تمام قوموں اور فرقوں (علم میں) سبقت لے گئی

فالعلم والعدل سارا تحت رأیتها — والفتح والنصر والاقبال فی الطرق

علم و عدل اسکے جھنڈے کے نیچے چلنے لگے اور فتح و نصرت اور اقبال اسکے راستہ میں تھے

والصبر والصدق والاخلاص حلتها — ورایة العز فی الآفاق بالخنق

صبر و صدق اور اخلاص اس کا لباس تھا اور اسکی عزت کا پرچم چاردانگ عالم میں لہرا رہا تھا۔

حب النبی وتقوی الله شیمتها — والیمن والسعد مثل العقد فی العنق

حُبِ رسولؐ اور خوفِ خدا اس کا شیوہ تھا اور برکت و سعادت اور کامیابی گلے کا ہار

یا اکرم الناس عند الله منزلة — وافضل الخلق من جمع ومفترق

اے وہ جو خدا کے نزدیک رتبہ میں سب سے زیادہ معزز اور افضل ترین مخلوق ہے خواہ اجتماعی صورت میں یا انفرادی صورت میں

قد خصک الله بالاسراء لیلة اذ — ترقی السموات من طبق الی طبق

آپکو اللہ تعالےٰ نے معراج سے مخصوص و ممتاز فرمایا ہے جس رات کو آپ تمام آسمانوں کو درجہ بدرجہ طے کر رہے تھے

حتی بلغت من العلیاء ذروتها — وغایة لم تدع شاو المستبق

یہاں تک کہ بلندی کی چوٹی پر اور ایسے انتہائی مقام پر پہنچ گئے جہاں آگے بڑھنے والے کیلئے تقدم کی گنجائش ہی نہ چھوڑی تھی

اٰتاک ربک مالم یؤت احدا — من الجمال کمثل اللؤلؤ الفلق

آپکو پروردگار عالم نے موتی کی طرح چمکنے والا ایسا جمال عطا فرمایا ہے جو کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

اغنیت علما وحلما ذانه خلق — وحکمة انت فیها حائز السبق

آپکو وہ علم و حلم عطا کیا گیا جس کو خلق عظیم نے زینت بخشی اور ایسی حکمت دیکھی جس میں آپ ہی سب سے آگے ہیں۔

تمت بالخیر

جمعۃ الوداع ۲۶ / ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مؤلف

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی قدس سرہٗ نہ صرف پاکستان کے جید علماء میں سے تھے بلکہ پورے متحدہ ہندوستان کے علماء و مشائخ کی صف اوّل میں ایک بلند اور ممتاز مقام کے مالک تھے، واقعہ یہ ہے کہ شریعت و طریقت اور علم و عمل کی ایسی جامع کمالات ہستیاں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور فی الوقت ایسی عزیز الوجود ہستیاں کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہوتی جارہی ہیں۔ پرانے علماء اور بزرگ اٹھتے جارہے ہیں اور موجودہ دور میں ایسی باکمال شخصیتیں نہ ہونے کے برابر ہیں کہ جو اپنے پیش رووں کے خلاء کو پُر کر سکیں۔

بلاشبہ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اپنے زمانے میں برصغیر کے ان مشاہیر اہل علم و عمل کے سلسلہ میں سرفہرست آتا تھا بلکہ آپ اُن کے صدر نشین تھے جن کے تبحر علمی، تقدس و بزرگی، دینی علوم میں کمال جامعیت و بصیرت اور تفقہ کو علمی حلقوں میں بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔

مولانا مرحوم نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عرصہ دراز تک درس و تدریس اور فتوے نویسی کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اسی زمانے میں آپ کی

نوکِ قلم سے ایسی بلند پایہ تالیفات و تصنیفات عالمِ ظہور میں آئیں جن پر عالمِ اسلام کے مشاہیر علمائے کرام نے آپ کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا۔ تھانہ بھون کے علاوہ مولانا مرحوم نے ہندوستان کے مختلف دینی مراکز میں علمی خدمات انجام دی ہیں اور ایک طویل عرصے تک ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ سے بھی وابستہ رہے ہیں جس کے نتیجے میں آپ سے استفادہ کرنے والے شاگردانِ کرام میں جہاں اپنے وقت کے بڑے بڑے محدث اور جلیل القدر مفسر نظر آتے ہیں اسی طرح جدید علوم کے ماہرین نے بھی آپ کی ذات بابرکات سے علمی استفادہ کیا ہے۔

مسلم لیگ کی جدوجہد آزادی اور قیامِ پاکستان کے سلسلہ میں بھی آپ کی خدماتِ جلیلہ بڑی قابلِ قدر بلکہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ مولانا مرحوم کی سیاسی جدوجہد کا آغاز ۱۹۳۸ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے پٹنہ سیشن سے ہوا جہاں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے آپ نے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی پیغام پڑھ کر سنایا تھا۔ اور قائداعظمؒ اور دیگر اکابرینِ مسلم لیگ کے سامنے حضرت تھانویؒ کے نقطۂ نگاہ کی ترجمانی فرمائی تھی۔ اس کے بعد مسلم لیگ اور کانگرس کے آخری فیصلہ کن انتخابات کے سلسلہ میں آپ نے پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کر کے مسلم رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا اور جہاں جہاں کانگرس کے نظریۂ متحدہ قومیت کا اثر تھا ان مقامات پر پہنچ کر اس کے باطل اثرات کو مٹایا اور یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس الیکشن کی کامیابی میں مولانا مرحوم کے اس دورہ کا بہت بڑا دخل تھا جس کا برملا اعتراف قائداعظمؒ اور قائدِ ملت خان لیاقت علیخاں

مرحوم نے کیا ہے۔

اسی طرح سلہٹ ریفرنڈم کی مہم جو نہایت معرکہ آرا اہم تھی، اس کی فتح کا سہرا بھی مولانا مرحوم کے سر تھا۔

ملکی سیاسیات میں مولانا عثمانیؒ شروع سے دو قومی نظریہ اور مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کے نہ صرف حامی بلکہ داعی اور علمبردار رہے ہیں اور آپ نے کانگرس کے نظریہ متحدہ قومیت کی ہمیشہ مخالفت کی ہے اور ہر زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے دلفریب نعروں کا کھوکھلا پن واضح کرتے اور اُنکے نقصانات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے ہیں۔ مولانا مرحوم عام سیاسی لیڈروں کی طرح سیاست میں حصہ نہیں لیتے تھے اور نہ کسی سیاسی جوڑ توڑ اور اکھاڑ پچھاڑ سے کوئی سروکار رکھتے تھے بلکہ ایک بلند مرتبہ دینی رہنما ہونے کی حیثیت سے ملتِ اسلامیہ کو جب بھی ان کی دینی اور سیاسی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی تھی یا جب بھی مولانا نے یہ محسوس کیا کہ اس وقت عملی سیاست میں حصہ لینا مسلمانوں کے عام مفاد میں ہے تو دوسرے دینی مشاغل علمیہ کے ساتھ ملکی سیاست میں عملی طور پر حصہ لینے سے بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم نے اگرچہ اہلِ سیاست کی باہمی آویزشوں اور متعصبانہ گروہ پرستی کی روش سے دل برداشتہ ہو کر ۱۹۵۲ء ہی میں عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور دار العلوم ٹنڈو الہ یار (ضلع حیدرآباد سندھ) میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس و تدریس اور اصلاح و تربیت کے کام میں یکسوئی کے ساتھ مشغول ہو گئے تھے مگر ۱۹۶۹ء میں جب ملک میں سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لیے ملکی سیاسیات میں عملی طور پر حصہ لینے کی ضرورت

پیش آئی تو انتہائی ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود آپ نے یہ ذمہ داری بھی قبول فرمالی۔

واقعہ یہ ہے کہ ایسی ہمہ صفت موصوف اور جامع کمالات شخصیت کا تعارف کرانے اور اس کی سیرت نگاری کا حق ادا کرنے کے لیے جو اہلیت و صلاحیت درکار ہے اس سے راقم الحروف کا دامن بالکل خالی ہے اور مولانا مرحوم کے علمی و عملی کمالات اور سیاسی کارناموں کی تفاصیل کو تحریری شکل میں منضبط کر کے پیش کرنے اور جا بجا بکھرے ہوئے مختلف اور منتشر مضامین کو جمع کر دینے کا یہ کام کوئی معمولی کام بھی نہیں ہے بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ مجھ سے کوتاہ نظر اور کم ہمت کے بس کا یہ کام بالکل نہ تھا اسی لیے دلی خواہش اور قلبی تعلق کے باوجود اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ مگر ہوا یہ کہ عزیزم مولانا مشرف علی تھانوی سلمہ کے اشارہ سے مولانا عبدالرشید ارشد نے خط لکھ کر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے بارے میں مجھ سے ایک مختصر تحریر لکھنے کی فرمائش کی جو ان کو "بیس بڑے مسلمان" میں شامل کرنے کے لیے مطلوب تھی۔ موصوف کی اس تحریک پر وہ داعیۂ قلبی قوی ہوا اور حضرت مولانا مرحوم کے سوانح حیات مرتب کرنے کی تحریک از سر نو پیدا ہوئی اور اپنی نااہلی اور گوناں گوں مصروفیات کے باوجود اس کام کو سرانجام دینے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن کچھ تو حضرت مولانا مرحوم کی جدائی کے رنج و غم اور وفات کے صدمۂ جاں کاہ نے دل و دماغ کو متاثر کیا ہوا تھا پھر انہی دنوں مجھ پر امراض کا ہجوم و تسلسل عرصۂ دراز تک قائم رہا۔ مذکورہ موانعات و مشکلات کے باوجود اس کام کی انجام دہی کے

حق تعالے نے یہ سامان پیدا فرما دیا کہ میرے لیے حضرت مولاناؒ کے سوانح حیات کے ساتھ غیر معمولی رغبت و انس اور مولاناؒ کے تذکرہ کمالات میں بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی کہ اس کے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا۔ اس صورت حال نے میرے لیے اس دشوار اور محنت طلب کام کو بہت آسان اور اسکی صعوبت و مشقت کو نہایت سہل کر دیا۔ اگرچہ اس کام کی تکمیل میں کافی وقت صرف ہوا مگر میرے لیے یہ کد و کاوش باعث سعادت اور سبب انس ہی بنی رہی کہ میرے اوقات کا بیشتر حصہ حضرت مولانا مرحوم کے حالات و کمالات کے خیال میں بسر ہوا جو انشاء اللہ نفع سے خالی نہ رہے گا۔

اللہ تعالے کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایک سال سے بھی کم مدت کے مختلف و متفرق لمحات اور اوقات فرصت کی سعی و کاوش کے بعد حضرت مولانا مرحوم کا یہ تذکرہ مرتب ہو کر اس قابل ہو گیا کہ منظر عام پر آکر متوسلین و منتسبین کے لیے وجہ تسکین بن سکے۔ حق تعالے ہم سب کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

مَیں ان سب کرم فرماؤں اور دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کام میں میری کسی سطح پر بھی معاونت کی یا اس میں دلچسپی لیکر میری حوصلہ افزائی اور طمانیت قلب کا باعث بنے۔ خصوصیت سے حضرت مولانا مرحوم کے صاحبزادگان سلمہم اور مولانا محمد وجیہ صاحب استاذ دار العلوم ٹنڈو الہ یار کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے حضرت مولانا مرحوم کے آخری لمحات حیات اور واقعات وفات کی تفاصیل سے آگاہ فرما کر میری بڑی اعانت فرمائی۔ جزاہم اللہ خیرا۔ اسی طرح مکرمی جناب مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب مفتی

جامعہ اشرفیہ لاہور کا بھی خصوصی طور پر شکر گزار ہوں کہ موصوف نے اس تذکرہ کے اکثر حصے کو سُنا اور اس کے بعض اہم ابواب اوّل سے آخر تک جزءً جزءً خود ملاحظہ فرما کر ایک حقیقت افروز تقریظ سپردِ قلم کی اور تذکرہ کا تاریخی نام "جواہر ظفر" بھی آپ ہی کا عطا فرمودہ ہے۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میری اکثر تحریرات کو حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و محبّت کی وجہ سے آں محترم کی نظر اصلاحی کا شرف اور حضرت مرحوم کی دُعاؤں اور حوصلہ افزاء کلمات کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے مگر یہ تذکرہ اس شرف و سعادت سے یکسر محروم ہے اور مجھے اس حرماں نصیبی کا جس قدر غم و اندوہ ہے اُس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس احساس کو اگر کسی چیز نے کم کیا ہے تو صرف اِس بات نے کہ اس میں بہت سے مضامین حضرت مولانا مرحوم کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریرات سے ہی ماخوذ ہیں۔ اس لیے یقین ہے کہ یہ تذکرہ بھی انشاء اللہ تعالےٰ روحانی طور پر طبع مبارک کے موافق اور پسند خاطر ہی ہوگا۔

اپنی تمام معروضات اس گذارش پر ختم کرتا ہوں کہ ناظرین! صاحبِ تذکرہ کے حالات و کمالات پر نظر رکھیں اور عبارت کے حُسن و قبح پر زیادہ توجّہ نہ دیں کیونکہ اس میں لفاظی اور عبارت آرائی کے بجائے حالات و واقعات کی سادہ لفظوں میں حقیقت نمائی کی کوشش کی گئی ہے اور اِس تذکرہ کا مقصد بھی یہی ہے کہ اس کے

ذریعے مولانا مرحوم کا ذکرِ خیر تا دیر باقی رہے۔

ے
نہ بنقشِ بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ دلخوشم
نفسے بیاد تو میزنم چہ عبارت و چہ معانیم

اُمید ہے ناظرین حضرات مولانا مرحوم کی بلندئ درجات کی دُعاؤں کے ساتھ ساتھ مرتب تذکرہ کے لیے بھی اتباعِ سُنّت اور سلف صالحین کی پیروی کی دُعا فرماتے رہیں گے۔

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد و صلوٰۃ کے بعد تمام اہلِ اسلام اور برادرانِ طریقت کی خدمت میں عرض ہے کہ اِس دُنیا میں جو بھی آیا ہے وہ یہاں سے جانے کے لیے ہی آیا ہے۔ ہر نفس کے لیے موت کا ذائقہ چکھنا اور ہر جان دار کو فنا رکا جام نوش کرنا لازمی ہے۔ ہر فرد بشر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، اعلٰے ہو یا ادنٰے، امیر ہو یا غریب بلکہ اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السّلام بھی کا موت کے دروازے سے گزر ہوا اور جو باقی ہیں ان سب کو بھی اِس پُل سے عبور کرنا ہے۔ غرض کسی کے لیے موت سے مفر یا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ساری دُنیا ہی ناپائدار اور اس عالم کا ذرہ ذرہ فنا پذیر اور عارضی ہے۔

غرض اس عالم آب و گل اور دُنیائے بود و ہستی کی ہر اُس چیز کے لیے موت مقرر اور یہاں سے کُوچ کرنا مقرر ہے جو چند روزہ زندگانی کا عارضی لباس پہن کر پردۂ عدم سے بساطِ ہستی پر نمودار ہوئی ہے اور موت و حیات کا سلسلہ اور دُنیائے فانی میں آمد و رفت کا یہ تسلسل ابتداء آفرینش سے یُونہی چلا آرہا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
زجامِ دہر مئے کل من علیہا فان

لیکن موت کے وقت یہ مجبوری و ناچارگی تو صرف ان لوگوں کے لیے

ہے، جنہوں نے یہاں کی زندگی کو حق تعالےٰ کی حکم عدولیوں اور نافرمانیوں میں گزارا اور اِس سرائے فانی کی عارضی نمائش و زیبائش پر فریفتہ ہوکر اسی کے ہو رہے اور آخرت کی ابدی راحتوں اور اس کی لازوال نعمتوں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ لیکن جن لوگوں نے یہاں کی زندگی کو عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی روشنی میں بسر کیا وہ موت سے نہیں گھبراتے بلکہ موت اُنہیں خوش گوار معلوم ہوتی ہے اور وہ آخرت کی دائمی راحتوں کو یہاں کی چند روزہ زندگی پر ہزار گونہ ترجیح دیتے ہیں۔

دُنیا پرستوں کے ذہن میں موت اور اس کے بعد پیش آنے والی زندگی کی جو بھیانک بلکہ وحشت ناک تصویر بیٹھی ہوئی ہے۔ اسی طرح رُوح نکلنے اور جان کنی کا جو خوف ناک و ہوشربا نقشہ دلوں پر نقش ہے صلحاء اور اہل اللہ کے قلوب میں اپنی موت اور موت کے بعد کے حالات کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔

اللہ والے موت کو اپنے محبوب حقیقی کے وصال کا ذریعہ سمجھتے اور لقاء اللہ کا واسطہ تصور کرتے ہیں اور یہ حضرات چونکہ اپنی دنیوی زندگی میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی اطاعت و بندگی کا حق ادا کر کے آخرت کی زندگی کو کامیاب و کامران بنا لیتے ہیں اور اپنے آقا و مولےٰ کی رضا جوئی کے لیے شب و روز سرگرداں رہتے ہیں اور اسی کے لیے دن رات مجاہدات و ریاضات اور محنت و مشقت برداشت کرتے ہیں اسی لیے وہ ہمہ وقت لقاء محبوب اور وصال مطلوب کی تمنا میں بے چین و بے قرار رہتے ہیں اور موت کی وادی سے گزرے بغیر یہ دولت میسّر نہیں آسکتی اس لیے ان حضرات کے لیے

موت بھی محبوب و مرغوب ہو جاتی ہے اور ان کے لیے موت کا وقت جو دوسروں کے لیے انتہائی تکلیف دہ اور صبر آزما ہوتا ہے۔ سرور و شادمانی اور فرحت و مُسرت کی گھڑی بن جاتا ہے۔

؎ خوشا وقتے و خرم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصلِ یارے

واقعی جس موت کے نتیجے میں وصالِ محبوب کی دولت میسّر آئے اصل زندگی تو وہی ہے۔

؎ زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست
زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

اور چونکہ یہ حضرات اس دُنیا میں رہتے ہوئے بھی اس ناپائدار دُنیا اور اس کی فانی لذّتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور اپنی تمام خواہشات کو محبوبِ حقیقی کی محبت اور وجودِ مطلق کی طلب میں وقف کر دیتے ہیں اور اِس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اسی کی ذات ازلی اور ابدی ہے۔ وہ ہمیشہ سے باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا۔ دائمی بقا اور دوامِ مطلق اسی کی ذاتِ پاک کا خاصہ ہے اور اسی لیے یہ حضرات اپنی ذات کو ذاتِ مطلق میں گُم کر کے خود بھی حکمِ دوام حاصل کر لیتے ہیں۔

؎ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شُد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام

ایک مردِ مومن اور عارفِ کامل کی موت سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ اس کی تمام جسمانی کلفتوں اور بدنی تکلیفوں کا خاتمہ ہو جائے اور راحت و آرام

اور سکون و اطمینان کا نہ ختم ہونے والا دور شروع ہو جائے بلکہ اس کے دین و ایمان ہمیشہ کے لیے ہر قسم کے امکانی خطرات اور فتنوں سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے اور قبر کے مضبوط قلعے میں داخل ہوتے ہی وہ تمام دنیوی مضرتوں اور آزمائشوں سے بلکہ ان تمام خطرات سے جو اسے اپنی دنیوی زندگی سے آخر دم تک اپنے ایمان کے بارے میں لاحق رہتے ہیں بے خوف و خطر ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس دُنیا سے کوچ کرنے والے کا فراق اور احساس جُدائی اُس کے پسماندگان اور متعلقین و متوسلین کے لیے طبعی طور پر باعثِ رنج و غم اور اُس کی محبت و رفاقت سے وقتی محرومی کا احساس اندوہ و الم کا سبب ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے ہر شخص کی موت سے اس کے متعلقین و پسماندگان متاثر ہوتے ہیں اور یہ رنج و غم کسی کو کم کسی کو زیادہ ہوتا ہے کیونکہ جانے والے کے ساتھ ہر شخص کے اُنس و تعلق کے کم و بیش ہونے کے باعث احساسِ جُدائی کی کمی بیشی بھی طبعی اور فطری بات ہے لیکن اہلِ اللہ کا فیضِ عام اور حلقۂ تعلقات وسیع سے وسیع تر ہوتا ہے اِس لیے اُن کی وفات کے اثرات بھی بڑے وسیع بہت گہرے اور انتہائی دور رس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رحلت اور جُدائی سے ان کے ہزاروں ارادت مندوں کی زندگیاں متاثر اور ان کے دامانِ عقیدت سے وابستہ لاکھوں انسانوں کی عمارتِ حیات متزلزل ہو جاتی ہے۔ پھر یہ تاثر صرف حلقۂ ارادت و عقیدت اور متوسلین و مستفیدین تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ ان حضرات کی جدائی میں بہت سی ایسی آنکھیں بھی اشکبار نظر آتی ہیں جن کو بظاہر ارادت و عقیدت

کا کوئی خاص تعلق بھی نہیں ہوتا۔ غرض ان حضرات کی جُدائی کے غم میں عوام و خواص بلکہ ایک عالم غمگین و سوگوار ہوتا ہے۔

جب عام لوگوں اور ادنےٰ تعلق رکھنے والوں کے اندوہ و غم کا یہ عالم ہو تو جن نیازمندوں کی زندگی کا سہارا ہی ان سے چھن گیا ہو اور جن عقیدت کیشوں کے سکون و طمانیت قلب کا آسرا ہی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا ہو ان کے رنج و ملال اور اضطراب و الم کا کیا ٹھکانہ ہو گا؟

سچ بات تو یہ ہے کہ ان حضرات کے اٹھ جانے سے اُن کے نیازمندوں اور عقیدت کیشوں کی اُمیدوں اور آرزوؤں کے چراغ ہمیشہ کے لیے گُل ہو جاتے ہیں اور ایسی نادرالوجود ہستیوں کے دفن ہونے کے ساتھ ہی لاکھوں وابستگان عقیدت کی تمنائیں بھی اُن کے ساتھ کفن پوش ہو جاتی ہیں۔ یہ وقت کس قدر اندوہ ناک اور یہ منظر کتنا دلدوز ناک ہوتا ہے اس کا اندازہ اُسی شخص کو ہو سکتا ہے جو ان حالات و حادثات سے دوچار ہُوا ہو۔ دُوسرے شخص کو نہ تو اس کا صحیح اندازہ ہی ہو سکتا ہے اور نہ اس وجدانی کیفیت کو زبان و قلم کے ذریعے بیان کیا جا سکتا ہے۔

ایسی وفات حسرت آیات پر غم و اندوہ کے اظہار کے لیے چند قطرات اشک بہا لینا کافی نہیں بلکہ چشم خونبانہ فشاں کو برسوں خُون کے آنسو بہانے چاہئیں اور ایسی عالمی موت کے لیے چند کلمات تعزیت کافی نہیں ہو سکتے بلکہ بڑے بڑے دفتر بھی محبّین کے مجروح و مخزون دلوں کی تشفی کا سامان نہیں بن سکتے۔ کیونکہ یہ کوئی شخصی المیہ یا ذاتی حادثہ نہیں

ہوتا بلکہ پُوری قوم کا اجتماعی المیہ اور ملّت کا قومی نقصان ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خُوب کہا ہے

وما کان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

قیس کی موت صرف ایک شخص کی موت نہیں ہے بلکہ وہ پُوری قوم کی بُنیاد تھا جو منہدم ہو گئی۔

واقعۂ ارتحال ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۷۴ء بروز یک شنبہ صُبح صادق سے کچھ پہلے شیخ الاسلام پاکستان حضرت العلام مولانا الشیخ ظفر احمد عثمانی تھانوی قدس سرہٗ السامی کا جو سانحۂ ارتحال کراچی میں پیش آیا وہ پُوری ملّت اسلامیہ کے حوادث عظیمہ میں سے ایک المناک و عظیم حادثہ تھا جس پر حضرت مولانا مرحوم کے صرف حسبی و نسبی متعلقین اور جسمانی و روحانی منتسبین ہی غمگین نہیں ہُوئے اور آں محترم کے خاندانی اقرباء اور نسبی رشتہ دار ہی مغموم نہیں ہُوئے بلکہ برصغیر پاک و ہند اور بلاد اسلامیہ کے لاکھوں عقیدت کیش اس سے متاثر اور ملّت اسلامیہ کے ہزاروں مخلصین کے قلوب اس صدمۂ جانکاہ سے مجروح و مضطرب ہیں۔ اس عظیم حادثۂ ارتحال نے اکابر علماء و مشائخ کی کمرِ ہمّت توڑ دی۔ اور عظیم روحانی شخصیتوں کے پیمانۂ صبر کو چھلکا دیا۔

جس عالم حقانی اور عارف ربانی کی زندگی کے ساتھ لاکھوں انسانوں کی حیات روحانی وابستہ ہو اور جس کی زندگی سے ہزاروں مسلمانوں کی حیات ایمانی کی تعمیر ہو رہی ہو اس کی موت یقیناً موت العالم کی حقیقی مصداق اور

پُورے عالمِ انسانی کی موت ہے ۔ اس لیے ایسی موت پر اگر ہر ایک آنکھ اشکبار اور ہر دل سوگوار ہو تو عین تقاضائے طبیعت بلکہ ادائے حقوقِ محبّت کی ایک طبعی اور فطری صورت ہے جو نہ عقلاً مذموم ہے نہ شرعاً بلکہ علامت ہے تعلق و محبّت کی جو ہر مسلمان کا ہر مسلمان پر حق ہے ۔

یُوں تو رنج و غم اور اندوہ و الم کے جذبات و احساسات وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمزور اور ضعیف ہو جایا کرتے ہیں اور دُنیا کی ہر چیز کی طرح ان احساسات و اثرات کو بھی بقاء و دوام حاصل نہیں ہوتا لیکن قرارِ طبعی کے حاصل ہونے کے قدرتی نظام کے علاوہ دُنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا بار بار خیال کرنا اور حق تعالےٰ کے حاکم و حکیم ہونے کا مراقبہ بھی قرارِ عقلی کے حصول کا کامیاب علاج ہے ۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام کے سابقہ وقائع وفات کو یاد کرنا بھی ایسے حوادث عظیمہ میں خصوصیّت کے ساتھ باعثِ اجر اور موجبِ صبر ہوتا ہے اور ایسے مصائب عظیمہ اور حوادث عامہ کے وقت مجروح و محزون دلوں کے لیے سب سے زیادہ جو بات تسلّی بخش اور موجبِ سکون ہو سکتی ہے وہ یہ مراقبہ ہے کہ جب ہمارے تمام محبوبوں کے محبوب سید المحبوبین اور سارے نبیوں کے سردار رسول رب العلمین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم ہی اس دُنیا سے رحلت فرما گئے تو پھر کون ہے جو ہمیشہ کے لیے یہاں رہ سکتا ہے ؟
بقول حضرت مجذوبؒ

ے نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا
رہے گا تو ذکرِ نکوئی رہے گا

مولانا عثمانیؒ کی علمی روحانی شخصیّت

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نہ صرف یہ کہ علوم شریعت کے متبحر عالم تھے بلکہ حضرت مرحوم علوم طریقت اور سلوک و تصوف کے بھی کامل شیخ تھے اور آپ کی ذات گرامی علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں کا مخزن تھی۔ اور علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ حضرت موصوف کا اصلی جوہر اور حقیقی زیور تھا۔ آپ کے علم و فضل، اخلاص و عمل، تقوےٰ و طہارت، خشیت و للّٰہیت، سادگی تواضع اور دیگر اوصاف فاضلہ سے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی تھی اور آپ کے فیض صحبت سے ایمان و ایقان کی ایسی دولت ملتی تھی اور دین کا وہ صحیح مزاج پیدا ہوتا تھا جو محض کتابوں کے پڑھنے پڑھانے سے کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کسی نے سچ کہا ہے ۔

ے نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بایں علم و فضل اور ہمہ کمالات سے متصف ہونے کے باوجود مولانا مرحوم عادات و اطوار کی سادگی میں خُود اپنی مثال آپ تھے نہ تو مولانا کے خورد و نوش میں کوئی تکلّف تھا اور نہ ہی گفتگو اور طرزِ کلام میں کوئی تصنّع تھا۔ سادہ وضع کے پُرانے بزرگ تھے ہمیشہ نئے طور و طریق اور تہذیب جدید کے آداب سے دُور بلکہ نفور رہے ۔ چنانچہ وضع قطع لباس و طعام اور گفتگو میں اپنے بزرگوں کے طریقے کے موافق ہمیشہ سادگی اور بے تکلّفی کو ہی اختیار کیا اور یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم جیسی شریعت و طریقت کی جامع کمالات اور نادرۂ روزگار شخصیتیں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور

ایسے مردانِ حق آگاہ کا کہیں قرنوں میں ظہور ہوتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کی جن گنی چُنی معروف و نامور علمی و روحانی شخصیتوں کے فضل و کمال، علم و عرفان اور دینی بصیرت و فقاہت، تقویٰ و طہارت اور رسوخ فی العلم پر تمام دینی اور علمی حلقوں میں بالاتفاق اعتماد کیا جاتا تھا حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ نہ صرف اُن کی صفِ اوّل میں شمار ہوتے تھے بلکہ ان میں سرفہرست اور ان کے صدر نشین تھے۔

حضرت مولانا مرحوم ابتدا ء زمانۂ تعلیم سے ہی اپنے حقیقی ماموں حضرت حکیم الاُمّت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی توجہات عالیہ اور خصوصی تربیت کا مرکز بنے رہے اور حضرت تھانوی ؒ نے مولانا کی تعلیم و تربیت کا اس طرح اہتمام فرمایا جیسے کوئی شفیق و مہربان باپ اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے۔

حضرت تھانوی ؒ کی خدمت میں تعلیم و تربیت کے مراحل طے کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری ؒ شارح ابوداؤد کے ظلِ عاطفت میں تزکیۂ باطن کی آخری منزلیں طے کرنے کا شرف بھی مولانا مرحوم کو حاصل ہوا اور اس طرح مولانا مرحوم کو اپنے زمانہ کے حکیم الامت ؒ کی بزم علم و عرفان سے مستفید ہونے کے ساتھ اپنے دَور کے محدّث جلیل کی محفل ارشاد و ہدایت سے مستنیر و مستفیض ہونے کے یکساں مواقع میسّر آئے اور آپ بیک وقت علم و عرفان کی شمع فروزاں، محفلِ ارشاد و ہدایت کے شہ نشین بن کر اور میدانِ حکمت و سیاست کے شہ سوار اور علم و عمل، اخلاص و تقوے اور سیرت و کردار کی جملہ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ

ہو کر علمی اور روحانی دُنیا میں نمودار ہوئے اور اپنے علم و عمل اور زہد و تقوے کی شمع نورانی سے ایک عالم کو منوّر اور ہزاروں تشنگان معرفت کو سیراب و شاداب کیا۔

علمی اور روحانی شخصیتوں کا مرکز

تھانہ بھون، دیوبند اور سہارنپور اور ان کے اطراف و اکناف کو حق تعالےٰ نے اس زمانے میں ایسی ایسی علمی اور روحانی شخصیتوں کا مرکز بنایا تھا کہ ان کے علم و فضل، خلوصِ عمل اور زہد و تقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اور اُن کی صحبت کی برکت سے ہزار ہا بندگانِ خُدا کو یقین و معرفت کی دولت میسّر آتی تھی، انہی سراپا اخلاص و مجسّمۂ علم و عمل روحانی شخصیتوں اور برگزیدہ ہستیوں میں سے ضلع مظفر نگر یوپی کے قصبہ تھانہ بھون میں ایک عظیم روحانی ہستی حضرت حاجی امداد اُللہ مہاجر مکی ؒ کی تھی جن کے فیضِ صحبت سے ہزاروں بندگانِ خُدا کو فیض پہنچا اور بہت سے تشنگانِ معرفت کو اس چشمۂ عرفان سے سیرابی حاصل ہوئی۔

دارُالعلوم دیوبندؔ

عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ؒ کی دعاء سحر گاہی اور ان کے روحانی وارثوں قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ اور حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء محترم کی مساعی جمیلہ کا مُبارک نتیجہ دار العلوم دیوبند کا قیام تھا جس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے والے فضلاء نے نہ صرف برصغیر پاک و ہند

کے مسلمانوں کو بلکہ عالمِ اسلام کے بہت بڑے حصّے کو اپنے علمی و روحانی فیض سے سیراب اور ایک جہان کو نورِ معرفت سے منوّر کیا۔ اس چشمۂ فیض سے فیض یاب ہو کر اور اس گہوارۂ علم میں پرورش پا کر بے شمار علماء دہر اور فضلاء نکلے اور بڑے بڑے روحانی پیشوا پیدا ہوئے جو آسمان فضل و کمال اور علم و عرفان کے درخشندہ آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور انھوں نے اپنے علم ظاہر اور علم باطن کے ذریعے ایک عالم کو فیض یاب کیا اور علم و معرفت کی روشنی کو اقطار عالم میں دُور دُور تک پہنچا دیا۔

حضرت سہارنپوریؒ اور مولانا تھانویؒ

دارالعلوم دیوبند کے بانیوں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے براہِ راست علمی اکتساب کرنے والوں اور روحانی فیض پانے والوں میں سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ علم فقہ میں درجۂ کمال پر فائز ہونے کے علاوہ بسنت صحابہ اور کمال اتباع سُنّت کے ساتھ متصف ہوئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو علم تصوّف اور تفسیر قرآن نیز تربیت سالکین میں کمال حاصل ہونے کے علاوہ اصلاح رسُومات اور اصلاح معاشرہ میں وہ منصب حاصل ہُوا کہ مجدد الملّت اور حکیم الامّت کے لقب سے مشرف و معزز ہُوئے۔

مولانا عثمانیؒ کی جامعیت

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تھانہ بھون، سہارنپور اور کانپور کے مراکز علوم میں ظاہری علوم کی تحصیل کرنے کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامّت تھانویؒ کے مرکز صدق و صفا میں باطنی تربیت کی تکمیل

فرمائی۔ ان دونوں درباروں سے اکتساب فیض کے بعد جس طرح حضرت مولانا کا باطن دو آتشہ بن گیا تھا اور علوم تصوّف و سلوک میں بصیرت حاصل ہو گئی تھی۔ اسی طرح علوم ظاہری حدیث و تفسیر اور فقہ میں بھی کمال درجہ کی مہارت و فقاہت حاصل ہو گئی تھی۔ غرض جملہ علوم اسلامیہ پر حضرت مولاناؒ کی نظر اس قدر عمیق اور مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ اس کی نظیر اس زمانے میں نہ صرف برصغیر میں بلکہ پُورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ بلاشُبہ حضرت مولانا اپنے علمی اور روحانی کمالات میں اسلاف کے سچے جانشین اور اُن کی یادگار تھے جن پر آپ کی محققانہ اور بلند پایہ علمی تصنیفات، بے نظیر تدریسی خدمات اور تربیت و سلوک کا صحیح ذوق شاہد عدل ہیں۔

حضرت مولاناؒ کی تصانیف کو دیکھ کر بلا خوف تردید کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے وسیع النظر عالم، بلند پایہ محقق، دقیق النظر محدث، علیم النظیر مفسّر اور اصول حدیث اور علم رجال کے محض ماہر ہی نہ تھے بلکہ اصول نقد و درایت میں مولانا مرحوم کی تحقیقات کو استناد کا درجہ حاصل تھا نیز قوت حافظہ اور وسعت مطالعہ کے ساتھ دقت نظر اور سلامت فکر اور اپنے مدعا کو بہترین اسلوب اور دل نشین انداز میں بیان کرنے کا جو خاص ملکہ حق تعالےٰ نے حضرت ممدوح کو عطا فرمایا تھا وہ ان کے رب تعالےٰ کا ان پر خاص عطیہ تھا، ذہانت و ذکاوت فکر کی گہرائی اور دقت نظر میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

تزکیۂ نفس اور تربیت باطن میں مولانا مرحوم کا طریقۂ تربیت و سلوک

محققانہ ہونے کے ساتھ بہت ہی مشفقانہ اور مربیانہ تھا اور اس میں آپ اپنے مشائخ عظام کے نقش قدم پر تھے اور آپ کا طریقہ سلوک ان حضرات کے طریق سلوک کے عین مطابق تھا جو آپ کے مطبوعہ مکتوبات متعلقہ تربیت سالکین سے واضح ہے۔

اعتذار

ایسی جامع کمالات شخصیت اور ہمہ گیر ہستی کے کمالات اور علمی و روحانی عظمتوں کا صحیح ادراک اور اس کی سیرت و عمل کی رفعتوں کی پوری پوری معرفت یا اُس کے فضل و کمال اور مقام و مرتبہ کا مکمل عرفان ہم جیسے کوتاہ دستوں اور علم و عمل سے عاری لوگوں کے بس کی بات نہ تھی جبکہ اس عظیم شخصیت کے کمالات اور اس کی علمی عظمتوں کا اعتراف کرنے والوں میں بہت سی مرتبہ شناس اور نامور شخصیتوں کے علاوہ حضرت حکیم الاُمت جیسی نابغۂ روزگار علمی و روحانی شخصیت بھی شامل ہو اور علامہ محمد زاہد کوثریؒ مصری جیسے فاضل یگانہ اور وسیع النظر محقق بھی جس کے علمی کارناموں کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے ہوں ایسی شخصیت کے علمی و روحانی کارناموں کا تعارف پیش کرنا اور ایسی جامع کمالات ہستی کی سیرت نگاری کا حق ادا کرنا ہم جیسے کم سوادوں کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

حضرت مولانا مرحوم کے علم و فضل اور حالات و کمالات کے بارے میں کچھ لکھنا دراصل آپ کے ہم عصر بزرگوں اور ہم چشموں کا کام تھا یا پھر یہ کام آپ کے فاضل تلامذہ میں کسی ایسے شخص کے لیے موزوں تھا جس کو مولانا ممدوح کے فضل و کمال اور مرتبہ و مقام کے بارے میں اگر پوری طرح نہیں

تو بقدر ضرورت ہی واقفیت حاصل ہوتی۔

سببِ تالیف

چونکہ محبین و متوسلین کے دلوں میں اپنے محسن و مربی کے حالات و کمالات کے تذکرہ کا خیال پیدا ہونا تقاضائے طبیعت ہے اور طبعی طور پر محب و متوسل کو اپنے مُرشد کے سوانح کا معلوم کرنا محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔ اسی تقاضائے طبیعت نے مجھ جیسے ناتواں کو مولانا مرحوم کا تذکرہ مرتب کرنے پر مجبور کر دیا۔ پھر چونکہ تربیت و ارشاد مربی و مُرشد کی طرف سے متوسل و مسترشد پر ایک دینی احسان ہے۔ اس لیے مُرشد کے کمالات کا تذکرہ اور اس کے کوائف و حالات سے آگاہی کسی متوسل و مسترشد کے لیے تقاضائے طبیعت ہونے کے علاوہ تقاضائے عقل بھی ہے۔ بنا بریں اپنے محسن و مربی اور شفیق و مہربان مُرشد کے حالات و کمالات کے تذکرہ کو مرتب کرنے کا دل میں خود بھی شدید تقاضا تھا۔ اس کے ساتھ ہی بعض عزیزوں نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا کہ حضرت مولانا مرحوم کے حالاتِ زندگی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ قلمبند کر دیا جائے اس لیے اپنی نااہلی اور بے بضاعتی کے باوجود اور مالا یدرک کلہ لایترک کلہ کے مصداق حضرت مولانا مرحوم کے جس قدر حالات معلوم ہو سکے اور جتنا بھی مواد آپ کی سیرت و سوانح کے بارے میں مہیا کیا جا سکا اسی کو ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔

امید ہے حضرت مولانا مرحوم کے حالات و کمالات اور خدمات دینیہ کا یہ تذکرہ حسب بشارت عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ (نیکوکاروں کا ذکر رحمت حق کے نزول کا سبب ہوتا ہے) انشاء اللہ العزیز ہم سب کے لیے

نزولِ رحمتِ حق کا باعث ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت ممدوح کے روحانی وجسمانی متعلقین ومتوسلین کے مجروح ومحزون دلوں کے لیے بھی یہ تذکرۂ خیر اور ذکرِ صالح تسکین وتسلی کا موجب ہوگا۔

اجمالی کیفیت

اس تذکرہ کی اجمالی کیفیت یہ ہے کہ اس میں حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے حالات وکمالات کے اجمالی بیان کے ساتھ مولانا مرحوم کی تصنیفات وتالیفات اور تدریسی، تبلیغی اور سیاسی خدمات کے علاوہ تعلیمی اور تبلیغی شعبوں میں حضرت مولانا کی مخصوص اصلاحات اور سالکین ومتوسلین کے لیے آپ کی بیان کردہ ہدایات وارشادات کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس تذکرے کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے دین کے جن شعبوں میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ناظرین کو ان سے روشناس کیا جائے۔ لہٰذا مولانا ممدوح کی علمی ودینی خدمات کے تعارف کو ہی اس تذکرہ کا اصل موضوع سمجھنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ضمناً علماء ومشائخ عصر کے ساتھ مولانا کے تعلقات اور خود مولانا مرحوم کے متعلق علماء عصر کے تاثرات کا بیان بھی کہیں کہیں آگیا ہے۔

اصل ماخذ

اس تذکرہ کا اصل ماخذ حضرت مولاناؒ کی خودنوشت سوانح حیات "انوار النظر" ہے۔ لیکن قارئین زیرِنظر تذکرہ کے مطالعہ کے دوران خود محسوس کریں گے کہ اس میں دوسرے ماخذوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور بہت سا کارآمد ومُفید مواد دیگر مقامات سے بھی شامل کیا گیا ہے۔ مگر سچی بات یہی ہے کہ سوانح نگاری کی دشوارگزار منزلوں

میں آسانی پیدا کرنے اور اس راہ کی مشکلات کو حل کرنے میں حضرت مولانا مرحوم کے یہ خودنوشت سوانح ہی ہمارے لیے سب سے زیادہ مُفید وکارآمد ثابت ہوئے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مولانا مرحوم کے حالات معلوم کرنے کے لیے سب سے زیادہ مُستند اور معتبر ذریعہ ہمارے پاس مولانا کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے سوانح ہی ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً ایسے واقعات کے انکشاف کا ذریعہ مولانا کی یہی خودنوشت تحریر ہو سکتی تھی جن کے معلوم کرنے کا کوئی دُوسرا ذریعہ موجود نہ تھا۔ اس لیے ہم نے زیرِنظر تذکرہ کا متن اور ماخذ پورے اعتماد کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم کے سوانح حیات ہی کو قرار دیا ہے۔ البتہ مولانا مرحوم کے ذکر کردہ مُختلف اور متفرق حالات و واقعات کو اپنے قائم کردہ عنوانات کے تحت مرتب کر دیا ہے اور کسی جگہ اگر کوئی واقعہ مجمل یا مختصر طور پر لکھا گیا تھا تو اس کی مناسب "تفصیل وتشریح" پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس سوانح حیات کے علاوہ جہاں کہیں کسی مضمون کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کے ماخذ کا حوالہ نقل کر دیا ہے اور ایسے بیشتر اضافات بھی خُود مولانا مرحوم کی مطبوعہ تحریروں سے ہی حاصل کیے گئے ہیں۔ غرض مولانا مرحوم کے علمی حالات وافادات کو اپنی بساط کے موافق مُفید سے مفید تر صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید واثق ہے کہ یہ تذکرہ اس انداز پر مرتب ہو کر مستفدین کے لیے بیش از بیش نافع ومُفید ثابت ہوگا۔ دُعا ہے کہ حق تعالےٰ حضرت مولانا مرحوم کے انفاسِ قدسیہ کی برکت سے ہم سب کو مستفید ومستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرمائیں۔

مجلس صیانۃ المسلمین

حق تعالیٰ جزاءِ خیر عطا فرمائیں جناب حسام اللہ شریفی صاحب شعبۂ تاریخ و ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور کو جنہوں نے سوالات کر کے مولانا مرحوم کو اپنے حالات و سوانح حیات کو سپرد قلم کرنے پر آمادہ فرمایا۔ اسی طرح مجلس صیانۃ المسلمین لاہور کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عنایت فرمائیں کہ اُن کی سعی و کوشش سے حضرت مولانا مرحوم کے یہ جوابات اور خود نوشت سوانح "انوار النظر فی آثار الظفر" کے نام سے دو حصوں میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آ گئے۔

راقم کا ذاتی تاثر

اس احقر کو اپنی نااہلی کے باوجود حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت والد ماجد مولانا مفتی سید عبدالکریم صاحبؒ کی معیت میں اپنے عہد طفولیت ہی سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نور اللہ مرقدہٗ کے دربار گوہر بار میں قیام و حاضری کا شرف حاصل رہا ہے اس لیے حضرت حکیم الامتؒ کے متوسلین و منتسبین اور سلسلۂ اشرفیہ کے اکابر و مشاہیر سے قربت و شناسائی کی سعادت حاصل رہی ہے اور تھانہ بھون کے زمانہ قیام سے ہی تھانوی حلقۂ ارادت کے متوسلین کے ساتھ ذہنی و فکری رابطہ اور مسلکی ہم آہنگی کے ساتھ عقیدت و محبت کی دولت بھی بحمداللہ نصیب رہی ہے۔ اس لیے یوں تو اس وسیع حلقے کی کوئی بھی ممتاز شخصیت اس کمترین کے لیے بیگانہ یا اجنبی نہیں رہی مگر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ کے ساتھ اس ناچیز کا رجحان قلب اور تعلق خاطر شروع ہی سے بہت زیادہ رہا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم خانقاہ اشرفیہ کے خاص الخاص تربیت یافتہ اور فیض یافتہ تھے اور بارگاہِ اشرفیہ کے زمانہ طویل تک حاضر باش حضرات میں بھی ایک خاص اور ممتاز مقام کے مالک تھے۔ اس حقیر کی نگاہ نے ہوش سنبھالتے ہی حضرت مولانا مرحوم کو دربارِ اشرفیہ کے مقربان خاص کی صف اوّل میں دیکھا تھا۔ اس حیثیت سے مولانا مرحوم کے لیے احقر کے قلب و دماغ میں وقعت و عظمت کے جو نقوش و تاثرات قائم ہوئے اُس کا اندازہ کسی قلمی بیان سے نہیں ہو سکتا۔ اور اس قلبی تاثر کی تصویر صفحۂ قرطاس پر کسی طرح نہیں کھینچی جا سکتی۔

حضرت مولانا مرحوم کے ذاتی اوصاف و کمالات کو قریب سے دیکھنے کا اس بے بضاعت کو مُدتوں موقع میسّر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دربارِ اشرفیہ کے ہزارہا فیض یافتہ اور جلیل القدر حضرات علماء کرام میں جس شخصیّت کی علمی عظمت و جامعیّت اور روحانی سطوت کا گہرا تاثر اور پُورا تسلّط قائم ہُوا وہ حضرت مولانا ممدوح و مغفور کی ذات ستودہ صفات ہے۔ لیکن اس کے باوجود حالات کے بیان میں جذباتی غلو اور عقیدت مندانہ مبالغہ آرائی سے بچنے کے لیے پُوری پُوری کوشش کی گئی ہے۔ اور صرف مستند واقعات بلکہ اکثر مطبوعات یا قلمی تحریروں کی مدد سے حضرت مولانا مرحوم کے علمی و روحانی فیوض اور دینی خدمات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا گیا ہے اور کشف و کرامات یا ذاتی تاثرات کے بیان سے عبارت کو کہیں بھی طول دینے کی کوشش نہیں کی۔

سوانحی تذکروں کی اصل اہمیت

زمانۂ ماضی میں سلف صالحین اور اکابر کے جو سوانح حیات اور حالاتِ زندگی جمع کیے گئے ہیں اُن میں خواہ کتنی ہی تفصیل اور استیعاب سے کام لیا گیا ہو اور حالات و واقعات کو جمع کرنے میں کتنی بھی محنت و کاوش کی گئی ہو مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ سوانحی تذکرے ان بزرگوں کی مکمل شخصیت کا صحیح تعارف کرانے کے لیے قطعی ناکافی ہوتے ہیں اور ان میں پیش کردہ حالات و وقائع ان اکابرین کرام کے اصلی کمالات سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے۔

ہمیں یہ اعتراف کر لینا چاہیئے کہ سیرت کی کتابوں میں ذکر کردہ واقعات و حالات ان حضرات کی اصل زندگی کے وقائع و سوانح کا بہت ہی تھوڑا سا حصہ ہوتے ہیں اور ان میں بھی سوانح نگار کے ذوق، اس کی تلاش و جستجو، ذرائع معلومات اور نظر انتخاب کا بڑا دخل ہوتا ہے اور سیرت نگار اپنے مخصوص ذوق اور خاص طرزِ فکر کے مطابق اپنا ایک خاص معیار انتخاب مقرر کرتا ہے اور اپنے اسی قائم کردہ معیار کے مطابق صاحب سیرت کے ہزارہا بکھرے ہوئے حالات و واقعات میں سے چند منتخب واقعات کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ بیان کر دیتا ہے۔ پھر حالات و واقعات کے علاوہ صاحب سیرت کی بہت سی کیفیات اور صدہا ادائیں ایسی ہوتی ہیں جن کو قلم کے ذریعے بیان کیا ہی نہیں جا سکتا۔

محدثین کرام اور اہلِ سیرت سے زیادہ کسی دوسرے طبقے نے سوانح و سیر کے تتبع اور ان کی چھان بین میں نہ اتنی کوشش کی اور نہ اتنی

وقتِ نظر سے کام لیا پھر بھی وہ اتنا ہی بیان کر سکے جو اُنھیں کسی نہ کسی طرح دستیاب ہو سکا یا زبانِ قلم سے بیان کیا جا سکا۔

کسی شخصیت کا محض سیرت نگاری کے ذریعے مکمل تعارف کرانا ممکن ہی نہیں۔ اس لیے اصل چیز زیارت و محبت ہے جس کے ذریعے شخصیت کا صحیح تعارف ہوتا ہے اور یہ بھی امر واقع ہے کہ کتب سوانح یا سیرت نگاروں نے جس قدر حالات و وقائع مرتب و محفوظ کئے ہیں یا جن بزرگوں کے سوانح ہم تک پہنچائے ہیں وہ صرف حافظہ اور نقل زبانی کے ذریعے ان روایات کا بیسواں حصہ بھی ہم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

سیرت نگاری کا فائدہ

اگرچہ سیرت نگاری کے ذریعہ کسی شخصیت کا مکمل تعارف حاصل نہیں ہوتا پھر بھی فی الجملہ صاحب سیرت کا اجمالی تعارف ہو جاتا ہے اور یہ بھی بجائے خود ایک بہت بڑی تاریخی اور دینی ضرورت ہے کیونکہ جن اکابر اہل اللہ کے لیے سوانح نگاری کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ان کے حالاتِ زندگی کو قلمبند نہیں کیا گیا تو ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کے نام کے سوا ان کے اصل حالات اور دینی خدمات سے کوئی بھی آشنا نہیں۔

اس لیے سیرت نگاری کسی شخصیت کے اجمالی تعارف کے علاوہ آئندہ نسلوں میں اس کے ذکرِ خیر کے باقی رہنے کا سبب بن جاتی ہے اور اس کا دعاء ابراہیمی (واجعل لی لسان صدقٍ فی الآخرین) سے مستحسن ہونا ثابت ہے جو صاحب سیرت کے لیے بھی ذکرِ خیر کا

ذریعہ ہوتی ہے اور صاحب سوانح کے متبعین اور متوسلین کے لیے بھی ہدایت و پیروی کے علاوہ انس و محبت اور سکون قلب کا مؤثر سبب بن جاتی ہے۔ حق تعالےٰ ہم سب کو سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلنے اور اُن کے اتباع کی توفیق عطا فرمائیں۔ نیز اتباع آثار سلف کی برکات سے حصۂ وافر نصیب فرمائیں۔

غرض جن لوگوں نے صاحب سوانح کی زیارت و محبت سے بھی استفادہ کیا ہے ان کے لیے یہ وقائع صاحب سوانح کی یادگار اور تذکرہ کا کام دیتے ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو صاحب تذکرہ کی زیارت اور محبت میسّر نہیں آتی۔ ان کے لیے سوانح حیات صاحب سوانح کے تعارف کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور ہدایت و راہنمائی کا کام تو بہر صورت ان سے لیا ہی جا سکتا ہے۔ نیز صاحب سوانح کے حق میں زمانۂ دراز تک اِس کے ذکر خیر کے لیے ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

اس لیے سلفاً اور خلفاً حضرات علمائے کرام اور مشائخ عظام کے سوانح حیات لکھنے کا معمول ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ حدیث شریف میں ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

"جو کوئی شخص کوئی طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو گزر چکے ہیں کیونکہ زندہ آدمی پر آزمائش کا اندیشہ لگا رہتا ہے"

ظاہر ہے کہ آئندہ نسلوں کے لیے گزرے ہوئے بزرگوں کا طریقہ اختیار کرنا اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ اُن کے حالات و واقعات معلوم ہوں۔ لہٰذا حالات و واقعات کا جمع کرنا اور سیرت و سوانح کا مرتبہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور حضرت مولانا مرحوم کے سوانح اور حالات کا یہ تذکرہ علماء سلف و خلف کے معمول کے موافق اسی غرض سے مرتب کیا گیا ہے۔ تاکہ آئندہ نسلوں میں ان کی ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ بنے اور آں محترم کے تذکار جلیلہ زمانۂ دراز تک باقی رہیں۔

باب اوّل

خاندانی حالات

مولانا مرحوم کے آباؤ اجداد خاندان، نام و نسب اور وطن

حضرت مولانا مرحوم کا نام نامی اور اسم گرامی دادھیال کی طرف سے "ظفر احمد" رکھا گیا تھا اور یہی نام عام زبانوں پر مشہور بھی ہُوا۔ ناناہالی نام "ظریف احمد" رکھا گیا تھا مگر مشہور نہیں ہُوا۔ بعد میں تاریخی نام "مرغوب نبی" رکھا گیا۔ جس کے مجموعۂ حروف سے ابجد کے قاعدہ کے مطابق سن پیدائش ۱۳۱۰ھ نکلتا ہے۔

اصلی وطن

مولانا مرحوم کا اصلی وطن قصبہ دیوبند (ضلع سہارنپور) ہے آپ محلہ دیوان کے رہنے والے تھے۔ یہ محلہ مولانا مرحوم کے جدامجد دیوان لطف اللہ مرحوم کی طرف منسُوب ہے جو بادشاہ دہلی شاہ جہاں کے عہد میں دیوان کے منصب جلیل پر فائز تھے۔ دیوبند میں دارالعلوم کے صدر مشرقی دروازہ کے سامنے محلہ دیوان کا پُرشکوہ دروازہ اب تک اُن کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

نسب عالی

حضرت مولانا مرحوم دیوبند کے معروف و معزز عثمانی خاندان کے ایک ممتاز فرد تھے۔ تاریخ دیوبند کے مؤلف سیّد محبوب رضوی صاحب شیخ ابوالوفا عثمانیؒ کے حالات کے ضمن میں

لکھتے ہیں :۔

"یہ شیخ جلال الدینؒ کبیر الاولیاء پانی پتی کے خاندان سے ہیں۔ اور کبیر الاولیاءؒ شیخ یعقوب کی تیسری پُشت میں ہیں۔ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کا سن ولادت ۱۲۵ھ ہے۔ دونوں بزرگوں میں پانچ پُشتوں کا فصل ہے۔ ماہرین انساب کے معروف طریقے کے مطابق پانچ پُشتوں میں ۱۶۶ سال کا فرق ہونا چاہیئے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شیخ ابوالوفاء دیوبند میں نویں صدی کے اوائل میں سکونت پذیر ہوئے ہوں گے۔ یہ دہلی میں خاندان تغلق کا آخری عہد تھا۔ محلہ محل میں ان کا مزار خاص حالت میں ہے"

اس کے بعد شیخ ابوالوفاء کا سلسلۂ نسب مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی کے شجرہ سے حسب ذیل طریقہ پر نقل کیا ہے :۔

"ابوالوفاء بن عبداللہ بن حسین بن عبدالرزاق بن عبدالحکیم بن حسن بن عبداللہ عرف ضیاء الدین بن یعقوب بن عیسےٰ بن اسماعیل بن محمد بن ابوبکر بن علی بن عثمان بن عبداللہ جرجانی بن عبدالرحمٰن گازرونی بن عبدالعزیز ثالث بن خالد بن ولید بن عبدالعزیز ثانی بن شہاب الدین المعروف عبدالرحمٰن اکبر بن عبداللہ ثانی بن عبدالعزیز بن عبداللہ الکبیر بن عمر بن امیرالمؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ"

(تاریخ دیوبند ص۱۶۱)

سید محبوب صاحب کی تالیف "تاریخ دیوبند" سے واضح ہے کہ اس عثمانی خاندان کے جدِ اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن گازرونیؒ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ منورہ سے تشریف لاکر علاقہ ماوراء النہر میں سکونت اختیار کر لی تھی اور سلطان محمود غزنویؒ کے لشکر میں قاضی لشکر کے منصب پر فائز ہوکر سلطان مرحوم کے ہمراہ ہندوستان آئے اور پانی پت کی فتح کے بعد وہاں مقیم ہو گئے۔ پانی پت کے مشہور شیخ طریقت حضرت جلال الدین کبیر الاولیاءؒ انہی شیخ عبدالرحمٰن گازرونیؒ کی بارہویں پشت میں ہیں اور دیوبند کی عثمانی برادری کے مورثِ اعلیٰ شیخ ابوالوفاءؒ ان کی سترھویں پشت میں ہیں۔ جیسا کہ اُوپر کے سلسلۂ نسب سے واضح ہو رہا ہے۔ غرض دیوبند کے تمام عثمانی شیوخ انہی ابوالوفاء کی اولاد میں سے ہیں اور ہمارے مولانا مرحوم کے جدِ امجد دیوان لطف اللہ مرحوم بھی انہی شیخ ابوالوفاء کی اولاد میں بڑی مشہور شخصیت کے مالک ہوئے ہیں۔ چنانچہ سید محبوب رضوی صاحب لکھتے ہیں:۔

"شیخ ابوالوفاء عثمانی کی اولاد میں دیوان لطف اللہ ایک مشہور شخصیت گزری ہے یہ شاہ جہاں (۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء تا ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء) کے عہد میں دیوان کے عہدے پر فائز تھے۔ دیوبند میں ایک عظیم الشان محل اُن کی یادگار ہے جس کا اب صرف پرشکوہ دروازہ دونوں جانب کی بُرجیاں اور جنوب مغرب کی دیواروں کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اندر کی عمارتیں تقریباً ختم ہو گئی ہیں اور دیوان لطف اللہ کے دیوان خاص کی جگہ اب دارالعلوم کے

عظیم الشان مہمان خانہ کی دو منزلہ عمارت بن گئی ہے"۔

تاریخ دیوبند میں دیوان لطف اللہ مرحوم کا جو سلسلۂ نسب شیخ ابوالوفا عثمانی تک بحوالہ "شجرۂ قلمی تیار کردہ دفتر انوار الحق" میں پیش کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

"دیوان لطف اللہ بن خواجہ اویس بن مولانا احمد بن مولانا عبدالرزاق بن مولانا محمد حسن مدرس بن خواجہ حبیب اللہ علی بن خواجہ عثمان بن علی بن قاضی شیخ محمد بن قاضی فضل اللہ شہیر بن شیخ ابوالوفاء عثمانی رحمتہ اللہ علیہ"۔

(تاریخ دیوبند ص۴۲، ص۴۳)

اس کے بعد رضوی صاحب نے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب دیوان لطف اللہ مرحوم تک مذکورہ شجرۂ قلمی کے حوالہ سے اس طرح نقل کیا ہے:۔

"مولانا ظفر احمد تھانوی بن لطیف احمد بن نہال احمد بن کرامت حسین بن نبی بخش بن حیات اللہ بن عنایت اللہ بن لقاء اللہ بن احسان اللہ بن نصیر اللہ بن دیوان لطف اللہ"۔

(تاریخ دیوبند ص۴۴)

مولانا مرحوم کے والد کا نام شیخ لطیف احمد عثمانی ہے۔ وہ دیوبند کے انہی دیوان لطف اللہ کی اولاد میں ہیں۔ انہوں نے فارسی اور کچھ انگریزی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور دیوبند کے مشہور پیر طریقت حضرت حاجی عابد حسینؒ دیوبندی سے بیعت تھے۔ مولانا

عثمانیؒ کے دادا مرحوم شیخ نہال احمد بھی دیوبند کی عثمانی برادری کے ایک معزز فرد اور بہت بڑے رئیس تھے اور حضرت مولانا مرحوم کے پردادا شیخ کرامت حسین کا شمار دیوبند کے نہایت فیاض اور سخاوت شعار زمینداروں میں ہوتا تھا چنانچہ تاریخ دیوبند کے مصنف سید رضوی صاحب لکھتے ہیں :۔

"دیوان لطف اللہ کی اولاد میں شیخ کرامت حسین اور اُن کے فرزند شیخ نہال احمد وفات ۱۳۰۲ھ، ۱۸۸۴ء اپنے اپنے زمانے میں دیوبند کے سربرآوردہ لوگوں میں رہے ہیں۔ شیخ نہال احمد دارالعلوم کی پہلی مجلس شوریٰ کے رُکن تھے"

(تاریخ دیوبند ص۶۲)

دارالعلوم دیوبند کے پہلے سال کی روداد کے حوالہ سے "نام مہتمان" کے عنوان کے تحت جن سات ارکان شوریٰ کے اسمائے گرامی کا ذکر سوانح قاسمی ص۲۴۶ جلد ۲ میں کیا گیا ہے ان میں شیخ نہال احمد کا نام نامی موجود ہے مرحوم کی فارغ البالی، سیر چشمی اور مہمان نوازی کے قصے بہت مشہور اور زبان زد خلائق ہیں۔ ان کے خوان کرم سے ہزاروں نادار و مساکین مالی فائدے حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ انہی شیخ کرامت حسین اور ان کے بیٹے شیخ نہال احمد کے متعلق مولانا محمد میاں صاحب دیوبندی نے اپنی کتاب "مسلمانوں کا شاندار ماضی" میں لکھا ہے کہ :۔

"بہت مرتبہ ایسا ہُوا ہے کہ اس طرف سے گزرنے والی بارات کو اپنے یہاں ٹھہرالیا اور اُس کی دعوت کی"

(ص۵۹، جلد ۵)

یُونہی راہ سے گزرنے والی کسی چلتی بارات کو ٹھہرا کر اپنے یہاں مہمان بنالینا اور اُس کی دعوت وضیافت کا کسی سابقہ تیاری کے بغیر اچانک انتظام کرلینا بظاہر نظر غیر معمولی ثروت و رفاہیت کے بغیر ممکن نہ تھا۔ غرض کسی زمانے میں شیخ کرامت حسین اور شیخ نہال احمد کا دور دورہ تھا اور محلہ دیوان کے سرکردہ خاندان بھی یہی شیخ کرامت حسین اور شیخ نہال احمد تھے اور اس خاندان کی معاشی حالت کسی زمانے میں غیر معمولی طور پر بہتر تھی۔ جس کا اندازہ دارالعلوم دیوبند کے صدر دروازہ کے سامنے محلہ دیوان والوں کی امیرانہ ڈیوڑھی، پُرشکوہ بُرجیوں اور شکستہ دیواروں سے بخُوبی لگایا جاسکتا ہے۔

مکتب شیخ کرامت حسین مرحوم

شیخ کرامت حسین کی فارغ البالی اور طالبان علوم کے لیے سخاوت اور ان کے علمی شغف کا نتیجہ و ثمرہ تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے آپ نے اپنے مکان پر دینی تعلیم کے لیے ایک تعلیمی مکتب قائم کیا تھا اور بہت سے تشنگان علوم اس مکتب سے اپنی علمی پیاس بجھاتے اور سیرابی حاصل کرتے تھے۔ شہری طالبانِ علم کے علاوہ بہت سے بیرونی طلباء بھی اس چشمۂ علمی سے فیض یاب ہوتے تھے نیز شیخ کرامت حسین کے اس مکتب میں ہمارے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ صاحب کے حقیقی چچا مولانا مہتاب علی صاحب استاذ تھے، حضرت شیخ الہند کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے دادا شیخ نہال احمد سب نے اسی مکتب میں علمی روشنی حاصل کی۔

مکتب کرامت میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تعلیم اور مولانا عثمانیؒ کے ساتھ قرابت داری

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پردادا محمد بخشؒ کے بھائی خواجہ بخش کی صاحبزادی کی شادی دیوبند میں محلہ دیوان والوں کے یہاں ہوئی تھی۔ چنانچہ شیخ کرامت حسین انہی خواجہ محمد بخش کے نواسے تھے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی دیوبند کے محلہ دیوان والوں کے ساتھ قرابت و رشتہ داری کا تعلق تو تھا ہی، نانوتہ میں ایک واقعہ پیش آگیا جس کی وجہ سے مولانا نانوتویؒ کو اُن کی نوعمری میں اسی مکتب کرامت میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے دیوبند بھیج دیا گیا۔ گویا جو شخصیت آگے چل کر بانی دارالعلوم اور قاسم العلوم بننے والی تھی۔ اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت شیخ کرامت حسین کے اسی کرامتی مکتب میں ہوئی تھی۔ پھر اس دینی تعلق کے علاوہ شیخ کرامت حسین کی صاحب زادی سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا عقد نکاح مولانا نانوتویؒ کے نانوتہ سے دیوبند منتقل ہونے کا ظاہری سبب بن گیا جس کے تکوینی نتائج کا ظہور اگرچہ کافی عرصہ کے بعد دارالعلوم دیوبند کے قیام کی صورت میں ہوا مگر اس کی بنیاد بہت پہلے رکھی جا چکی تھی۔

غرض مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم اپنے آبا و اجداد کی سکونت کے لحاظ سے اصل دیوبندی ہیں اور دیوبند کے بھی بڑے معروف و معزز عثمانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور مولانا عثمانیؒ کے خاندان کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتوی کی قرابت و رشتہ داری کا تعلق بہت پرانا چلا آرہا تھا، چنانچہ مولانا

قاسم نانوتویؒ کے ساتھ مولانا عثمانی کے علمی و روحانی انتساب کے ساتھ یہ انتہائی قریبی جسمانی رشتہ بھی موجود تھا کہ مولانا مرحوم کے دادا شیخ نہال احمد کی ہمشیرہ محترمہ اور مولانا کے والد شیخ لطیف احمد کی حقیقی پھوپھی حضرت مولانا نانوتویؒ کی زوجۂ محترمہ تھیں۔ اس رشتے سے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے والد مرحوم کے حقیقی پھوپھا تھے۔

مولانا عثمانیؒ کی ننھیال

شیخ لطیف احمد عثمانی مرحوم کا عقد تھانہ بھون کی فاروقی برادری کے معزز فرد شیخ عبدالحق مرحوم کی صاحب زادی کے ساتھ ہوا تھا اس طرح آپ کی ننھیال تھانہ بھون میں تھی اور مولانا کی والدہ محترمہ حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اور آپ حضرت تھانویؒ کے خواہرزادہ اور حقیقی بھانجے تھے۔

تاریخ پیدائش

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو دیوبند کے اپنے جدّی مکان واقع محلہ دیوان میں پیدا ہوئے۔ اڑھائی تین سال کی عمر تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا اور والد صاحب نے دوسرا نکاح کر لیا تھا اس لیے مولانا کی پرورش دادی صاحبہ نے کی تھی۔ دوسری والدہ سے مولانا کے ایک بھائی قاری طفیل احمد صاحب عثمانی جو بحمد اللہ بقید حیات ہیں اور گوجرانوالہ میں سکونت پذیر ہیں۔ اور ایک بہن جو اپنے آبائی مکان دیوبند میں رہتی ہیں پیدا ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا سعید احمد رحمۃ اللہ علیہ جواں عمری ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔

مولانا سعید احمد مرحوم کے مختصر حالات

مولانا سعید احمد آپ کے حقیقی بھائی تھے اور عمر میں پانچ سال بڑے تھے۔ اُنہوں نے قرآن مجید دیوبند ہی میں حفظ کر لیا تھا۔ پھر حسب وصیت والدہ مرحومہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کو اپنے پاس بُلا لیا تھا یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت حکیم الاُمت مدرسہ جامع العلوم کانپور کے شیخ الحدیث اور مدیر با تدبیر تھے۔ حضرت تھانویؒ جب تک کانپور میں رہے مولانا سعید احمد کی تعلیمی اور اخلاقی ہر طرح سے نگرانی فرماتے رہے۔ پھر جب ۱۳۱۵ھ میں کانپور سے ملازمت کا تعلق ترک کر کے مستقل طور پر تھانہ بھون میں قیام پذیر ہو گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی خصوصی ہدایت پر اُن کی خانقاہ کو دوبارہ آباد فرمایا اور ارشاد و ہدایت، تجدید دین اور اصلاحِ اُمت کے کام میں ہمہ تن مشغول ہو گئے تو مولانا سعید احمد مرحوم کو بھی اپنے ساتھ لے آئے اور ان کو اپنی نگرانی میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے مدرسہ میں داخل کر دیا۔ نصاب متان التکمیل کی تکمیل مولانا موصوف نے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں کی تھی۔ تیسیر الوصول، توضیح وتلویح شرح عقائد نسفی، جلالین شریف۔ اس نصاب کی بڑی کتابیں اور درس نظامی کی کچھ دُوسری کتابیں آپ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے پڑھی تھیں اور حضرت مولانا روم کے چند دفتر بھی سبقاً سبقاً حضرت حکیم الاُمتؒ سے ہی پڑھے تھے۔

۱۳۲۳ھ میں آپ کو دوبارہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں داخل

کیا گیا اور ۱۳۲۵ھ میں مدرسہ مظاہر الاسلام سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور دیگر اساتذہ کرام سے دورۂ حدیث پڑھا اور ۱۳۲۶ھ میں تیسری مرتبہ جامع العلوم کانپور میں واپس آکر منطق و فلسفہ وغیرہ فنون کی تکمیل کی اور دوبارہ امتحان فراغت دینیات میں شریک ہوئے اور تمام شرکاء امتحان میں سب سے اوّل نمبر پر کامیاب ہوئے۔ مولانا سعید احمد مرحوم بہت ہی ذہین تھے ان کے بارے میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتے تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا مکمل نمونہ ہوتے۔

مرحوم نہایت خوش بیان مقرّر تھے۔ جس زمانے میں تُرکوں کی امداد کے لیے مسلمانوں نے انجمن ہلال احمر قائم کی تھی، سہارنپور شہر کی ہلال احمر نے مولانا تھانوی کو وعظ کی دعوت دی۔ حضرت تشریف لے گئے اور آپ کی تقریر ہُوئی۔ اسی جلسے میں حضرت تھانویؒ کی تقریر کے بعد مولانا سعید احمد صاحبؒ نے بھی ایک گھنٹہ تک تقریر کی تھی۔ مولوی محمد عبداللہ خاں وکیل سہارنپور جو سر سیّد احمد خاں اور علامہ شبلی نعمانی کے ساتھ عرصے تک علی گڑھ رہ چکے تھے ان کی تقریر سے بہت متاثر ہُوئے اور کہنے لگے کہ یہ شخص اگر زندہ رہا تو اعلےٰ درجہ کا مقرّر ہوگا۔

اس زمانے میں وعظ و تلقین کے علاوہ حضرت تھانوی علیہ رحمہ نے ترکوں کی امداد و اعانت کے لیے ایک مفصّل مضمون بعنوان "الصحف المنشورہ فی فضائل اعانت انگورہ" رسالہ النور بابت ماہ رمضان ۱۳۴۰ھ تھانہ بھون سے شائع فرمایا تھا۔

جامع العلوم کانپور میں درس

مولانا سعید احمد مرحوم جامع العلوم کانپور سے فارغ ہو کر اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہو گئے تھے اور آپ نے یہاں کئی سال تک درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔

بیان القرآن پر حاشیہ

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی تفسیر بیان القرآن ۱۳۲۶ھ میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ مولانا سعید احمد مرحوم نے اس کے بعض اہم مقامات پر اردو میں مفید حواشی تحریر فرمائے تھے جن کو حضرت تھانویؒ نے پسند فرما کر اپنی تفسیر میں بطور حاشیہ داخل فرما لیا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیان القرآن کے حاشیہ پر "تبیان البیان" کے نام سے جو حواشی درج ہیں وہ مولانا سعید احمد مرحوم کی گراں بہا علمی خدمت اور ان کی بہترین یادگار ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا موصوف نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے وعظ بھی قلمبند فرمائے ہیں۔

مولانا سعید احمد مرحوم نے عمر بہت کم پائی تھی۔ ۱۳۲۱ھ میں کیرانہ ضلع مظفر نگر، نواب مقرب خاں کے خاندان میں پیرجی ظفر احمدؒ کی منجھلی صاحبزادی کے ساتھ شادی ہوئی اور شادی کے صرف چھ مہینے کے بعد مرض طاعون میں بروز جمعہ انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(حاشیہ وعظ لواساۃ المصابین)

حضرت تھانویؒ کو مولانا سعید احمد مرحوم کے ساتھ جو قلبی تعلق تھا وہ ان الفاظ سے جو حضرت نے ان کے انتقال کے بعد فرمائے صاف

ظاہر ہو رہا ہے۔ حضرت نے ایک موقع پر فرمایا "مجھ کو اُن کے ساتھ سب سے زیادہ محبت تھی جسے عشق کہنا چاہیئے۔ قلب میں بار بار اور بے اختیار تقاضا پیدا ہوتا ہے کہ سب کام چھوڑ کر قبر پر جاؤں۔ لیکن میں بہ تکلف اس تقاضے کو روکتا ہوں اور اس کے مقتضا پر عمل نہیں کرتا اور اپنے آپ کو مختلف کاموں میں برابر مشغول رکھتا ہوں۔ کیونکہ اگر کہیں ایک بار بھی اس تقاضے پر عمل کر لیا تو بس پھر علت ہی لگ جائے گی۔"

لیکن اس تعلق و محبت کے باوجود حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تربیت و اصلاح باطن کے لیے سب سے زیادہ سختی کا برتاؤ بھی انہی کے ساتھ کیا۔ اور یہ اسی کی برکت ہے کہ اپنی مثالی خوش لباسی ترک کر کے نہایت سادہ وضع میں رہنے لگے۔ چنانچہ جب انتقال کے بعد ان کے کپڑے بغرض تقسیم نکالے گئے تو ان کی سادگی دیکھ کر سب کو حیرت و حسرت ہوئی تھی۔

(بحوالہ اشرف السوانح)

واقعۂ تبلیغ

۱۳۳۰ھ سے پہلے کا واقعہ ہے کہ مقام گجیز ضلع کانپور میں آریہ سماجیوں کی ریشہ دوانیوں کا حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کو علم ہوا اور اندیشہ ہوا کہ اس مقام کے بیشتر لوگ مرتد ہو جائیں گے ان میں بیشتر ہندوانہ رسمیں رواج پا چکی تھیں۔ سر پر چوٹی رکھتے تھے اور نکاح کے ساتھ ہندوانہ طریقے پر پھیرے بھی ہوتے تھے۔ حضرت تھانویؒ سامان خورد و نوش اور ڈیرہ و خیمہ ہمراہ لے کر ایک جمعیت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ مقامی سرداروں سے گفتگو کی اور کئی روز تک قیام فرمایا جب وہ لوگ خوب پختہ ہو گئے اور یہ وعدہ کر لیا کہ ہم مرتد نہ ہونگے

تب وہاں سے واپس تشریف لائے۔ اس تبلیغی سفر میں مولانا سعید احمد مرحوم بھی تھانہ بھون سے ہی حضرت تھانویؒ کے شریک سفر تھے اور اسی سفر میں حضرت نے مولانا مرحوم کو بعض دُوسرے دیہات میں بھی تبلیغ کے لیے بھیجا تھا۔ سخت گرمی اور لو کا زمانہ تھا مولانا سعید احمد اپنے ساتھ ستّو لے گئے تھے اس کو گھولنے کے لیے ان لوگوں نے برتن بھی نہ دیا۔ آپ نے رومال ہی میں تھوڑا سا پانی ڈال کر گھول لیا اور جس طرح ہو سکا کھا لیا اور غیر معمولی تعب و مشقت برداشت فرمایا۔

(بحوالہ اشرف السوانح)

مولانا سعید احمد مرحوم کی صلبی یادگار صرف ایک صاحب زادی ہیں جو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے چند ماہ بعد پیدا ہوئی تھیں اور اُن کو حضرت تھانویؒ کی ربیبہ بننے اور آغوش تربیت میں پرورش پانے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت تھانویؒ نے اُن کی والدہ محترمہ سے عقد ثانی کر لیا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ خود حضرت تھانویؒ کے قلم حقیقت رقم سے بعنوان "الخطوب المذیبہ المقلوب المینبہ" اصلاح انقلاب حصہ دوم کا جزو بن کر اسی زمانے میں شائع ہو چکا ہے۔

حضرت مولانا سعید احمد کی یہ نیک نہاد صاحب زادی مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کے عقد نکاح میں ہیں اور بفضلہٖ تعالےٰ صاحب اولاد ہیں اور ان کے تمام صاحب زادگان ماشاء اللہ صاحب علم اور دینی علوم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اور اپنے بزرگوں خصوصاً اپنے نانا مرحوم کے لیے باقیات صالحات

اور اُن کی یاد کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیشہ اس گھر کو دینی خدمات اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور تا قیامت اس گھرانے کا علمی و روحانی فیض جاری رہے۔

؎ ایں دُعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

مولانا عثمانی کی سُنّت ختنہ اور ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی عمر سات سال کی تھی کہ سُنّتِ ختنہ ادا کی گئی اور مکتب میں قرآن مجید پڑھنے کے لیے بٹھایا گیا اور اسی عُمر میں آپ نے رمضان المبارک کا روزہ بھی رکھا۔ دار العلوم دیوبند میں حافظ نامدار صاحب اور حافظ غلام رسول صاحب درجہ قرآن مجید کے مدرس تھے ان سے اور اپنی دادی صاحب کے بھائی مولوی نذیر احمد صاحب سے آپ نے ناظرہ قرآن مجید پڑھا اور جب کبھی دادی صاحبہ کے ہمراہ اپنے ننھیال تھانہ بھون آیا کرتے تھے تو جتنے دنوں وہاں قیام رہتا وہاں بھی قرآن مجید کا سبق ناغہ نہیں کرتے تھے بلکہ حافظ عبد الطیف نابینا کے پاس سبق پڑھتے رہتے تھے۔

حفظ قرآن مجید

پھر درسیات سے فارغ ہو کر چونتیس سال کی عمر میں حضرت مولانا مرحوم کو درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتوے نویسی کی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ ان ہی حافظ مولانا عبد الطیف صاحب سے اپنے استاذ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانیؒ کی طرح بہت تھوڑے عرصے یعنی صرف چھ مہینے کی مُدّت میں قُرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ ۱۳۴۴ھ کا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد نو سال کی عُمر میں مولانا مرحوم دارالعلوم دیوبند داخل ہُوئے اور فارسی کی کتابیں ابتدا سے گلستان، بوستان تک مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندیؒ سے پڑھیں اور میزان الصرف بھی آپ ہی سے شروع کر دی تھی اور حساب مُنشی منظور احمد صاحب مدرس دوم درجۂ فارسی سے پڑھا تھا۔

علمِ دین کا شوق اور انگریزی سے نفرت

مولانا مرحوم کے والد صاحب گھر پر مولانا کو انگریزی پڑھا دیا کرتے تھے مگر مولانا کو چونکہ اس سے بالکل دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ دلی نفرت تھی اس لیے کتاب کو پڑھنے کے بعد جلا دیا کرتے تھے۔ جب اس بات کا علم والد صاحب کو ہُوا تو وجہ دریافت کرنے پر مولانا نے فرمایا کہ آپ بڑے بھائی صاحب کو تو عالم دین بنانا چاہتے ہیں اور مجھے جاہل رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھے اس زبان سے نفرت ہے اسی لیے جو کتاب ختم ہو جاتی ہے اس کو جلا دیتا ہوں۔ اس واقعہ کے بعد والد ماجد نے مولانا کو بھی اپنے ماموں صاحب کے پاس تھانہ بھون جانے کی اجازت دے دی۔

دارُالعلوم سے امدادُالعلوم میں

انگریزی سے نفرت کے بارے میں مولانا کی جو گفتگو والد صاحب سے ہُوئی تھی آپ نے اپنے بڑے بھائی صاحب کو تھانہ بھون خط لکھا تو اس کا تذکرہ بھی کر دیا۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ حضرت تمہارے خط سے

بہت خُوش ہُوئے اور بہت جلد تھانہ بھون پہنچنے کے لیے فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب مولانا کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ مولانا نے ایک گھوڑا کرایہ پر لیا اور اپنے دھوبی کے ہمراہ علم دین حاصل کرنے کے شوق میں دیوبند سے تھانہ بھون پہنچ گئے اور یہاں اپنے ماموں حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ کی زیر نگرانی خانقاہ امدادیہ مدرسہ امدادالعلوم میں داخل ہو کر ابتدائی عربی کی کتابیں شروع کر دیں۔ خانقاہ کے مدرسہ میں اس وقت حضرت تھانویؒ کے ماموں مُنشی شوکت علی صاحب مرحوم فارسی کے مدرس تھے۔ موصوف فارسی کے بڑے ماہر اور فارسی زبان کے شاعر بھی تھے۔ مولاناؒ نے ان کے پاس گلستان دوبارہ شروع کر دی اور دُوسرے اسباق مولانا محمد عبداللہ صاحب گنگوہی مدرس عربی کے پاس شروع کر دیئے۔

مدرسہ امدادالعلوم کا طریقہ تعلیم

خانقاہ امدادیہ کے مدرسہ کے مدرس مولانا محمد عبداللہ صاحب مرحوم کا طریقۂ تعلیم اس قدر عمدہ تھا کہ اُن کے پاس "ہدایۃ النحو" پڑھنے والا طالب علم عربی کی ہر کتاب کی عبارت صحیح پڑھنے اور اس کا ترجمہ کرنے پر قادر ہو جاتا تھا۔ نیز عربی سے اُردو اور اُردو سے عربی بھی بنانے لگتا تھا۔ مولانا عبداللہ صاحب پڑھاتے تے کم تھے مگر اجراء قواعد زیادہ کراتے تھے۔ مولانا کی ابتدائی عربی تعلیم بھی انھی کے سپرد کی گئی تھی اور فارسی عربی کی متداول ابتدائی کتاب "تیسیر المبتدی" مولانا عبداللہ مرحوم نے مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم سبق طلباء کے لیے

لکھی تھی جس کو آپ نے "میزان الصرف" کے ساتھ پڑھا تھا اور "پنج گنج" و "نحومیر" تک برابر اُس کا سبق بھی لیتے رہے۔

زمانۂ نحومیر کا عربی شعر

اس طریقۂ تعلیم کی برکت سے مولانا مرحوم کو "نحومیر" پڑھنے کے زمانے میں عربی کی اتنی استعداد پیدا ہو گئی تھی کہ اپنے ایک دوست کو یہ خود ساختہ عربی شعر خط میں لکھ کر بھیجا تھا ؎

انا مارأیتك من زمن ناذ دادنی قلبی الشجن

حضرت حکیم الامت نے اس خط کو دیکھ کر اگرچہ مربیانہ تنبیہ فرمائی کہ یہ وقت شعر و شاعری کا نہیں ہے مگر اُستاد کے طریقۂ تعلیم پر اظہارِ پسندیدگی بھی فرما دیا تھا۔

تجوید و سبعۂ قرأت

مولانا مرحوم حافظِ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ تجوید و قرأت کے بھی ماہر تھے اور قرآن مجید نہایت عمدہ اور دل کش عربی لہجہ میں بے تکلفی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

مولانا مرحوم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ قاری عبداللہ صاحب مکی سے بھی تجوید و قرأت کی مشق کی تھی جو حضرت تھانویؒ کے بھی استاذ قرأت تھے۔ مولانا نے سبعہ قرأت کے اجراء کے لیے حضرت حکیم الامتؒ سے اُن کا تصنیف فرمودہ رسالہ "تنشیط الطبع فی اجراء السبع" سبقاً سبقاً پڑھا اور کچھ حصّہ "المکررہ" کا بھی آپ ہی سے پڑھا تھا۔

ایک واقعہ

ایک دن مولاناؒ اپنے حجرہ میں بلند آواز سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے حضرت حکیم الامتؒ نے آواز اور قرأت سُن کر مدرسہ کے مؤذن سے دریافت فرمایا، یہ عرب کہاں سے آ گئے؟ مؤذن نے ہنس کر کہا عرب تو کوئی نہیں آیا مولوی ظفر احمد مشق کر رہے ہیں۔ اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا "ماشاءاللہ خوب مشق کر لی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی عرب قرآن پڑھ رہا ہے"۔

مثنوی شریف

اسی زمانے میں مولانا مرحوم نے حضرت تھانویؒ سے مثنوی مولانا روم پڑھی تھی اور حضرت حکیم الامّت نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں مثنوی کا درس لیا تھا۔ اس کے بعد اس کی بے نظیر شرح "کلید مثنوی" کے نام سے لکھی تھی جو بہت ہی عجیب و غریب شرح ہے۔

ترجمہ قرآن مجید اور نصاب "ضمان التکمیل" کی تعلیم

"ہدایۃ النحو" کے ساتھ ہی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص مولانا شاہ لطف رسول صاحب سے مولانا نے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا اور حضرت مولانا عبدالاول صاحب جونپوری کا عربی ادب میں رسالہ "الطریف الادیب الظریف" بھی پڑھا۔ اسی زمانے میں مولانا مرحوم کے استاذ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی کچھ دن کے لیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت اقدس میں قیام کی غرض سے گنگوہ چلے گئے تو مدرسہ خانقاہ کے نصاب "ضمان التکمیل فی زمان التعجیل" میں سے تلخیص المفتاح،

تلخیص المنار مع المدار، تلخیص ہدایۃ الحکمۃ مع درایۃ العصمۃ، تلخیص المرقاۃ، تلخیص البدایہ للغزالی اور عشرہ طردس تلخیص مأۃ، دروس کے اسباق، مولانا مرحوم کو خود حضرت حکیم الاُمّت تھانویؒ نے پڑھائے اور باقی اسباق اپنے بڑے بھائی مولانا سعید احمد مرحوم سے پڑھے۔

جامع العلوم کانپور میں داخلہ

۱۳۲۳ھ میں جب حضرت تھانویؒ نے تفسیر "بیان القرآن" لکھنی شروع کی اور اس کے لیے بہت زیادہ وقت و فرصت کی ضرورت پیش آئی تو حضرت نے مولانا کو خود اپنے ساتھ لے جاکر مدرسہ جامع العلوم کانپور میں داخل کرا دیا۔ مولانا نے وہاں مشکوٰۃ، جلالین اور ہدایہ کے اسباق لینے کی درخواست دی۔ کیونکہ تھانہ بھون کے نصاب کے مطابق تو یہی کتابیں اس سال شروع کی جانی چاہیئے تھیں۔ مولانا محمد اسحاق صاحب نے امتحان داخلہ لیا۔ اس وقت اُن کے پاس طلبہ "ہدایہ اخیرین" کا سبق پڑھ رہے تھے۔ مولانا سے ہدایہ کی عبارت پڑھنے کے لیے کہا گیا۔ مولانا نے عبارت پڑھ کر اس کا ترجمہ کر دیا۔ ممتحن صاحب نے فرمایا۔ مطلب بیان کیجئے۔ مولانا نے کہا یہ عبارت درمیان کی ہے اس کا تعلق اُوپر کی عبارت سے ہے اس کو دیکھ لوں تو مطلب بھی بیان کر دوں گا۔ اس پر ممتحن صاحب نے فرمایا تم یقیناً ہدایہ، مشکوٰۃ اور جلالین پڑھ لو گے کیونکہ جو طلبہ ہدایہ پڑھ رہے ہیں اُن میں سے بعض کی نہ عبارت صحیح ہے نہ ترجمہ، عبارت کا اُوپر سے تعلق سمجھنا تو بہت دُور کی بات ہے چنانچہ مولانا کو مطلوبہ کتابوں میں داخلہ مل گیا۔ جلالین شریف مولانا محمد اسحٰق صاحب

کے پاس تھی اور ہدایہ، اخیرین اور مشکوٰۃ شریف مولانا محمد رشید صاحب کانپوری پڑھاتے تھے۔ مولانا کو عربی ادب سے شروع ہی سے بہت رغبت تھی اس لیے مولانا نے "سبعہ معلقہ" کا سبق زیادہ لیا جو مولانا کی جماعت کا سبق نہ تھا بلکہ اگلی جماعت کا سبق تھا۔ یہ سبق بھی مولانا محمد رشید صاحب کے پاس ہوتا تھا۔

ہفت روزہ جلسہ

جامع العلوم کانپور میں حضرت تھانویؒ نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہُوا تھا کہ ہدایہ پڑھنے والے طلبہ جمعرات کے دن بجائے سبق کے فتوے نویسی کی مشق کریں۔ استاد کوئی فقہی سوال دے دیں جس کا جواب کاپی میں لکھ کر طلباء جمعرات کے دن دکھایا کریں۔ اسی طرح علم ادب پڑھنے والے جمعرات کے دن بجائے عربی کے عربی سے اردو اور اردو سے عربی بنانے کی مشق کریں۔ اور مشکوٰۃ و جلالین پڑھنے والے مغرب سے عشاء تک شب جمعہ میں وعظ و تقریر کی مشق کریں۔ تقریر کا موضوع چند روز پیشتر اُستاد مقرر کر دیتے تھے اور مولانا محمد اسحاق صاحب ان جلسوں میں باقاعدگی سے شریک ہو کر مقرّرین کی غلطیوں کی اصلاح کرتے تھے۔

جامع العلوم کانپور کا تعارف

یہ مدرسہ حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانویؒ کے زمانۂ قیام کانپور کی یادگار اور آپ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ و ثمرہ تھا۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کانپور میں ۱۳۰۱ھ تا ۱۳۱۵ھ مسلسل چودہ سال تک ہر علم و فن کی کتابوں کا درس دیا تھا اور کانپور کے

اطراف میں اس مدرسہ کو دارالعلوم دیوبند کا ثانی سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہاں سے دورۂ حدیث پڑھ کر بڑے بڑے فضلاء کرام اور کامل اساتذۂ حدیث پیدا ہوئے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے ۱۳۱۵ھ میں تھانہ بھون کی خانقاہ میں مُستقل قیام فرمالیا تھا مگر یہ مدرسہ حضرت والا کی زیر سرپرستی قائم تھا۔ اور اُس میں آپ کے شاگردان خاص مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی اور مولانا محمد رشید صاحب کانپوری تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔

مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانیؒ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ اور خلفاء میں سے تھے۔ اپنے زمانے میں بڑے پائے کے محدث اور استاد کامل تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے جب تھانہ بھون کی خانقاہ میں مُستقل قیام کی غرض سے مدرسہ جامع العلوم کانپور سے علیحدگی اختیار فرمائی تو مولانا اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کو اپنا جانشین اور صدر مدرس منتخب فرمایا تھا۔ آپ متبحر عالم ہونے کے علاوہ قوتِ حافظہ میں بھی بے نظیر اور ضرب المثل تھے۔ بخاری شریف کے حافظ اور عاشق تھے۔ قرآن مجید کی منزل کی طرح بخاری شریف کے ایک پارے کی ہر روز تلاوت کیا کرتے تھے۔ اس لیے بخاری میں جو حدیث جتنے مقامات پر آئی ہے مولانا بے تکلف بتا دیا کرتے تھے۔ سنا ہے حج کے موقع پر کسی نجدی عالم نے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ آئی ہے آپ نے فرمایا چھ مقامات پر، وہ عالم حیران رہ گئے کہ ہندستان کے علماء دین بھی اتنے زبردست حافظے کے مالک ہوتے ہیں۔ آپ نے

زمانہ طالب علمی میں نحو کی مشہور کتاب کافیہ پُوری حفظ کر لی تھی اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے ہمیشہ دہراتے رہتے تھے۔

حافظہ ایسا قوی تھا کہ جو حکایت اور لطیفہ یا جو شعر سبق پڑھتے وقت جس موقع پر اور جس انداز سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سُنا تھا خود سبق پڑھاتے وقت اس کو بڑے ذوق و شوق سے لطف لے کر اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا حوالہ دے کر بعینہٖ نقل فرمایا کرتے تھے۔

جس روز مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان داخلہ لیا۔ بعد مغرب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یہ حضرت کی کرامت ہے کہ مولوی ظفر احمد اس کے باوجود کہ انہوں نے درمیان کی بعض کتابیں نہیں پڑھیں مشکوۃ و جلالین اور ہدایہ پڑھنے کی پوری استعداد رکھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ ہمارے مدرسہ کے طریقۂ تعلیم کی خوبی ہے کہ "نحو میر" پڑھنے والا طالب علم عربی کی ہر کتاب کی عبارت پڑھ اور سمجھ لیتا ہے۔

جامع العلوم کانپور کے دوسرے مدرس مولانا محمد رشید صاحب کانپوری بھی حضرت تھانویؒ کے شاگرد رشید تھے۔ موصوف کو علم فقہ میں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ حضرت تھانویؒ نے مولانا موصوف کی ذہانت کا ایک عجیب واقعہ بیان فرمایا ہے کہ کانپور میں مولوی صاحب کے پاس ایک استفتاء آیا کہ گھوڑے کے جنازہ کی نماز پڑھنی کیسی ہے؟

آپ نے ظرافت کے پیرائے میں جواب لکھا کہ اگر کسی نے گھوڑے کو کلمہ پڑھتے ہوئے سُنا ہو تو اس کی نماز جنازہ ضرور پڑھنی چاہیئے ورنہ نہیں۔ اس پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ تبصرہ فرماتے ہیں کہ جواب کیسا مدلّل دیا کہ نماز جنازہ مُسلمان کی ہوتی ہے اور جب تک کلمہ نہ پڑھے مُسلمان نہیں ہوتا"۔

مولانا موصوف کی ایک محققانہ تحریر کو حضرت حکیمُ الامت نے اپنی بیاض خاص الطرائف والظرائف حصہ اوّل میں بعنوان ذیل شامل فرمایا ہے الفائدۃ الکلامیہ فی اصحاب الاعراف، رقم کردہ مولوی رشید احمد صاحب کانپوری سلمہٗ بجواب استدلال مولوی عبید اللہ سندھی ص ۱۵۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مولوی رشید احمد صاحب کانپوری ایک دفعہ یہاں قیام کئے ہوئے تھے مجھے روپیوں کے پیسوں کی ضرورت تھی۔ مجھے ایک شخص نے پیسے دیئے اور میں نے روپیوں کے عوض پیسے لے لیے۔ مولوی صاحب نے نہایت ادب اور نرمی کے ساتھ بڑے اچھے عنوان سے کہا کہ یہ بیع صرف ہے اور مسجد میں بیع جائز نہیں"۔ مَیں نے اس کو مان لیا اور اُن کی بات کو قبول کر لیا۔

(حسن العزیز ص ۵۲ جلد ۳)

قطب العالم مولانا رشید احمد گنگوہی کی زیارت اور دُعاء

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کو کشفاً معلوم ہو گیا تھا کہ ۱۳۲۳ھ حضرت گنگوہیؒ کی عمر کا آخری سال ہے اس لیے حضرت تھانویؒ اپنے متعلقین و متوسلین کو باہتمام خاص اپنے ساتھ

لے کر حضرت گنگوہیؒ کی زیارت کے لیے گنگوہ تشریف لے گئے چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو بھی اپنے بڑے بھائی مولانا سعید احمد کے ساتھ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت اور دُعا لینے کا شرف حاصل ہُوا۔ پھر اسی سال حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہو گیا۔

دورۂ حدیث کی تکمیل

مولانا نے ۱۳۲۵-۲۶ھ میں دورۂ حدیث (صحاح ستہ مع مؤطا امام مالک) حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانیؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا اور شعبان ۱۳۲۶ھ میں امتحان فراغت دینیات دیا۔ اس امتحان میں درج ذیل حضرات ممتحن تھے۔ حدیث کا امتحان شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے لیا اور فقہ کے ممتحن مولانا سعد اللہ صاحب رامپوریؒ تھے۔ صرف و نحو، بلاغت و ادب کا امتحان حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری اور تفسیر کا امتحان حضرت حکیم الاُمت مولانا تھانویؒ کے پاس ہُوا اس امتحان میں مولانا عثمانیؒ دُوسرے نمبر پر کامیاب ہُوئے تھے۔ اوّل نمبر پر مولاناؒ کے بڑے بھائی مولانا سعید احمد مرحوم تھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی خدمت میں حاضری

امتحان سے فارغ ہو کر تعطیل رمضان میں مولانا مرحوم تھانہ بھون تشریف لائے ایک ہفتہ قیام کے بعد دیوبند اپنے عزیزوں سے ملنے کا ارادہ کیا اور راستے میں سہارنپور پہنچ کر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی زیارت و مُلاقات کے لیے اُن کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ حضرت مولانا بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور خود ہی

فرمایا، مولوی ظفر! ہم تمہارے جواب سے بہت خوش ہوئے ہیں۔ تم نے ادب و بلاغت کے پرچے کا بہت اچھا جواب دیا ہے اس لیے ہم نے تم کو سب سے زیادہ یعنی سَو میں سے اسّی نمبر دیئے ہیں۔ باقی سب تم سے کم ہیں۔ حضرت سہارنپوری کی اس عنایت و شفقت نے مولانا کے دل پر ایسا اثر کیا کہ مولانا پھر انہی کے ہو رہے اور بالآخر دو سال کے بعد حضرت سہارنپوریؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت بھی ہو گئے۔

مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ

اسی زمانے میں مولانا محمد اسحٰق صاحب بردوانیؒ جامع العلوم کانپور سے مستعفی ہو کر مدرسہ عالیہ کلکتہ تشریف لے گئے اور مولانا محمد رشید صاحب بھی وہاں سے مستعفی ہو گئے۔ ان حضرات کے چلے جانے کے بعد یہ مدرسہ جو مشرقی اضلاع میں دارالعلوم دیوبند کا نمونہ تھا۔ اب اُس کی وہ حیثیت نہ رہی تھی۔

محرم ۱۳۲۶ھ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کو تکمیل درسیات معقول و فلسفہ اور ہیئت کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجنا چاہا۔ انہی دنوں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا والا نامہ حضرت حکیم الامتؒ کے نام آگیا کہ مولوی ظفر احمد کو آپ مظاہر علوم میں بھیج دیں۔ معقول و فلسفہ پڑھانے کے لیے ہم نے مولانا عبدالقادر صاحب پنجابی کو بُلا لیا ہے۔ اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ "جب مولانا خلیل احمد صاحب کی تم پر اس قدر عنایات ہیں کہ خود بُلا رہے ہیں تو اب اللہ کا نام لے کر تم مظاہر العلوم میں چلے جاؤ۔

چنانچہ وسط محرم میں مولانا نے مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ لے لیا اور وہاں

مولانا عبدالقادر صاحبؒ، مولانا حافظ عبداللطیف صاحب وغیرہ مدرسین سے منطق و فلسفہ، ریاضی و ہیئت کی کتابیں پڑھنی شروع کر دیں اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے درسِ بخاری میں بھی شریک ہوتے رہے۔

تکمیل درسیات و سندِ فراغت

تقریباً دو سال مظاہر علوم میں سلسلۂ تعلیم قیام رہا اور علومِ عقلیہ و نقلیہ میں مہارت حاصل کرنے اور تمام درسی کتابوں کی تکمیل کے بعد فراغت حاصل کی اور شعبان ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم کے سالانہ امتحان میں شریک ہو کر کامیاب ہوئے۔ شرح چغمینی کا امتحان حضرت مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ نے لیا تھا اور اس میں اوّل نمبر پاس کیا تھا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا کُل زمانۂ تعلیم سات سال کی عمر سے اٹھارہ سال کی عمر تک ہے اور اُنیس سال کی عمر میں مظاہر العلوم سہارنپور میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا بطور مدرس تقرر ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا احمد حسن امروہی کی زیارت

اسی سال ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک عظیم الشان جلسہ دستار بندی منعقد ہوا جس میں تمام اکابر علماء دیوبند تشریف لائے۔ حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بھی تشریف لائے تھے مولانا اُن کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مولاناؒ اُن کے بارے میں فرماتے تھے وہ بہت خوب صورت اور خوش لباس تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اس جلسہ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا بڑا ہی مؤثر و دل نشین وعظ ہوا تھا۔

حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منوّرہ

حق تعالےٰ نے آپ کو زندگی میں پانچ مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منوّرہ کا موقع نصیب فرمایا تھا۔

پہلا سفر حج

اسی سال مولانا عبداللطیف صاحبؒ، مولانا عبداللہ گنگوہیؒ صاحب اور مولانا ثابت علیؒ صاحب مدرسین مظاہر العلوم نے حج کا ارادہ کیا تو مولانا کے دل میں بھی تقاضا پیدا ہُوا۔ اتفاق سے اس وقت آپ کو ایک سو پچیس (۱۲۵) روپے زمین کی قیمت سے آگئے تھے۔ تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے فرمایا تمہارے ذمّہ حج فرض ہو گیا۔ (صرف حج کے لیے اس وقت اتنی رقم کافی ہو جاتی تھی مگر زیارت مدینہ منوّرہ کے لیے اس رقم میں گنجائش نہ تھی) غرض مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے فرمانے پر آپ نے بھی حج کا ارادہ کر لیا۔ وقت پر پچاس ساٹھ روپے کا اور انتظام ہو گیا۔ اللہ کے فضل سے اس رقم میں ایسی برکت ہُوئی کہ حج اور زیارت مدینہ دونوں کے لیے یہ رقم کافی ہو گئی اور مولانا دونوں مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ اور سفر حج سے پہلے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے حدیث مسلسل باجابت دُعا فی الملتزم کی اجازت سے بھی مشرف ہو گئے تھے۔

اس سال حج میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ بھی تشریف لے گئے تھے۔ مولانا مرحوم اپنے رفقاء کے ساتھ یکم ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے۔ اور چار ذی الحجہ کو مولانا خلیل احمد صاحبؒ بھی مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ سفر حج میں مولانا

سہارنپوریؒ کی معیت سے سب کو بہت خُوشی تھی کیونکہ حضرت کی وجہ سے کمال اتباع سُنّت کے ساتھ فریضہ حج کی ادائیگی کی سعادت نصیب ہُوئی تھی ورنہ بعض سُنتوں کا تو بہت سے اہلِ علم کو بھی پتہ نہیں ہوتا اور ان حضرات کو حضرت سہارنپوریؒ کی معیت و برکت سے تمام سُنتوں کا علم بھی ہُوا اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق بھی حاصل ہُوئی۔

مکّہ معظمہ میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ اور صاحب کشف و کرامت بزرگ مولانا محب الدین صاحبؒ کی زیارت و صحبت سے مشرف ہونے کا موقعہ ملا اور مدینہ منوّرہ میں علامہ سید احمد برزنجیؒ شافعی کی زیارت بھی نصیب ہُوئی۔ وہاں اس وقت یہ بہت بڑے عالم اور صاحب انوار و برکات بزرگ تھے۔ مولانا خلیل احمد صاحبؒ کو ان کی زیارت کا اشتیاق ہُوا تو مولانا رحمہ اللہ علیہ بھی حضرت کے ہمراہ ان کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔

حضرت سہارنپوریؒ نے بایں فضل و کمال، علو اسناد اور تفقہ تام کے علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ سے تبرکاً حدیث کی سند بھی حاصل کی تھی۔

خواب میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا واقعہ

مولانا رحمہ اللہ علیہ نحو میر اور شرح مأۃ عامل پڑھنے کے زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ! این انا؟ میرا ٹھکانہ کہاں ہو گا؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فی الجنۃ (جنت میں)۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا پڑھتے ہو؟ اسباق عرض کر دیئے

تو آپ نے فرمایا۔ پڑھتے رہو اور پڑھ کر ہمارے یہاں بھی آؤ گے! عرض کیا یارسول اللہ! اشتیاق تو بہت ہے آپ دُعا فرمائیں۔ فرمایا۔ ہم دُعا، کرتے ہیں۔"

بمبئے میں جہاز پر سوار ہوئے تو مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ نے مولانا کو ان کا یہ خواب یاد دلایا اور فرمایا دیکھو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پڑھ کر ہمارے یہاں آؤ گے! تو اسی سال تم پڑھ کر فارغ ہوئے ہو اور تم کو حج اور زیارت کا سامان نصیب ہو گیا۔ آپ نے عرض کیا واقعی یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی کشش تھی کہ یہ سب کچھ ہو گیا ہے۔ ورنہ میرے پاس نہ اس کا کوئی انتظام تھا اور نہ کچھ اُمید تھی۔ فللہ الحمد والشکر۔

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی کرامت

اس سفر میں مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی ایک عجیب کرامت ظاہر ہُوئی۔ مولانا کے پاس زادِ راہ بہت قلیل تھی یعنی صرف دو سو روپے تھے اور دُوسرے رفقاءِ حج کے پاس پانچ سو اور بعض کے پاس اس سے بھی زیادہ رقم تھی۔ سوا مہینہ حج سے پہلے اور سوا مہینہ حج کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ کھانے پینے کے تمام اخراجات میں دُوسرے رفقاء کے ساتھ مولانا بھی برابر کے شریک رہے اس لیے بعض رفقاء کو خیال ہُوا کہ شاید آپ کے پاس مدینہ منورہ کی حاضری کے لیے رقم نہیں بچی ہو گی۔ مولانا نے کہا آپ میری فکر نہ کریں بحمد اللہ! میرے پاس رقم کافی ہے۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب نے مجھے ایک روپیہ دیا تھا کہ اِس پر نشان کر کے رقم میں ملا لو۔ اسے خرچ نہ کرنا اور حساب بھی نہ کرنا بے حساب خرچ کرتے رہنا۔ اس لیے مَیں نے اس وقت سے رقم کو گنا نہیں۔ ضرورت کے موافق تھیلی سے نکالتا رہتا ہوں۔ اندازہ ہے کہ ہمیانی میں ابھی کافی رقم ہے چنانچہ آپ اسی طرح خرچ کرتے رہے اور راحت کے ساتھ سفر مدینہ سے فارغ ہو کر جب واپس بمبئے پہنچ گئے اور حضرت سہارنپوریؒ کے حکم سے رقم کو گنا گیا تو اس میں اب بھی تیرہ روپے بمبئے سے سہارنپور تک انٹر کلاس کا کرایہ باقی تھا۔ اسی طرح مولانا مرحوم کے اس سفر حج میں حضرت مولانا خلیل احمدؒ کی توجہات و برکات برابر شامل رہیں۔ بعض احباب نے رقم کی کمی کے پیشِ نظر حضرت سے عرض کیا کہ مولانا کو اس سال سفر حج سے روک دینا چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا ہرگز نہیں۔ ان کو اسی سال حج کے لیے پہنچنا ہے۔ یہ الفاظ اس طرح ارشاد فرمائے جیسے کوئی غیبی اشارہ ہو۔

(انوار النظر ص۳۵)

دُوسرا حج ۱۳۲۸ھ میں آپ کو اپنے گھر والوں کے ساتھ دوبارہ حج اور زیارت مدینۃ الرسول کی دولت میسّر ہُوئی۔

تیسرا حج پھر اس کے دس سال بعد ۱۳۳۸ھ میں تیسری مرتبہ حج اور زیارت مدینہ کی سعادت حاصل ہُوئی۔

چوتھا حج شوال ۱۳۶۸ھ مطابق اگست ۱۹۴۹ء میں حکومت پاکستان نے حج کے ایام میں حکومت سعودیہ کی طرف ایک خیرسگالی وفد بھیجنے کا ارادہ کیا جس میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کا نام طے ہُوا تھا مگر مولانا پر فالج کا دورہ ہو گیا تو آپ کی جگہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو وفد میں

شامل کیا گیا اور اس طرح چوتھی بار حضرت مولانا کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اللہ سے مشرف ہونے کی سعادت ہوئی۔ اس وفد کے کارناموں کی پوری تفصیل ماہنامہ ندائے حرم کراچی میں بصورت سفرنامہ حجاز حصہ دوم خود مولانا کے قلم سے قسط وار شائع ہو چکی ہے چند خاص خاص باتوں کا یہاں بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس سفر حج وزیارت کا اس طرح اچانک موقعہ فراہم ہو جانا اور بے وہم وگمان اس کا سامان مہیا ہو جانا مولانا کے لیے بڑا ہی باعثِ سعادت اور انتہائی خوشی کا سبب تھا۔ مولانا کے تأثرات اور قلبی کیفیت کا کسی قدر اظہار واقعۂ ذیل سے ہوتا ہے:۔

۲۲ ستمبر بروز جمعرات مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ انصاری جو مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں ایڈیشنل ہیڈ مولوی تھے۔ حضرت مولانا نے جب اپنے کام کا چارج ان کے حوالہ کیا تو اس وقت وہاں دوسرے علماء اور مدرسین بھی موجود تھے مولانا محمد شفیع صاحب نے اس موقع پر اپنے تأثرات کا اظہار چند تازہ اشعار میں کیا جو اسی وقت بلا تکلف موزوں ہو گئے ان میں سے تین شعر یہ ہیں:۔

؎ طالب حق صدق دل سے سوئے کعبہ جب چلا
ابرِ رحمت سر پہ اُس کے سایہ افگن ہو گیا

جاؤ جاؤ منتظر ہیں رحمۃ للعٰلمین
میزبانی خود کریں گے شاہ ختم المرسلین

آفریں صد آفریں بر ہمت یکتائے تو!
ایں سفرائے کاش باشد داروئے غمہائے تو

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ دوسرے شعر پر میری حالت دگرگوں ہو گئی اور بے ساختہ آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور خیال ہوا کیا واقعی رحمۃ للعٰلمین کو میرا انتظار تھا۔ میں اس قابل کہاں؟ مگر بے گمان یہ فوری سامان تو کچھ اسی پر اشارہ کر رہا تھا جو بے ساختہ ان اشعار میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر آگیا۔

؎ کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے اس پر بھی مسرت ہوئی کہ ڈھاکہ یونیورسٹی اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کے تعلق سے بحمد اللہ میری نسبت باطنہ میں کمی نہیں آئی۔ والحمد للہ علیٰ ذلک حمداً کثیرا۔

(انوار النظیر ص ۲۶ ج ۲)

مولانا لکھتے ہیں کہ ۱۶ راگست ۱۹۴۹ء کو عزت مآب خواجہ شہاب الدین صاحب وزیر داخلہ پاکستان کا گرامی نامہ بتوسط جناب نور الامین صاحب وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان میرے نام پہنچا۔

۱۶ راگست ۱۹۴۹ء کراچی

مکرمی ومعظمی جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! آج میں نے عزت مآب نور الدین صاحب کو ایک تار روانہ کیا ہے جس میں اُن سے استدعا کی گئی ہے کہ وہ آپ سے درخواست کریں کہ آپ پاکستانی خیر سگالی وفد کے ممبر کی حیثیت سے حج کے موقع پر سعودی عربیہ تشریف لے جانے کے لیے تیار رہیں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ

آپ جیسے بزرگ میرے ہمسفر ہوں گے اور میں آپ کی صحبت سے مستفید ہونگا ہماری روانگی انشاء اللہ تعالےٰ ۲۴ر ستمبر بذریعہ اورینٹ ائرویز کے جہاز سے ہوگی ۔

کمترین خواجہ شہاب الدین

(سفرنامہ حجاز حصہ دوم ص۲)

ہوائی جہاز میں نماز باجماعت

حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ دہلی سے ٹھیک ۷ بجے جہاز روانہ ہوا۔ مغرب کا وقت ہوگیا تھا میں نے جہاز ہی میں جماعت کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز ادا کی۔ ہوائی جہاز میں مجھے خاص طور سے یہ فائدہ محسوس ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ کامل رہتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا فرشتوں کے قریب پہنچ گئے اور فرشتے ہی بن گئے ہیں۔ دُنیا کا وسوسہ اور دھیان بھی دل میں نہیں آتا۔ بس حضوری اور مشاہدہ کی حالت قائم رہتی ہے۔

(ایضاً ص۳)

جناب لیاقت علیخاں وزیر اعظم پاکستان کو قائد اعظم کا حج بدل کرانے کی ہدایت

حضرت مولانا نے جناب لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے :

"چلتے ہوئے میں نے کہا قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر حج فرض تھا جب وہ اپنا سب کچھ مال و متاع قوم کو دے گئے ہیں تو اُن کی طرف سے حج بدل کرا دینا چاہیئے۔ اُنہوں نے پوچھا کیا یہ ہوسکتا ہے کہ

میں اُن کی طرف سے حج کرا دوں۔ میں نے کہا بہتر تو یہ ہے کہ اُنکے ترکہ میں سے اُن کی ہمشیرہ صاحبہ مس فاطمہ جناح حج بدل کرائیں اور اگر وہ آپ کو بخوشی اجازت دے دیں تو آپ بھی کرا سکتے ہیں۔ فرمایا میں ضرور اُس کی کوشش کروں گا"

(ص۱۰)

قربانی کے مسئلہ پر مکالمہ

سفر حج میں کراچی کے قیام کے دوران حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک منکر حدیث سے قربانی کے مسئلہ پر اپنے مکالمے کا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں :

"میں نے کہا آخر آپ کے اس دعوے کی دلیل کیا ہے ؟ کہنے لگے قرآن میں ہے ثم محلھا الی البیت العتیق جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعائر اللہ یعنی قربانی کا محل بیت اللہ ہے۔" میں نے کہا اول تو یہ آیت ہی قربانی کے متعلق نہیں بلکہ ہدی کے متعلق ہے اور ہدی کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کو حرم میں ذبح کیا جائے۔ دُوسرے اس کو قربانی کے لیے مان لیا جائے تو لازم ہوگا کہ بیت اللہ کے اندر قربانی کی جائے کیونکہ آیت میں منتہی بیت العتیق کو فرمایا گیا ہے اب اگر کسی دلیل سے البیت العتیق کو بجائے بیت اللہ کے پورے حرم پر محمول کریں گے تو اسی دلیل سے آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آیت ہدی کے ساتھ خاص ہے۔ اضحیہ کے متعلق نہیں ہے۔ اضحیہ اور ہدی میں فرق ہے ہدی وہ ہے جس کو عمرہ یا حج کا احرام باندھ کر ساتھ لیا جائے یا بطور نذر یا کفارہ مکہ بھیجا جائے اور اضحیہ وہ ہے جو بغیر حج و عمرہ کے اللہ کے نام پر ایام اضحیہ میں ذبح کی جائے۔" کہنے لگے حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور مدینہ سے مکہ حضرت صدیق اکبرؓ

کے ساتھ روانہ کئے تھے"۔ میں نے کہا ہاں یہ ہدی تھی اضحیہ نہ تھی کیونکہ حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہر سال عیدالاضحٰے کے موقع پر قربانی کی ہے۔ صرف ایک سال حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہدی کے جانور مکہ بھیجے ہیں۔ اور ایک سال جب آپ نے خود حج کیا تو اپنے ساتھ ہدی لے گئے تھے"۔ کہنے لگے بس جو حدیث قرآن کے موافق ہوگی مانی جائے گی اور جو اس کے خلاف ہوگی رد کر دی جائے گی قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ مکہ ہے"۔

میں نے کہا غلط بلکہ بقول آپ کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی جگہ خاص بیت اللہ ہے۔ مگر اس کو کوئی عاقل بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ بیت اللہ یا مسجد حرام کو قربانی کے جانوروں کے خون اور گوبر و پیشاب وغیرہ سے ملوث کیا جائے تو جس دلیل سے آپ اس کو مکہ پر محمول کریں گے اسی دلیل سے ہم اس کو ہدی کے ساتھ مخصوص کریں گے"۔ کہنے لگے اگر ایسا ہے تو قرآن میں کسی جگہ تو یہ ہوتا کہ قربانی دوسری جگہ بھی ہو سکتی ہے"۔

میں نے کہا اسی آیت کے بعد دوسری آیت میں ہے ولکل امۃ جعلنا منسکا لیذکروا اسم اللہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام (کہ جتنی شریعتیں گزری ہیں ان میں ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کرنا۔ اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ ان مخصوص چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا کئے ہیں) تو کیا ہر اُمت کے لیے حکم تھا کہ مکہ میں جا کر قربانی کیا کریں؟ آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ پھر قرآن شریف میں موسٰے علیہ السلام کا قول مذکور ہے ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ (کہ اے بنی اسرائیل خدا

تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے یا بیل ذبح کرو) اور آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی قربانی کا بھی ذکر ہے۔ اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر (کہ دونوں نے قربانی کی ایک کی تو قبول ہوئی دوسرے کی قبول نہ ہوئی) تو کیا آپ یہ کہیں گے کہ یہ سب قربانیاں مکہ ہی میں ہوا کرتی تھیں؟ کہنے لگے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر جگہ گھر گھر بلا وجہ قربانی کی جائے اور اتنے جانوروں کا خون کر کے روپیہ ضائع کیا جائے۔ بات یہ ہے کہ اس وقت مکہ والوں کی معاشی حالت خراب تھی۔ ان کا محل وقوع ایسا ہے جہاں پیداوار کم ہوتی ہے بواد غیر ذی زرع اس لیے ان کی امداد کے لیے قربانی مقرر کی تھی کہ لوگ مکہ جا کر قربانی کیا کریں"۔

میں نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو مکہ والے اسلام اور مسلمانوں کے برابر دشمن اور درپئے آزار و قتال ہی رہے حتیٰ کہ حضورؐ نے ان کے حق میں قحط کی بددعا کی تو وہ امداد کے لائق کب تھے؛ بلکہ اس وقت تو اہل مدینہ امداد کے قابل تھے کہ ہر طرف سے مسلمان سمٹ سمٹ کر ہجرت کر کے مدینہ آ رہے تھے۔ اگر قربانی کی یہ علت ہوتی تو بجائے ثم محلھا الی البیت العتیق کے ثم محلھا الی البیت الرسول فرمایا جاتا۔ پھر جو علت آپ فرما رہے ہیں قرآن میں تو اس کا کہیں ذکر نہیں۔ محض آپ کا اپنا قیاس ہے تو حیرت ہے کہ یا تو آپ کو صرف قرآن پر اصرار تھا کہ حدیث تک کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے یا اب قیاس کو ماننے لگے جس کا درجہ حدیث اور اجماع کے بعد ہے بشرطیکہ قیاس کسی مجتہد کا ہو۔ مقلا کا قیاس تو کسی درجے میں بھی معتبر نہیں میں نے بتا دیا ہے کہ قرآن سے قربانی کا ہر اُمت کے لیے اور ہر جگہ ہونا ثابت

ہے۔ ساتھ ہی حدیث سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہر سال قربانی کی ہے اور فرمایا من وجد سعة فلم یضح فلا یقربن مصلانا (جو شخص وسعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے) اس حکم کے بعد مدینہ میں صحابہ کا قربانی کرنا اور اُنکے بعد ہر زمانہ میں ساری اُمّت کا ہر جگہ قربانی کرنا برابر متوارث چلا آرہا ہے تو کیا ساری اُمّت قرآن کی اس آیت کو نہیں سمجھی تھی آج آپ ہی اس کو سمجھے ہیں۔ اگر آپ کی فہم کو تسلیم کر لیا جائے تو آیت کا مطلب ایسا ہوگا جسے کوئی بھی عاقل قبول نہیں کر سکتا کہ قربانی بیت اللہ میں ہونی چاہیے۔ حالانکہ اس میں بیت اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ سراسر بے حُرمتی ہے کہ سارا بیت اللہ اور اس کے ساتھ مسجد حرام بھی قربانی کے جانوروں کے خون پیشاب اور گوبر سے ملوث ہوا کرے"۔

(ص۱۲)

افاداتِ خاص

نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال اسی سفر میں کراچی میں حضرت مولانا کے سامنے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کرنے کا سوال اُٹھایا اور کہا کہ آپ نے تو جواز کا فتویٰ دے دیا ہے مگر بہت سے لوگ حضرت حکیم الاُمّتؒ کے فتوے پر قائم ہیں اور نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتے۔ حضرت مولانا نے فرمایا۔ حضرت حکیم الاُمّتؒ نے اس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ

جواز و عدم جواز کا مدار اس پر رکھا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر سے امام ہی کی آواز بعینہٖ بلند ہوتی ہے یا صدائے بازگشت کی طرح یہ دُوسری آواز ہے۔ پھر حضرت نے سائنس دانوں کے مختلف اقوال نقل فرما کر فیصلہ میں تردد کا اظہار فرمایا اور تردد کی صُورت میں احتیاط یہی ہے کہ نماز میں لاؤڈ سپیکر استعمال نہ کیا جائے۔ مگر مجھے اب ماہرین سائنس سے محقق ہو گیا ہے کہ یہ آواز امام ہی کی آواز ہے صدائے بازگشت نہیں۔ اس لیے مجھے تردد نہیں رہا۔ (ص۵)

پھر حضرت مولانا نے مکہ معظمہ میں حکومت سعودیہ کے شیخ الاسلام عبداللہ بن حسن سے بھی اس سلسلہ میں مزید تحقیق فرمانی چاہی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے نزدیک امام کی آواز اور اس کی بازگشت میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی صدائے بازگشت ہی کی اقتدار کرے تو اس میں کیا مضائقہ ہے"۔

(ص۱۴)

وقوف عرفہ سے پہلے مقاربت کا حکم حضرت مولاناؒ اپنے سفر نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے وقوف عرفہ سے پہلے اپنی بیوی سے مقاربت کر لی تھی جبکہ بیوی بھی احرام میں تھی۔ میں نے کہا عام طور سے متون اور شروح میں تو یہ لکھا ہے کہ اس صُورت میں دونوں کا حج فاسد ہو گیا سال آئندہ قضاء کریں مگر احرامِ حج بغیر افعالِ حج کے نہیں کھل سکتا اس لیے دونوں عرفات جائیں اور وقوف عرفہ و مزدلفہ کر کے منیٰ میں رمی اور ذبح وغیرہ کے بعد احرام کھول دیں۔ لیکن مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں میقات پر جائیں اور وہاں سے دوبارہ احرامِ حج باندھ کر آئیں کیونکہ مقاربت سے صرف احرام سابق فاسد ہوا ہے جس سے دم واجب

ہوگا اور دُوسرے احرام سے وقوف عرفہ و مزدلفہ کر کے حج صحیح ہو جائے گا. اور سال آئندہ قضا لازم نہ ہوگی. مگر اس روایت کو نقل کر کے علامہ شامی نے تامل بھی کیا ہے. مگر میں نے کہا احتیاط اسی میں تھی کہ میقات سے دوبارہ احرام باندھ لیا جاتا تاکہ کسی ایک صورت پر تو حج صحیح ہو جائے پھر خدا توفیق دے تو آئندہ بھی حج کر لیا جائے۔ (ص۳۳)

اس واقعے سے حضرت مولانا مرحوم کی جزئیات فقہیہ پر وسعت نظر کے ساتھ دقتِ نظر اور شان تفقہ کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا جناب خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں عرصہ دراز تک علوم حدیث و فقہ کی خدمت کا جو موقع حضرت مولانا مرحوم کو میسّر آیا تھا اس کی برکت سے کس قدر گہری مناسبت حضرت مولانا مرحوم کو ان علوم سے حاصل ہو گئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ تقویٰ اور احتیاط کے پہلوؤں پر بھی برابر نظر رہتی تھی۔

فوٹو کے بارے میں مولانا کا طرزِ عمل

وفد پاکستان کے سیکرٹری مسٹر عبدالرشید صاحب نے ترجمان کے ذریعے اس مجلس کا فوٹو لینے کی اجازت طلب کی جو سلطان بن سعودؔ کی ملاقات کے لیے منعقد کی گئی تھی تو اس وقت حضرت مولانا مجلس سے باہر آ گئے اور جب جس موقع پر فوٹو لیا گیا مولانا مرحوم ہر موقعہ پر الگ ہی رہے اور خود کو فوٹو سے بچانے میں کامیاب رہے البتہ سعودی عرب کے وزیر مالیہ شیخ عبداللہ بن سلیمان سے جب وفد پاکستان ملاقات کر رہا تھا اور حضرت مولانا بھی اس میں شریک تھے اس وقت مولانا

کی بے خبری میں آپ کا فوٹو بھی لے لیا گیا۔ مولانا نے اپنے سفرنامے میں تحریر فرمایا ہے کہ وفد پاکستان کے سیکرٹری یہاں بھی فوٹو گرافی سے نہ چوکے اور نہ معلوم کس وقت میرا فوٹو لے لیا کہ مجھے خبر نہ ہوئی۔ بعد میں بتایا گیا کہ جس وقت میں وزیر موصوف سے گفتگو کر رہا تھا اس وقت وہ باہر برآمدہ میں فوٹو لے رہے تھے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ میرے نزدیک فوٹو لینا اور اُتروانا جائز نہیں۔ اگر کسی نے میرا فوٹو لیا ہے تو یقیناً میری بے خبری میں لے لیا ہے۔

(ص۴۶)

دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

اگرچہ آج کل ممالک اسلامیہ میں یہ وباء عام ہے کہ وہاں کے بعض علماء اور مفتیانِ کرام بھی اس سے پرہیز نہیں کرتے مگر علماء محققین نے برابر اس کو لعن اللہ المصورین کی وعید میں داخل سمجھا ہے اور ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے چنانچہ علماء مصر میں علامہ محمد زاہد الکوثریؒ سابق نائب شیخ الاسلام ترکی نے بھی فوٹو کو تصویر کے حکم میں داخل قرار دیا ہے اور ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ (ص۴۱)

حالتِ احرام میں آگے سے سِلی ہُوئی لنگی پہننا جائز ہے

حضرت مولاناؒ نے حالت احرام میں لنگی اور دھاری دار رنگین چادر استعمال کی تھی اور لنگی سامنے سے سِلی ہُوئی تھی۔ مولانا مرحوم اس کو جائز سمجھتے تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا حوالہ دیتے تھے۔ مولانا شبیر علی تھانوی مرحوم نے جب مولاناؒ سے یہ سوال کیا کہ لنگی میں نیفہ ڈال کر آگے سے اس کو سینے کی اجازت ہوگی یا نہیں اور

مبسوط کی بعض عبارتوں کا حوالہ بھی لکھا تو حضرت مولاناؒ نے ان کو بھی جواب ارقام فرمایا تھا کہ میں نے حالتِ احرام میں خود ایسی لنگی استعمال کی ہے جو آگے سے سلی ہوئی تھی البتہ تیفہ ڈالنا میرے نزدیک اچھا نہیں گو ناجائز وہ بھی نہیں "

(صٓ۳۰)

احرام میں سفید کپڑا لازم نہیں

مولاناؒ فرماتے ہیں کہ احرام میں لنگی اور چادر کا سفید ہونا بھی ضروری نہیں ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے سرخ حلہ یمنی میں احرام باندھا ہے ۔ امام سفیان ثوریؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس میں سُرخ دھاریاں تھیں پورا سُرخ نہ تھا بلکہ دھاری دار تھا ۔

(صٓ۳)

عرفات و منیٰ میں امام کے ساتھ نماز میں قصر کرنا

اس مسئلہ پر حضرت مولانا مرحوم نے مولانا سیّد سلیمان ندوی سے اپنی گفتگو اس طرح ارقام فرمائی ہے ۔ میں نے کہا : حنفیہ ، شافعیہ ، حنابلہ کے نزدیک امام مکی کو عرفات میں قصر کی اجازت نہیں کیونکہ ان کے نزدیک مسافر کے سوا کسی کو قصر جائز نہیں اور مکہ سے عرفات تک مسافت قصر نہیں ہے البتہ مالکیہ کے نزدیک عرفات و منیٰ میں قصر جائز بلکہ لازم ہے ۔ اہل نجد نے اس باب میں مالکیہ کا قول اختیار کر لیا ہے اور ان کا امام باوجود مکی اور مقیم ہونے کے عرفات و منیٰ میں قصر کرتا ہے ۔ حالانکہ اس کے پیچھے ہر قسم کے مقتدی ہوتے ہیں (وہ بھی جن کے مذہب میں یہ قصر صحیح نہیں) مولانا سیّد سلیمان صاحب کے خیال میں سب کے لیے قصر جائز تھا ۔ فرمانے لگے : بھائی لاکھوں آدمیوں کی نماز کا جو حال ہوگا وہی میری

نمازوں کا بھی سہی "! میں نے کہا آپ کا خیال صحیح ہے ۔ میرے نزدیک بھی اس قصر و جمع سے حنفیہ کی جماعت درست ہو گئی ہے کیونکہ اوّل تو امام حنبلی المذہب ہے جس کے ہاں ایک دن کی مسافت پر قصر جائز ہو جاتا ہے ۔ عرفات مکہ سے نو میل یا کچھ زیادہ ہے ۔ اور یہ ایک منزل کی مسافت ضرور ہے ۔ لہٰذا اپنے مذہب کے موافق وہ مسافر ہے مقیم نہیں ۔

دُوسرے جب اُنہوں نے اس مسئلہ میں مالکیہ کا قول اختیار کر لیا ہے تو یہ قصر مناسکِ حج کی وجہ سے ہے اپنے مذہب پر ان کی نماز صحیح ہو گئی ۔ اور ہمیں ان کی اقتدار جائز ہے ۔

تیسری بات سب سے اہم یہ ہے کہ عرفات و منیٰ اور مزدلفہ میں قصر کرنا اختلافی مسئلہ ہے اور حنفیہ کا قول ہے کہ مسائل اختلافیہ میں امام وقت کسی ایک قول کو ترجیح دیدے تو وہی جانب راجح ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ ایسے مسائل میں امام کا فیصلہ قاطع نزاع ہوتا ہے اور اس وقت شیخ الاسلام حکومت نجد نے حج سے پہلے جمعہ کے خطبہ میں اعلان کر دیا تھا کہ عرفات و منیٰ میں قصر کیا جائے تو میرے نزدیک حنفیہ کی نماز بھی قصر کے ساتھ درست ہو گی ۔ البتہ جن لوگوں نے اپنی قیام گاہ یا خیموں میں جماعت کی ہو اور امام کے ساتھ نماز پڑھی ہو ان کو قصر کی اجازت نہیں ۔ لیکن چونکہ اس موقع پر شمس الائمہؒ نے سخت بات لکھ دی ہے اس لیے باوجودیکہ میں وجوہ مذکورہ کی بناء پر قصر کو جائز سمجھتا ہوں اور امام کے ساتھ قصر کیا بھی تھا لیکن بعد میں احتیاطاً نماز کا اعادہ مناسب سمجھا تا کہ نماز مختلف فیہ نہ رہے ۔ عمر میں کبھی کبھی تو حج کا اتفاق ہوتا ہے

یہاں کی یہ چند نمازیں بھی مختلف فیہ رہیں۔ اس بات کو دل نے قبول نہیں کیا۔ (ص ۹۳)

حضرت مولانا نے اپنے اسی سفرنامے میں حکومت سعودیہ کو مشورہ دیا ہے کہ حکومت کو اس باب میں جملہ مذاہب کی رعایت لازم ہے کیونکہ جو ائمہ منیٰ اور عرفات میں مقیم کو قصر کی اجازت دیتے ہیں وہ قصر کو واجب تو نہیں کہتے لیکن جو ائمہ قصر کی اجازت نہیں دیتے وہ مقیم پر اتمام کو واجب کہتے ہیں تو بہتر یہ ہے کہ امام مقیم منیٰ و عرفات میں اتمام کرے تاکہ ہر مذہب پر نماز صحیح ہو جائے۔ اور کسی کو خلجان باقی نہ رہے۔ (ص ۹۶)

حکومت کے روپے سے حج کرنا

حجازِ مقدس سے حضرت مولاناؒ کی واپسی پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور مولانا ظفر احمد صاحب انصاری ارکان تعلیمات اسلامیہ بورڈ ملنے کے لیے قیام گاہ پر تشریف لائے تو مولانا انصاری نے بتایا کہ بعض اخباروں میں تو بجائے مولانا ظفر احمد عثمانی کے مولانا ظفر احمد انصاری لکھ دیا گیا۔ اس پر بعض دوستوں کے خطوط میرے پاس مبارک باد کے آئے اور بعض نے یہ بھی لکھا کہ حکومت کے روپے سے فرض تو ادا نہ ہو گا آپ کو دوبارہ حج کرنا ہو گا۔ حضرت مولاناؒ نے فرمایا۔ میرا یہ حج تو نفلی ہی تھا فرض تو میں جوانی میں ادا کر چکا ہوں۔ اس پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا۔ تو کیا آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت کے روپے سے فرض ادا نہیں ہوتا؟ حضرتؒ نے فرمایا میرا یہ جواب بعد تسلیم ہی کے تھا کہ اگر یہ مان لیا جائے تو میرا یہ حج فرض نہ تھا بلکہ نفلی تھا۔ مفتی صاحب نے فرمایا اس باب میں تحقیق کیا ہے؟

مولانا نے جواب دیا۔ تحقیق تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ جب کوئی شخص ایام حج میں مکہ پہنچ جائے خواہ کسی طرح سے بھی پہنچے۔ اگر اس نے پہلے حج نہیں کیا تو اب مکہ معظمہ پہنچ کر اس کے ذمہ حج فرض ہو جائے گا۔" (ص ۱۸۲)

قبرستان میں نماز پڑھنا

حکومتِ سعودیہ کے شیخ الاسلام علامہ عبداللہ بن حسن نے بوقت ملاقات مولانا مرحوم سے دریافت فرمایا کہ قبرستان میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا قبر کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے۔ البتہ اگر قبر دائیں بائیں یا پُشت پر ہو اور نماز پڑھنے والا خصوصیت کے ساتھ قبر کی تحری (قصد) کر کے وہاں نماز نہیں پڑھتا بلکہ ویسے ہی اتفاقاً کوئی دُوسری جگہ اس سے بہتر نہ ہونے کے سبب نماز پڑھ رہا ہے تو جائز ہے۔ لیکن اگر قبر کی تحری (قصد) کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔"

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ لوگ عام طور پر قبر کی تحری کر کے ہی وہاں نماز پڑھتے ہیں اس لیے ہم اس کو حرام سمجھتے ہیں اور آپ بھی اس کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں اس لیے آپ سے ہمیں کوئی اختلاف نہیں۔" (ص ۱۲۱)

جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیزؒ ابن سعود سے مُلاقات اور گفتگو

منیٰ کے راستے میں بہت عالیشان سلطان کا قصر بنا ہُوا ہے جب وفد پاکستان کے ساتھ مولانا مرحوم

وہاں پہنچے تو سلطان کے خاص مقربین نے وفد کا استقبال کیا اور ممبران وفد کو بالائی منزل پر لے گئے جہاں سلطان اپنی محافظ جماعت کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے وفد نے السلام علیکم یا جلالۃ الملک السلطان ابن سعود کہا۔ سلطان کے محافظ دستے نے فوجی قاعدے سے کھڑے ہو کر تلواریں نیام سے نکال کر سلام کا جواب دیا۔ سلطان نے وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ اھلاً وسھلاً و مرحبا فرمایا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ممبران وفد نے مصافحہ کیا اور سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مولانا، سلطان کے سامنے قریب کی ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور وفد کی نمائندگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

جلالة الملك ! نحن وفد باكستان جئناكم وشرفنا بلقائكم أفتكم لاستحكام الروابط الاسلاميه بيننا وبين المملكة السعوديه العربيه خاصة لكونها في مركز الاسلام وقلبه وبين الممالك الاسلاميه عامة لكونها اخواننا في الدين۔

جلالۃ الملک ہم ممبران وفد پاکستان جناب والا کی خدمت میں عالی جاہ کے سایۂ عاطفت سے مشرف ہوئے اور پاکستان اور حکومت سعودیہ عربیہ کے درمیان روابط محبت و مروت کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں حکومت پاکستان تمام ممالک اسلامیہ سے عموماً اور مملکت سعودیہ عربیہ سے خصوصاً روابط مروت قائم کرنا چاہتی ہے۔"

ونحن شاكرون لما انعمتم به علينا من الكرام واللطف الخاص منا وكذالك

کیونکہ مملکت سعودیہ مرکز اسلام اور قلب اسلام میں واقع ہے۔ ہم آپ کے ان

حكومة باكستان شاكرة لما تفضلتم على وفدها من الاعزاز والاجلال لازالت الحكومتان متوافقتين متعاضدتين متعاونتين خادمتين للاسلام والمسلمين ابداً ابداً آمين۔ وقد سرنا ما رئينا من اجتهاد المملكة السعوديه العربيه في راحة الحجاج وامن الطريق و حسن الضبط والنظم والعدل و سعيها الجميل في اقامة شرائع الدين وتكميل ما يحتاجون اليه في معايشهم والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

انعامات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو ہمارے اعزاز میں لطف خاص کی شکل میں کیے گئے ہیں اور حکومت پاکستان بھی انتہائی شکر گزار ہے کہ اس کے وفد پر آپ کی حکومت نے عزت و احترام کے جذبات کا مظاہرہ کیا ہے خدا کرے دونوں حکومتیں باہم شیر و شکر ہو کر اور ایک دوسرے کی مدد و معاون بن کر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کا حق ادا کرتی رہیں۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ حکومت سعودیہ کو حجاج کی راحت رسانی اور راستوں کے امن و امان کی حفاظت کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور شعائر دین اور امور معاش دونوں کی تکمیل و ترقی کا بہت خیال ہے "۔

سلطان مرحوم نے جواب میں ارشاد فرمایا :

نحن فرحون بمملكة باكستان واهلها جدا وندعو لهم بكل خير وهذا السيد عبدالحميد الخطيب بنو بنا مي قضاء حوائجكم ۔

ہمیں بھی حکومت پاکستان اور مسلمانان پاکستان سے بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے ہم ان کے لیے ہر قسم کی خیر کی دعا کرتے ہیں اور سید عبدالحمید خطیب ہماری طرف سے آپکی تمام ضروریات کی تکمیل کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں "۔

امیر وفد کے ایک سوال کے جواب میں سلطان نے پاکستان میں دین کو پھیلانے اور رواج دینے کی طرف توجہ دلائی تو اس پر حضرت مولاناؒ نے جواب میں فرمایا :-

جلالۃ الملک ! قد عزمت حکومت باکستان واجمعت علی اقامۃ النظام الاسلامی والدستور الشرعی واعلنت بذلک ۔ ولکن قد علم حضرتکم انھم کانوا تحت البرطانیہ ورسوم الکفرۃ منذ مأتی عام فیکون ذلک شیئا فشیئا بالتدریج وستعلمون نبأہ بعد حین ان شاء اللہ تفرحون بہ ۔

جلالۃ الملک ! حکومت پاکستان نے عزم کر لیا ہے اور اس کا اعلان بھی کر دیا ہے کہ وہ نظام اسلامی اور دستور شرعی کو قائم کرے گی "۔ مگر جناب کو معلوم ہے کہ اہلِ پاکستان دو سو برس سے حکومت برطانیہ اور قوانین کفار کے ماتحت تھے اس لیے یہ کام آہستہ آہستہ بتدریج ہوگا اور انشاءاللہ بہت جلد کچھ عرصہ میں آپ تک اس کی اطلاع پہنچ جائے گی تو یقیناً آپ خوش ہوں گے "۔

اس کے جواب میں سلطان نے فرمایا :-

قد فرحنا بسماع ھذا النبأ العظیم والنفرح ذاذا رأینا مظاھرہ ان شاء اللہ تعالٰی ۔

ہمیں اس خبر کے سننے سے ہی بڑی خوشی ہوئی اور اس کے ظہور کے نشانات دیکھیں گے تو اور زیادہ خوش ہونگے ۔

(سفر نامہ ص ۱۵۱ تا ۱۵۳)

سلطان ابن سعود سے مولانا مرحوم کی دوسری ملاقات مکہ مکرمہ سے واپس

ہوتے ہوئے جدہ کے قصر الملک میں ہوئی کیونکہ سلطان اس وقت جدہ میں قیام فرما تھے ۔ سلطان بہت تپاک سے پیش آئے اور جب رخصت ہونے لگے اور سلطان سے مصافحہ کیا تو سلطان نے تبسم کے ساتھ فرمایا : "انتم صدیقنا الاوّل" آپ تو ہمارے پرانے دوست ہیں ۔ مولانا مرحوم نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

نشکرکم علی ان لم تنسونا " جناب کا شکر گزار ہوں کہ آپ مجھے بھولے نہیں "۔ (ص ۱۵۲)

سلطان ابن سعود مرحوم کے علاوہ وزیر مالیہ شیخ عبداللہ بن سلیمان اور نائب وزیر مالیہ شیخ محمد سرور صاحب اور امیر فیصل امیر مدینہ بہت سے مقتدر اعیان حکومت سعودیہ سے حضرت مولانا کی ملاقاتیں اور گفتگوئیں ہوئیں رئیس القضاۃ عبداللہ بن مزاحم سے بھی ملاقات ہوئی ۔ نیز عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء و زعماء کرام سے ملاقاتیں ہوئیں جن میں مفتی اعظم فلسطین ، عبدالوہاب عزام بے ، امیر حجاج مصر ، سفیر مصر ، سفیر حبشہ ، نمائندگان عراق ، نمائندگان شام ، مندوبین جرائد مصر ، علماء مراکش ، علماء شام اور علماء حرمین الشریفین قابلِ ذکر ہیں ۔ (ص ۲۰۵)

طائف کے سفر میں منزل سیل صغیر پہنچ کر حضرت مولانا مرحوم کو خیال آیا کہ غزوۂ حنین انہی میدانوں میں کسی مقام پر پیش آیا ہے ۔ جنگِ حنین کا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا ۔ ایسے نازک مقام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی کو یاد کر کے عشق و محبت رسولؐ کی آگ بھڑک اٹھی اور زبان و قلب سے درود شریف جاری ہو گیا اور اپنے قصیدۂ نعتیہ کے یہ اشعار

بے ساختہ زبان پر آ گئے ۔

ارأیت فی الدنیا یتیما مثلہ
ملک القلوب بھکذا التسخیر
کیا تم نے دنیا میں کوئی اور یتیم بھی دیکھا ہے جس نے دلوں پر قبضہ کر کے انہیں اس طرح مسخر کر لیا ہو ۔

اوابصرت یمناک مثل محمد
من واھب اثماقا لھجان غیور
یا تیری آنکھوں نے محمدؐ کے برابر کوئی غیور دیکھا ہے جو سو سو قیمتی اونٹ ایک ایک آدمی کو دے دے ۔

ارأیت یاعین الزمان کاحمد
من ادلی بالعطاء درور
یا اے چشم زمانہ تو نے احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی برابر کسی کو سخی دیکھا ہے جس کی بخشش کا دریا برابر بہتا رہتا ہے ۔

کلا ومن بجدوکا حمد ماجدا
جبل الوقار بحومۃ العاثور
ہرگز نہیں ! کسی نے آپ جیسا شریف اور بلند مرتبہ بھی تو نہیں دیکھا جو ہلاکت خیز حالتوں میں کوہ وقار بن کر چمکنے والا ہو ۔ (ص ۱۶۳)

تبلیغی جماعت کے متعلق مولانا کے تاثرات

اپنے سفر نامہ میں حضرت مولاناؒ نے تبلیغی جماعت کا تعارف اس کے دستور العمل اور فوائد و منافع اور دوسرے ممالک میں اس کی وسعت و ضرورت پر بہت تفصیل سے تجزیہ فرمایا ہے اور نہایت شاندار الفاظ میں اس جماعت کے کام کی تحسین اور جماعت کو خراج تحسین پیش فرمایا ہے اور اس کے ساتھ ہی " مبلغین کی خدمت میں چند معروضات " کے عنوان کے تحت نہایت مفید مشورے اور چند قابل توجہ امور کی نشاندہی فرمائی ہے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر

بعض اہم اور قابل اصلاح امور کا تذکرہ یہاں بھی کر دیا جائے ۔ حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں :-

" تبلیغ کی ضرورت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈال چکا ہوں ۔ اس میں شک نہیں کہ اس کام کو اصول کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی سب سے بڑی خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن افراط اور تفریط سے ہر کام میں احتیاط لازم ہے اس لیے چند امور پر تنبیہ ضروری ہے ۔

۱ ۔ تبلیغی گشت کے بعض مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کو زبردستی پکڑ کر مسجد کی طرف گھسیٹا جا رہا ہے ، کسی کی کمر میں ہاتھ ڈالا جا رہا ہے ۔ کسی کے گلے میں کہ بھائی چلو ۔ بس اسی وقت سے نماز شروع کر دو کسی نے ناپاکی کا عذر کیا تو زبردستی کنوئیں یا " تالاب پر لے جا کر نہلایا جا رہا ہے بعض اس سے بچنے کے لیے بھاگتے اور منہ چھپاتے ہیں ۔ بعضوں کی زبان سے سخت کلمات نکل جاتے ہیں ۔ یہ نازیبا صورتیں ہیں جو اللہ تعالےٰ نے حضورؐ کے لیے بھی پسند نہیں فرمائیں ۔ چنانچہ ارشاد ہے :-

" اما من استغنی فانت لہ تصدی "

" جو شخص (دین سے) استغنا برتتا ہے آپ اس کے درپے ہوتے ہیں " ۔

حالانکہ حضورؐ کے ہاں کسی نازیبا غلو کا نام بھی نہ تھا ۔

۲ ۔ بعض لوگوں کو اس کام کے لیے ایک چلہ یا دو چلہ دینے کی اس طرح ترغیب دی جاتی ہے جو اصرار کی حد تک پہنچ جاتی ہے ۔ وہ اپنے کاروبار کے نقصان کا عذر پیش کرتا ہے تو دعوے سے کہہ دیا جاتا ہے کہ تبلیغ کی برکت

سے تمہارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ چار و ناچار وہ اپنے کاروبار کو بُری بھلی صُورت میں چھوڑ کر ایک دو چلہ کے لیے تبلیغ میں شریک ہوجاتا ہے اور جماعت کیساتھ دورہ کرتا رہتا ہے۔ جب واپس آکر کاروبار میں نقصان دیکھتا ہے تو اُدھر اُدھر شکایتیں کرتا اور جماعت کو بُرا بھلا کہتا پھرتا ہے۔ یہ بھی نازیبا صُورت ہے ہر شخص خود کو مولانا محمد الیاسؒ صاحب نہ سمجھے۔ وہ جن پر ایسا اصرار کرتے تھے ان کے لیے ہمّت و توجہ کے ساتھ دُعائیں بھی کرتے تھے جن کی برکت سے اس شخص کے دل میں اخلاص پیدا ہوجاتا تھا اور اخلاص کے بعد اللہ تعالےٰ کی مدد شامل ہوجاتی تھی اور تبلیغ میں ایک دو چلہ کی سعی اور مشغولی سے کاروبار میں بھی نقصان نہ ہوتا تھا بلکہ پہلے سے زیادہ برکت ہوتی تھی۔ اس لیے مولانا کو اِس قسم کے اصرار کا حق تھا دُوسروں کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ مولانا پر عاشقانہ رنگ غالب تھا اور اللہ تعالےٰ اپنے عاشقوں کی مُرادیں پُوری کرتے ہیں جس کو یہ مقام حاصل نہ ہو اس کو اُن کی نقالی نہیں کرنی چاہیئے۔

۳ــــ بعض لوگ تبلیغ کے سوا دُوسرے تعلیمی شعبوں اور خدمت اسلام کے طریقوں کو بے کار سمجھتے ہیں اور جو حضرات علماء و صلحاء اپنے اپنے طریقہ پر مدارس یا خانقاہوں میں درس حدیث و قرآن و فقہ اور تزکیہ نفوس میں مشغول ہیں ان کی تحقیر کی جاتی ہے اور تبلیغ کی فضیلت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ سامعین کے قلوب میں دوسرے اسلامی کاموں کے لیے بے قدری اور بے وقعتی پیدا ہوجاتی ہے۔ یہ بھی غلو اور افراط ہے اگر سارے علماء و صلحاء ایک ہی کام میں لگ جائیں اور دُوسرے تمام کام معطل کر دیئے جائیں تو علم

قرآن و حدیث و فقہ اور تزکیۂ اخلاق و تکمیل ذکر اور تحصیل نسبت باطنہ وغیرہ کا دروازہ بند ہوجائے گا۔ حق تعالےٰ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر کہ تم میں ایک جماعت (سب نہیں) ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے۔ نیک کاموں کا امر کرے۔ بُرے کاموں سے روکے۔ وہیں یہ بھی ارشاد ہے کہ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم۔ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ اس کام کے لیے کیوں نہیں نکلتے کہ دین میں تفقہ (اور کمال) حاصل کریں۔ اور جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔ اسی طرح ایک جماعت اہل حکومت کی ہونا ضروری ہے۔ ایک جماعت سپاہیوں کی بھی ہونی چاہیئے۔ غرض اہل حرفہ، زراعت پیشہ، تجار اور ملازمت کرنے والے سب ہی ہونے چاہئیں۔ البتہ ان سب کو اپنے اوقاتِ فُرصت میں تبلیغِ احکام کی خدمت بھی جس قدر ہوسکے انجام دینی چاہیئے۔ (ص [illegible])

۴ــــ بعض دفعہ تبلیغ کے لیے پیادہ پا سفر کرنے کی اس عنوان سے ترغیب دی جاتی ہے کہ بُوڑھے اور کمزور بھی پیدل چلنے کو تیار ہوجاتے ہیں اور ان کو بجائے روکنے کے شاباش دی جاتی ہے یہ بھی نازیبا صُورت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیادہ چلتے ہُوئے دیکھا تو فرمایا "سوار ہوجا" اس نے عُذر کیا کہ میرے ساتھ جو اُونٹنی ہے وہ بدنہ ہے (جسے اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی نیّت کرچکا ہوں۔) کچھ دیر کے بعد آپؐ

نے پھر فرمایا سوار ہو جا۔ اس نے پھر وہی عُذر کیا۔ آپؐ نے تیسری بار فرمایا "ارکبھا ویلک" ارے تیرا ناس ہو سوار ہو جا۔ غرض ایسے لوگوں کا پیادہ چلنا اور دور دراز کا سفر کرنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو گوارہ نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جن لوگوں پر حج فرض نہ ہو اور مشقت کا تحمل بھی نہ کر سکیں ان کے سامنے حج کے فضائل اس طرح بیان نہ کرو کہ وہ پیدل سفر کرنے پر آمادہ ہو جائیں پھر مُشقت کا تحمل نہ کر سکیں تو حج اور بیت اللہ کی عظمت ہی اُن کے دل سے جاتی رہے اس سے تو یہی اچھا تھا کہ وہ حج نہ کرتے کہ ان کے ذمہ فرض نہ تھا۔

اسی طرح پیدل سفر کر کے تبلیغ کرنا بھی فرض نہیں ہے تو اسکی ترغیب اس طرح نہ دی جائے کہ جن کو مشقت کی عادت نہ ہو وہ بھی تیار ہو جائیں اور تکلیف اُٹھا کر تبلیغ کو دل میں بُرا کہیں۔

۵۔۔۔ بعض دفعہ مجمع عام میں تبلیغ کے لیے ایک چلّہ دو چلّہ دینے کی ترغیب دی جاتی ہے اور جب کوئی نہیں بولتا تو نام لے کر پکارا جاتا ہے کہ میاں فلانے تم کیوں نہیں بولتے۔ پھر جب لوگ نام لکھواتے ہیں تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ شخص شوق سے نام لکھوا رہا ہے یا لوگوں کی شرما شرمی سے۔ ہمیں کوئی فوج تو بھرتی نہیں کرنی ہے۔ اس کام میں ان ہی لوگوں کو لینا چاہیئے جو خلوص اور شوق سے کام کرنا چاہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ جو لوگ شرما شرمی شریک ہو جاتے ہیں اصولوں کی پابندی نہیں کرتے بلکہ بعض تو تبلیغ کے نام سے اپنے لیے چندہ کرتے پھرتے ہیں جس کا اثر اُلٹا اور بہت بُرا ہوتا ہے۔

۶۔۔۔ بعض حضرات نے تبلیغ کے چھ اصولوں ہی میں سارے دین کو منحصر سمجھ رکھا ہے۔ اگر کسی دُوسرے دینی کام کے لیے اُن کو بُلایا جاتا ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہمارے چھ اصولوں سے خارج ہے اس لیے ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے یہ بھی غلو اور افراط میں داخل ہے۔

۷۔۔۔ مبلغین عام طور پر تبلیغی گشت ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ مکاتب قرآنیہ اور مدارس دینیہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے حالانکہ جہاں قرآنی مکتب اور دینی مدارس نہ ہوں وہاں مکتب اور مدرسہ قائم کرنا بہت ضروری ہے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو اس کا خاص اہتمام تھا۔

۸۔۔۔ دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی اجتماعات میں امراء احکام اور وزراء کو شریک کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے یہ صُورت بھی اچھی نہیں۔ بس ترغیب سے زیادہ کچھ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد کوئی خود اپنے شوق سے آئے تو خُوشی کی بات ہے زیادہ اصرار کی ضرورت نہیں۔

مَیں نے مکّہ معظمہ میں مبلغین کو تاکید کی تھی کہ حجاز کے دیہات میں قرآنی مکاتب قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ بدوؤں کا جہل دُور ہو اور اُن کو علم سے مناسبت ہو جائے۔ اُمید ہے دوستوں نے اسکا اہتمام کیا ہو گا۔

(ص ۹۸)

جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم و ذکر

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے فرمایا کہ میرا اصل مقصود یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کے علوم ہوں اور میرا طریقۂ تبلیغ ہو تو مُسلمانوں کی حالت درست ہو جائے۔ اس کے

بعد مجھے حکم دیا کہ جماعت تبلیغ کے لیے نصاب تعلیم اور نصاب ذکر الگ الگ قلمبند کر دوں۔ چنانچہ میں نے نصاب قلمبند کر کے پیش کیے تو بہت خوش ہوئے۔ اس نصاب میں حضرت حکیم الاُمتؒ کے رسائل و مواعظ اور تفسیر بیانُ القرآن کو خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے اور نصاب ذکر میں بھی حضرت کی کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اگر جماعت تبلیغ ان نصابوں کے موافق تعلیم و ذکر کا اہتمام کرتی رہے تو حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی یہ دلی آرزو پوری ہو جائے گی۔ (صـ ۸۳)

افسوس کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کی یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی اور حضرت مولانا کے متوسلین و متبعین نے حضرت کاندھلویؒ کے منشاء کے مطابق حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے علوم کو دنیا میں پھیلانے کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ چنانچہ اُن کی بے توجہی کے باعث اب تو یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا کہ حضرت مرحوم کے حکم سے تعلیم و ذکر کا جو نصاب حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے جماعت تبلیغ کے لیے حضرت حکیم الامتؒ کی ہی کتابوں سے مرتب کیا تھا اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب نے اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا وہ کیا تھا؟ اور کیا ہوا؟

میدانِ عرفات میں مسلمانانِ عالم سے خطاب ۹ ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ بروز اتوار نمازِ عصر

کے بعد سعودیہ براڈکاسٹنگ کارپوریشن کے ایک افسر شیخ محمد صالح قزاز تشریف لائے اور حضرت مولانا سے عرض کیا کہ عرفات کے ریڈیو پر جو آپ کے خیمہ سے متصل ہی دوسرے خیمہ میں قائم کیا گیا ہے آدھ گھنٹہ اُردو میں

تقریر کریں کیونکہ اب تک سب تقریریں عربی میں ہوئی ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہندوستانی اور پاکستانی حجاج کے لیے اُردو میں بھی تقریر کی جائے۔ چنانچہ مولانا مرحوم اسی وقت ایک کاغذ پر مختصر نوٹ لکھ کر ریڈیو سٹیشن پہنچے اور حسبِ ذیل تقریر فرمائی :-

السلام عليكم و رحمة الله - لبيك اللهم لبيك : لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد و النعمة لك والملك لاشريك لك ، بعد الحمد والصلوٰة ـ

آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں اس مقدس میدان عرفات میں مملکت سعودیہ عربیہ کے براڈکاسٹنگ اسٹیشن سے تقریر کر رہا ہوں اور آج ہی کے مقدس دن سے اس کا افتتاح ہو رہا ہے۔ بندہ اس سال اس وفد کے ساتھ حاضر ہوا ہے جو حکومت پاکستان کی طرف سے حج کے موقع پر حکومتِ سعودیہ سے خصوصاً اور جملہ ممالک اسلامیہ سے عموماً روابط اتحاد و مروّت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ حکومت سعودیہ عربیہ چونکہ قلب اسلام اور مرکز اسلام میں واقع ہے اس کے ساتھ روابط اتحاد و اخوت کا استحکام حکومت پاکستان کو بے حد مطلوب ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہم اس مقصد میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں۔ حکومت سعودیہ عربیہ نے جس عزت و احترام اور لطف و کرم کا معاملہ ہمارے ساتھ کیا ہے ہم اس پر تہ دل سے ہدیہ تشکر و امتنان پیش کرتے ہیں۔

میں اس وقت میدانِ عرفات میں اس غرض سے تقریر کر رہا ہوں کہ مسلمانانِ پاکستان و ہندوستان کے علاوہ جملہ ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں

تک میری آواز پہنچ جائے اور مجھے امید ہے کہ سب اس کو سمجھ بھی لیں گے کیونکہ انگریزی کی طرح اردو زبان بھی تقریباً تمام ممالک اسلامیہ میں پہنچ چکی ہے اور اس کے سمجھنے والے ہر طرف موجود ہیں۔ امید ہے کہ میرے اس بیان سے تمام ممالک اسلامیہ کے ساتھ پاکستان کے روابط اتحاد و اخوت کو تقویت حاصل ہوگی۔ اس تمہید کے بعد میں بہت اختصار کے ساتھ اسرار حج اور فضائل حج کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

۱۔ فریضۂ حج اسلام کے فرائض میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس میں جذبات محبت الٰہیہ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ تمام عبادات کا مقصد اظہار عبودیت اور شکر نعمت ہے۔ حج سے یہ دونوں مقصد پوری طرح ادا ہوتے ہیں۔ عبودیت سے مراد اپنی بندگی، غلامی اور عاجزی کا اظہار ہے اور حج میں بالخصوص حالت احرام میں انتہائی تذلل ہوتا ہے۔ طواف کعبۂ بیت اللہ کے وقت جب امیر و غریب، شاہ و گدا، عربی عجمی، ہندی سندھی، چینی ترکستانی، برمی جاوی، ایرانی شامی، مصری عراقی، مرد عورت، بچے بوڑھے، جوان اور بوڑھے سب ساتھ مل کر کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگاتے ہیں تو ایک عجیب عاشقانہ اور والہانہ کیفیت قلب پر طاری ہوتی ہے اور اس وقت بے ساختہ بیت اللہ کی شان میں یہ کہنے کو جی چاہتا ہے:

ع غلام نرگس مست تو تاجدار انند
خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند
من بہ آں گل عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

حج میں اظہارِ عبودیت اور مظاہرۂ عشق و محبت کے علاوہ شکر نعمت بھی بدرجۂ اتم موجود ہے۔ کیونکہ عبادت دو قسم کی ہوتی ہے۔ بدنی جس میں جسمانی مشقت ہو اور مالی جس میں مال خرچ کرنا پڑے۔ حج میں دونوں باتیں جمع ہیں۔ مال بھی خرچ کرنا پڑتا ہے اور جسمانی کلفت و تعب بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے حج فرض ہونے کے لیے مال اور صحت بدن شرط ہے۔ مگر سچ پوچھتا ہے کہ بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی کیا آپ سفر کی تمام تکالیف و مصائب کو بھول نہیں گئے تھے۔ بخدا بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے گویا جنت میں پہنچ گئے جہاں قدم رکھتے ہی مسلمان بے ساختہ پکار اٹھے گا الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن ان ربنا لغفور شکور۔ بیت اللہ کو دیکھتے ہی مسلمان راستے کی تمام کلفتوں کو ایک دم بھول جاتا ہے۔ حج میں درد کے ساتھ درماں اور زخم کے ساتھ مرہم بھی اعلیٰ درجہ کا ہے۔

ع درد از یار است و درماں نیز ہم
دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

۲۔ ہر قوم و ملت کا ہر زمانہ میں دستور رہا ہے اور اب بھی ہے کہ لوگ اپنے کسی خاص مقدس مقام پر جمع ہوتے اور اپنی مذہبی روایات کی یاد تازہ کرتے، باہم تبادلۂ خیالات کرتے۔ ایک دوسرے سے استفادہ کرتے، اپنی قوت و شوکت کا اظہار کرتے اور شعائر مذہب کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ چنانچہ مذہب اسلام نے بھی اس دستور کو باقی رکھا اور اس غرض کے لیے بیت اللہ کو جو معظم شعائر اسلام میں سے ہے مقرر کیا ہے تاکہ ہر

سال اطراف و اکناف عالم سے یہاں مسلمان جمع ہوں اور باہمی ربط و ضبط اور جذبات اخوت کے ساتھ ایک دُوسرے سے استفادہ کریں۔ اسلامی قوت و شوکت کا مظاہرہ کریں اور شعائر اللہ کی تعظیم بجا لاکر روایات قدیمہ کی یاد تازہ کریں اور سب ایک مرکز پر جمع ہو کر لامرکزیت کے فتنہ سے محفوظ ہو جائیں۔ کیونکہ لامرکزیت سے بڑھ کر کوئی چیز بھی ہماری قومی زندگی کے لیے مضر نہیں۔

۳۔۔۔حج باہمی اتحاد و اتفاق اور تعارف کا بہترین ذریعہ ہے جس میں ملت اسلامیہ کا عظیم الشان اجتماع اور بے نظیر مجمع ہوتا ہے اور مشرق و مغرب، جنوب و شمال سے مسلمان آتے اور باہمی تعارف کے ساتھ محبت و الفت کے جذبات کو ترقی دیتے ہیں۔ یہ ایسا عظیم الشان اجتماع ہے جس کی نظیر دُنیا میں نہیں مل سکتی۔ یورپ والے تو اس کو اسلامی جنرل کانفرنس کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے یہاں آج تک ایسی اجتماعی کانفرنس قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۴۔۔۔حج کوئی نئی چیز نہیں ہے سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے سفر کر کے حج کیا تھا تو غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے سفر حج کی ابتداء اس سرزمین سے ہوئی ہے جس میں ہندوستان، پاکستان اور لنکا سب داخل ہیں۔ آدم علیہ السلام نے پیادہ پا چل کر چالیس حج کئے پھر تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں حج کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طوفانِ نوحؑ کے بعد بحکم خداوندی بیت اللہ کو دوبارہ تعمیر فرمایا تو اس وقت سے حج کو زیادہ ترقی

ہوئی چنانچہ جاہلیت کے زمانے میں بھی حج برابر ہوتا رہا۔ مگر اہل جاہلیت نے اس میں بہت سی شرکیات و لغویات شامل کر دی تھیں۔ شریعت اسلامیہ نے ان کی اصلاح کر کے اصل حج کو باقی رکھا تاکہ یہ قدیمی عبادت زندہ رہے اور شعائر الٰہیہ کی عظمت کا اظہار ہوتا رہے۔

۵۔۔۔جن مقامات پر اعمال حج ادا کئے جاتے ہیں وہ ایسے مقدس مقامات ہیں جہاں انبیاء علیہم السلام پر حق تعالےٰ کی رحمتیں نازل ہوئی ہیں۔ جب مسلمان ان مقامات پر انبیاء کے اتباع میں وہ اعمال بجا لاتے ہیں جو وہاں شروع ہیں تو ان پر بھی رحمت الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے۔

۶۔۔۔ان مقامات کی زیارت سے انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کے صبر و رضا اور ثبات و تسلیم کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور بے اختیار ان کے اتباع کا داعیہ قلب میں پیدا ہوتا ہے اور اس طرح حج تزکیۂ نفس اور تکمیل ایمان کا بہترین وسیلہ بن جاتا ہے۔ مثلاً طواف کرتے ہوئے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ بیت اللہ (خانہ کعبہ) بیت المعمور کے محاذات میں ہے اور آدم علیہ السلام زمین پر اُترنے سے پہلے فرشتوں کے ساتھ "بیت المعمور" کا طواف کرتے اور تجلیاتِ الٰہیہ سے سرفراز ہوا کرتے تھے۔ دُنیا میں آکر انہوں نے "بیت المعمور" اور اُس کے انوار و تجلیات کو یاد کیا تو حق تعالےٰ نے عین اس کے محاذات میں خانہ کعبہ بنا دیا۔ تاکہ انسان بھی اس کا طواف کر کے اسی طرح اللہ تعالےٰ کو راضی کرے جس طرح ملائکہ بیت المعمور کا طواف کر کے خدا تعالےٰ کو راضی کرتے ہیں اور ان تجلیات و انوار سے اپنے قلوب و جوارح کو منور کریں جن

سے ملائکہ منور ہوتے ہیں۔ طواف بیت اللہ سے قوت ملکیہ غالب اور قوت بہیمیہ مغلوب ہو جاتی ہے اور انسان کا روحانی معیار بلند درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ روشن ضمیر قلوب کو طواف بیت اللہ میں جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کو الفاظ سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

؎ حج مردم زیارتِ خانہ بود   حج رب البیتِ مردانہ بود

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے حضرت ہاجرہ علیہ السلام کا واقعہ یاد آجاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو اپنے شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ دیا تھا اور وہ اللہ کی مرضی پر راضی ہو کر صبر و شکر کے ساتھ وادی مکہ میں تنہا رہ گئیں جہاں اس وقت نہ کوئی آدم تھا نہ آدم زاد، نہ چرند تھا نہ پرند، بالکل ہو کا میدان تھا۔ جب ان کا مشکیزہ خالی ہو گیا اور اسمٰعیل علیہ السلام کے لیے نہ دودھ رہا نہ پانی تو وہ پریشان ہو گئیں اور پانی کی تلاش میں سات دفعہ صفا و مروہ پر چڑھیں کہ شاید کہیں پانی کا نشان ملے۔ اللہ تعالےٰ کو ان کی یہ ادا پسند آگئی اور صفا و مروہ کی سعی کو حج و عمرہ میں قیامت تک کے لیے واجب یا مسنون کر دیا گیا۔

پھر حق تعالےٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو چشمہ زمزم ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہے تھے اسی جگہ سے چشمہ زمزم پھوٹ نکلا جسے حضرت ہاجرہ علیہ السلام نے جلد جلد مٹی اور پتھروں سے گھیر دیا تو وہ کنوئیں کی شکل میں ہو گیا اگر وہ اس کو نہ گھیرتیں تو سارے میدان میں پانی ہی پانی ہو جاتا۔ یہ چار ہزار برس کا چشمہ

قدرتِ الٰہیہ کا کرشمہ ہے جس سے ہر سال اس قدر پانی نکالا جاتا ہے کہ دوسرے کنوئیں تو کبھی کے ختم ہو جاتے مگر چشمہ زمزم برابر جاری ہے۔ اس واقعہ سے عورتوں اور مردوں کو سبق لینا چاہیئے کہ ہاجرہ علیہ السلام کس قدر بلند ہمت بلند حوصلہ اور اللہ کی مرضی پر صابر و شاکر تھیں۔ اس واقعہ کو سوچو اور اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کیا کسی مرد میں بھی ایسی ہمت پائی جاتی ہے جو حضرت ہاجرہ سے ظاہر ہوئی، اسی کا یہ صلہ ہے کہ قیامت تک کے لیے ان کی یادگار حج اور عمرہ میں باقی رہ گئی ہے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہما و عنا و بلغنا الدرجات العلی من الجنۃ۔ آمین۔

زمزم چشمہ ہے کنواں نہیں ہے

مسلمانوں کو آب زمزم سے عقیدت ہے وہ اس کو شفاء سمجھتے ہیں تو یورپ والوں کو اس میں عیب جوئی کی سوجھی۔ بعض ڈاکٹروں نے دعوے کر دیا کہ چونکہ یہ کنواں اُوپر سے کھلا ہوا نہیں بلکہ ایک محفوظ قبہ کے اندر ہے جہاں دھوپ کا گزر نہیں۔ اس لیے اس کا پانی صحت کے لیے مضر ہے، ان کو سُن لینا چاہیئے کہ یہ کنواں نہیں ہے بلکہ چشمہ ہے اور چشمہ کا پانی صحت کو مضر نہیں ہوتا خواہ بند ہو یا کھلا ہوا ہو۔ اور آب زمزم کا شفا ہونا تم کو معلوم نہ ہو لیکن لاکھوں مسلمانوں کا تجربہ اس پر شاہد ہے۔

دُوسرے حج میں بمقام منی میرے دونوں بچوں کو سخت پیچش ہو گئی تھی کسی دوا سے فائدہ نہ ہوا تو میرے مطوف محبوب صدیقی مرحوم نے کہا کہ مکہ میں تو زمزم کے سوا کوئی دوا نہیں۔ چنانچہ اسی روز سے ان کو زمزم پلانا شروع کیا۔ اگلے دن اچھے خاصے ہو گئے۔ خود میرا اپنا تجربہ ہے کہ مکہ میں رہتے

ہوئے جس قدر زمزم زیادہ پیا اُسی قدر صحت اچھی رہی۔ عام طور سے سب مُسلمانوں کا ایسا ہی تجربہ ہے البتہ منافقین اور کمزور ایمان والوں کو فائدہ نہ ہو تو اور بات ہے اور اس میں زمزم کا قصور نہیں۔ عمدہ سے عمدہ دوا بھی اسی وقت نفع کرتی ہے جب مریض کو اس کے نافع ہونے کا اعتقاد ہو اور پورا اعتماد ہو۔ جن دواؤں کو نافع یا مضر کہا جاتا ہے ان کے نفع اور ضرر کا مدار تجربہ کے سوا کس چیز پر ہے ؟ اَب زمزم کے نافع اور شفاء ہونے کا تجربہ ایک دو نے نہیں بلکہ لاکھوں مُسلمانوں نے کیا ہے اور سینکڑوں سالوں سے تجربہ کرتے آرہے ہیں۔

میدان عرفات میں پہنچ کر وہ وقت یاد آجاتا ہے جب اللہ تعالےٰ نے اس جگہ تمام مسلمانوں سے عہد و میثاق لیا، الست بربکم (کیا مَیں تمہارا پروردگار نہیں ہوں ؟) اور سب نے جواب میں عرض کیا تھا بلیٰ شہدنا (بے شک آپ ہمارے رب ہیں اور ہم سب اس کی گواہی دیتے ہیں)۔

یہاں پہنچ کر اس عہد میثاق کی تجدید اور ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔

اسی مقام پر حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (آج مَیں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور اسلام کو تمہارے واسطے پسندیدہ بنا دیا) ایک یہودی نے یہ آیت سُنی تو حضرت فاروق اعظمؓ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم یہودی اس دن ہمیشہ عید منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن میدانِ عرفات میں نازل ہوئی تھی جب کہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وقوف عرفہ کا فرض ادا کر رہے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کو اپنی طرف سے عید منانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے خود ہی اس آیت کو ایسے دن اور ایسے وقت میں نازل فرمایا ہے۔ جو ہماری سب سے بڑی عید ہے کہ اُس کے برابر کسی دن بھی مسلمانوں کا اجتماع نہیں ہوتا اس نعمتِ عظیم کو یاد کر کے ہمیں اس کا شکر ادا کرنا اور احکام اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کا عہد کرنا چاہیئے۔

وقوف عرفہ کے بعد آپ مزدلفہ جائیں گے جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوری اُمت کے لیے دُعائے مغفرت فرمائی تھی اور قبول کی گئی۔ اس منظر کو دیکھ کر شیطان ذلیل و خوار ہو گیا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا اسی سے مشعر حرام (مزدلفہ) کی عظمت و برکت کا سکہ دل پر جمتا ہے کہ اس جگہ دُعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ یہاں سے منیٰ کو جائیں گے راستہ میں وادی محشر ملے گا جہاں اصحاب الفیل کو اللہ تعالےٰ نے ہلاک کیا تھا جو یمن کی طرف سے لشکر جرار لے کر ہاتھیوں کے جلو میں کعبۃ اللہ کو ڈھانے کے لیے آئے تھے جس کی طرف سورہ الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس میدان سے تیزی سے نکل جانے کا حکم ہے۔ اس واقعہ کی یاد سے بیت اللہ کی عزت دل میں بڑھ جاتی ہے اور مسلمانوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ اپنے دین اور شعائرِ دین کا محافظ ہے جو اس کو مٹانا چاہے گا وہ خود مٹ جائے گا۔

پھر آپ منیٰ میں رمی جمار کریں گے۔ یعنی تین مقامات پر کنکریاں مارینگے

یہ وہ مقامات ہیں جہاں شیطان نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بہکایا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ان کو ذبح کرنے کے واسطے لے جارہے ہیں اپنے کو بچالیں اور باپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے کو ذبح بھی کیا ہے جو وہ مجھے ذبح کریں گے؟ شیطان نے کہا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ان کو حکم دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا۔ کم بخت! پھر تو مجھے خدا کے حکم سے بہکانا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے کنکریاں ماریں جن سے وہ زمین میں دھنس گیا۔ اللہ تعالےٰ کو اپنے خلیل کے بارہ سالہ بچے کی یہ ادا پسند آئی اور قیامت تک کے لیے ان مقامات پر کنکریاں مارنا حج میں لازم ہوگیا۔

اس واقعہ کی یاد سے مُسلمانوں میں قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ کے راستہ میں اپنی جان و مال قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پھر جس طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کے عوض جنت کا دنبہ ذبح کیا گیا تھا اسی طرح ہر مسلمان صاحب استطاعت اپنی جان کے فدیہ میں ایک جانور کی قربانی کرتا ہے۔

غرض اللہ و رسول صلے اللہ علیہ وسلّم سے محبت رکھنے والوں کے لیے حج بڑا امتحان ہے جو سچے عاشق ہیں وہ سب چیزوں کو چھوڑ چھاڑ کر مستانہ وار کھڑے ہو جاتے ہیں اور تکالیف سفر کی پرواہ نہیں کرتے اور جو نام کے مسلمان ہیں وہ باوجود استطاعت کے سینکڑوں بہانے کر کے حج جیسی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

۷— سفرِ حج دینی اور دنیوی ہر لحاظ سے بہترین سفر ہے۔ اس سے

اقوام عالم کے اخلاق و عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے۔ مختلف تجربات اور منافع ہوتے ہیں۔ موجودہ اور گذشتہ اقوام کے مقامات و حالات کو دیکھ کر خاص عبرت حاصل ہوتی ہے۔ مقامات مقدسہ مکہ و مدینہ کی زیارت مسلمانوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ قابل اہتمام ہے کہ اس جگہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مولود و مسکن اور ہجرت گاہ و مدفن ہے۔ دینی حیثیت سے ان مقامات کو مرکزی شان حاصل ہے۔ بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہے جس کی زیارت اور طواف کرنا اور وہاں نماز ادا کرنا گویا دربار الٰہی میں حاضر ہونا ہے۔ ان مقامات کی زیارت سے عروج اسلام کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور مسلمانوں کو اپنے زوال کے اسباب پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔

۸— سفرِ حج، سفرِ آخرت کا نمونہ ہے۔ جب حاجی اپنے گھر سے چلتا ہے تو احباب و اقارب سے رخصت ہوتا اور سب سے معافی چاہتا اور ضروری امُور کے متعلق وصیت کرتا ہے کیونکہ اُس کو خیال ہوتا ہے کہ شاید وہاں سے واپسی نہ ہو اور اس مقدس زمین میں آخری وقت آجائے جس کی تمنّا ہر قلب مومن میں موجزن ہے۔ احرام کا لباس پہنتے ہوئے کفن یاد آجاتا ہے کہ ہر امیر و غریب کے ساتھ مرتے وقت دو کپڑوں سے زیادہ کچھ نہ جائے گا۔ میدانِ عرفات میں اطراف عالم سے انسانوں کا اجتماع، آفتاب کی تمازت، دُھوپ کی شدت روز محشر کا نمونہ ہوتا ہے جس طرح قیامت کے دن ہر شخص کو اپنی فکر ہوتی ہے دوسروں سے بات کرنا ہی گراں گزرتا ہے۔

۹— حج میں توحید اور کمال اطاعت و انقیاد کا مظاہرہ ہے۔ بار بار لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک پُکارنا توحید کا زبردست اعلان ہے

پھر حج کے افعال واعمال تمام تر تعبدی ہیں۔ قیاسی وعقلی نہیں۔ بندہ ان اعمال کو محض حکم کی وجہ سے ادا کرتا ہے خواہ ان کی حکمت اُس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جہاں طواف کا حکم ہے چکر کاٹتا ہے جہاں دوڑنے کا حکم ہے دوڑتا ہے جہاں ٹھہرنے کا حکم ہے ٹھہرتا ہے جہاں کنکریاں مارنے کا حکم ہے کنکریاں مارتا ہے عقل کو تابع فرمان بنا کر محبت وعبودیت کی بناء پر ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے جس سے عبدیت کامل اور ایمان مکمل ہو جاتا ہے۔

۱۰ اب میں اس خطبہ پر اپنی تقریر ختم کرتا ہوں جو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے میدانِ عرفات اور یوم النحر میں اسی مقام پر دیا تھا۔ آپ نے یوم عرفہ میں فرمایا تھا:-

الا کل نبی قد مضت دعوتہٗ الا دعوتی ادخرتہا عند ربی الی یوم القیمہ اما بعد فان الانبیاء مکاثرون فلا تخزونی فانی جالس لکم علی باب الحوض وفی روایۃ ولا قالوا علی اللہ فانہ من قال علی اللہ یکذبہ (طبرانی فی الکبیر عن ابی امامہ) ان النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال یوم جمعۃ الوداع ان اللہ یقول یا ایہا الناس انا خلقنٰکم

سُن لو ہر نبی کی دعا گزر چکی بجز میری دُعا کے کہ میں نے اس کو قیامت تک کے لیے اللہ تعالےٰ کے پاس ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑا ہے۔ اما بعد انبیاء کا مجھ سے مقابلہ ہوگا تو مجھے ان کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ میں تمہارے انتظار میں اپنی حوض کے دروازہ پر بیٹھا ہوں گا (تو ایسے کام کرنا کہ میرے پاس پہنچ جاؤ) ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے اُوپر قسم نہ کھاؤ (کہ خدا کی قسم ایسا ضرور ہوگا) کیونکہ جو اللہ پر قسم کھاتا ہے خدا اس کو جھوٹا کر دیتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ تعالےٰ

من ذکر وانثٰی وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی فضل ولا لاسود علی ابیض فضل ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقوٰی۔ یا معشر قریش لا تجیئوا بالدنیا تحملونہا علی رقابکم و یجیٔ الناس بالآخرۃ فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئاً (طبرانی من الکبیر عن العداء بن خالد) عن عمرو بن الاحوص قال شہدت حجۃ الوداع مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فحمد اللہ واثنٰی علیہ وذکر ووعظ ثم قال ثلاثا ای یوم احرم؟ قالوا یوم الحج الاکبر قال فان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ہذا فی بلدکم ہذا فی شہرکم ہذا الا لا یجنی جان الا علی نفسہ ولا یجنی والد علی ولدہ ولا ولد علی والدہ۔ الا ان المسلم اخو المسلم فلیس یحل لمسلم من اخیہ شیئٌ ولا ما احل

فرماتے ہیں۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کر دیا کہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر سکو اور یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ بس عربی کو عجمی پر عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر کچھ فوقیت نہیں مگر تقوےٰ سے (البتہ فضیلت ہوگی) اے گروہ قریش! دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم تو دُنیا کو اپنی گردنوں پر لاد کر لاؤ اور دُوسرے لوگ آخرت کو لائیں۔ (تم دُنیا کے طالب بنو اور دُوسرے آخرت کے طالب ہوں) کہ اس صورت میں تم کو اللہ (کے عذاب) سے کچھ نہ بچا سکوں گا۔ آپ نے حج وداع میں اللہ کی حمد وثنا کی اور تذکیر ونصیحت کرتے ہوئے فرمایا کون سا دن سب سے زیادہ حرمت والا ہے؟ لوگوں نے کہا حج اکبر کا دن (یوم عرفہ) فرمایا تو سُن لو کہ تمہاری جان تمہاری آبرو، تمہارے اموال کی حرمت آپس میں ویسی ہی ہے جیسے

من نفس الاوان كل ربا في الجاهلية
موضوع لكم رؤس اموالكم لا تظلمون
ولا تظلمون غير ربا العباس فانه موضوع
كله الاوان كل دم كان في الجاهلية
موضوع واول دم اضع من دم الجاهلية
دم الحارث بن عبد المطلب وكان مستر
ضعاً في بني ليث فقتله هذيل۔
الا واستوصوا بالنساء خيرا فانهن
عوان عندكم ليس تملكون شيئا
غير ذلك الا ان ياتين بفاحشة
مبينة فان فعلن فاهجروهن
في المضاجع واضربوهن
ضربا غير مبرح فان اطعنكم
فلا تبغوا عليهن سبيلا۔ الا وان
لكم على نسائكم حقا ولنسائكم
عليكم حقا فاما حقكم على نسائكم
فلا يوطئن فرشكم من تكرهون
ولا ياذن في بيوتكم لمن
تكرهون الا وان حقهن عليكم
ان تحسنوا اليهن في كسوتهن

اس دن کی حرمت اس زمین میں اس
مہینہ میں ہے۔ سُن لو! ہر شخص کا جرم اُسکی
ذات کے ساتھ جاری ہے کوئی باپ اپنے بیٹے
کے جرم میں اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے جرم
میں گرفتار نہ کیا جائیگا۔ سُن لو ہر مسلمان مسلمان
کا بھائی ہے کسی مسلمان کو اپنے کسی بھائی
کی کوئی چیز حلال نہیں سوا اس کے کہ جو
وہ حلال کر دے (ہبہ کر دے یا بیع کر دے)
سُن لو جاہلیت کا سود سب ساقط ہے
بس تم کو اصلی مال ملے گا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو
نہ تم پر ظلم کیا جائے گا اور حضرت عباسؓ
کا سود پورا کا پورا ساقط ہے (ان کو اصل
مال بھی نہ ملے گا) جاہلیت کے خون سب
ساقط ہیں (اب ان کا مطالبہ نہیں ہو سکتا)
اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کے
خون کو ساقط کرتا ہوں جو جاہلیت میں ہُوا
تھا۔ یعنی حارث بن عبدالمطلب کا خون جن کو
ہذیل نے مار ڈالا تھا۔ سُن لو عورتوں کے
ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ وہ تمہارے
پاس بمنزلہ قیدی کے ہیں۔ اس کے سوا تم کو

وطعامهن . وفي روايته الا ان
الشيطان قد ايس ان يعبد
في بلدكم هذا ولكن ستكون
اطاعة فيما تحتقرون من
اعمالكم وسيرضى به ۔
(للترمذي وللشيخين نحوه)
عن ابن عمر ان الزمان
قد استدار كهيئتكم يوم خلق
الله السموات والارض السنة
اثنا عشر شهرا منها اربعة
حرم ثلاث متواليات ذو
القعدة وذو الحجة والمحرم
ورجب مضر الذي بين
جمادى وشعبان اي شهر
هذا قلنا الله ورسوله اعلم
فسكت حتى ظننا انه سيسميه
بغير اسمه فقال اليس ذلك
ذا الحجة؟ قلنا بلى قال اي
بلد هذا؟ قلنا الله ورسوله
اعلم فسكت حتى ظننا انه

ان پر اور کچھ حق نہیں۔ البتہ اگر وہ کھلی
بے حیائی پر اُتر آئیں تو (اول) ان کے
پاس لیٹنا چھوڑ دو اور (اس سے بھی
درست نہ ہوں) تو ہلکی مار مارو جس سے
خون نہ نکلے، پھر اگر وہ تابعدار ہو جائیں
تو اُن پر زیادتی کے لیے بہانے مت
ڈھونڈو۔ سُن لو! ایک حق تمہارا عورتوں
پر ہے ایک حق اُن کا تم پر ہے۔ تمہارا
حق تو یہ ہے کہ تمہارے بستروں پر ایسے
آدمیوں کو نہ لیٹنے دیں جن سے ان کو ناگواری
ہے اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں
کو نہ آنے دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے
اور ان کا حق اوپر تمہارے یہ ہے کہ
کھانے کپڑے میں ان کے ساتھ احسان کرو
(تنگ نہ رکھو) سُن لو! شیطان اس سے
مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین میں
اس کی عبادت کی جائے لیکن محض کاموں میں
اسکی اطاعت کی جائیگی جن کو تم معمولی بات
سمجھو گے اور وہ اس سے خوش ہو جائیگا
نیز فرمایا زمانہ اسی حالت پر گردش و انقلاب

سيسميه بغير اسمه فقال
اليس ذلك ذوالحجة؟
قلنا بلى قال اى بلد هذا
قلنا الله ورسول الله صلعم
اعلم فسكت حتى ظننا انه
سيسميه بغير اسمه قال اليس
البلدة الحرام؟ قلنا بلى
قال فاى يوم هذا؟ قلنا
الله ورسوله اعلم فسكت
حتى ظننا انه سيسميه
بغير اسمه قال اليس
يوم النحر؟ قلنا بلى قال فان
دماءكم واموالكم و
اعراضكم عليكم كحرمة يومكم
هذا فى بلدكم هذا فى شهركم
هذا وستلقون ربكم فيسألكم
عن اعمالكم الا فلا
ترجعوا بعدى كفارا يضرب
بعضكم رقاب بعض الا ليبلغ
الشاهد الغائب ۔

کے بعد آ گیا ہے جس پر اس دن تھا جس نے
آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال کے بارہ
مہینے ہیں جن میں سے چار مہینے محترم ہیں ذیقعدہ
ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ پھر فرمایا کہ کون سا
مہینہ ہے؟ صحابہؓ نے کہا اللہ و رسول ہی زیادہ
جانتے ہیں۔ ہم کو یہ گمان ہوا کہ شاید آپ کوئی
دوسرا نام رکھنا چاہتے ہیں فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں
ہے؟ صحابہؓ نے کہا بیشک۔ پھر پوچھا یہ کونسی بستی ہے
صحابہؓ نے کہا اللہ و رسول اعلم۔ فرمایا کیا یہ بلد الحرام
نہیں ہے؟ عرض کیا گیا بیشک فرمایا یہ کونسا دن ہے؟
صحابہؓ نے کہا اللہ و رسول اعلم فرمایا کیا یوم النحر
نہیں ہے؟ عرض کیا بیشک فرمایا تو بس لوگو تمہاری
جان و مال و آبرو کی حرمت ہر شخص پر ویسی ہی ہے
جیسے اس دن کی حرمت اس سرزمین میں اس
مقدس مہینہ میں ہے تم اپنے رب سے
ضرور ملو گے اور وہ تمہارے اعمال کی
باز پُرس کرے گا۔ تو دیکھو میرے بعد
کافروں کی طرح ایک دوسرے کی
گردن نہ مارنا۔ خبردار! جو یہاں
موجود ہے وہ غائبین کو پہنچا دے۔

فلعل بعض من يبلغه ان يكون
اوعى من بعض من سمعه ثم
قال الا هل بلغت الا هل بلغت
قلنا نعم قال اللهم اشهد
(للبخارى) ولمسلم كله
بزيادة وزاد الدنيا فى آخره
ثلاث لا يغل عليهن قلب
مسلم اخلاص العمل لله ومناصحة
ولاة الامر ولزوم جماعة المسلمين
فان دعوتهم تحيط من
ورائهم ۔

کیونکہ ممکن ہے کہ جس کو یہ بات پہنچائی جائے
وہ بعض سننے والوں سے زیادہ سمجھدار ہو پھر
دو تین بار پوچھا کہ بتلاؤ میں نے تم کو دین
پہنچا دیا؟ سب نے کہا ہاں بے شک پہنچا
دیا۔ آپؐ نے فرمایا اے اللہ! آپ گواہ رہیں
ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا
تین چیزوں میں مسلمان کا دل خیانت نہیں
کرتا۔ ایک اللہ کے لیے عمل کو خالص کرنے
میں دوسرے احکام مسلمین کی خیر خواہی کرنے
میں۔ تیسرے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ
رہنے میں کیونکہ ان کی دعائیں ان کے
پشت پناہی کرتی ہیں۔

اب میں اپنا بیان ختم کرتا ہوں اس دن کا جتنا حصہ باقی ہے اس کو
غنیمت سمجھئے۔ غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ یہ محفل مقدس ختم ہو جائے گی۔
ان ساعتوں کو دعا اور توبہ و استغفار اور تضرع و زاری میں گزاریئے
اور جو مانگنا ہے مانگ لیجئے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ اہل عرفات
سے فرشتوں کے سامنے مباہات فرماتے ہیں یعنی اپنی خوشی کا اظہار فرماتے
ہیں کہ اے فرشتو! دیکھو یہ میرے بندے دور دراز سے میرے گھر کی
زیارت کے لیے آئے ہیں۔ وہ لبیک پکارتے ہوئے یہاں جمع ہوئے ہیں
تم گواہ رہو میں نے ان سب کو بخش دیا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ میرے بندو!

واپس جاؤ۔ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔ دُعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں شامل فرمائیں جن کے ساتھ ملائکہ کے سامنے مباہات کی جائے گی۔ اور یہ بھی دُعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ پاکستان کو مضبوط بنائے۔ اس میں قانونِ شرعی کا جلد نفاذ ہو جائے اور کشمیر و فلسطین دونوں فتح ہو جائیں۔ یہود و ہنود کی سلطنت تباہ و برباد ہو جائے جو مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھا رہے ہیں۔ آمین و صلے اللہ تعالےٰ علےٰ خیر خلقہٖ سیدنا و مولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان اللہ الحمد والنعمہ لک والملک لاشریک لک۔ (از ص ۶۲ تا ص ۰۰)

جدّہ ریڈیو اسٹیشن سے عربی تقریر

حضرت مولانا مرحوم کی وہ عربی تقریر جو ۴ محرم ۱۳۶۹ھ کو جدہ براڈ کاسٹنگ اسٹیشن پر ریکارڈ کی گئی تھی۔ حسب ذیل تھی :-

الحمد للہ الملک المحسن الدیان الذی شرفنا بالاسلام وکرمنا بالایمان وفضلنا علی العالمین باقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان واتانا من فضلہ سلطنۃ الاسلامیہ عظیمۃ باکستان۔ فلو لا باکستان لکانت

میں اللہ تعالےٰ کی حمد کرتا ہوں جو بڑا محسن کریم اور جزا دینے والا بادشاہ ہے جس نے ہمیں اسلام سے شرف دیا اور ایمان سے عزت دی اور تمام جہان پر نماز قائم کرنے زکوٰۃ ادا کرنے، حج کرنے، اور رمضان کا روزہ رکھنے سے فضیلت دی اور ہمیں اپنے فضل سے ایک بڑی

الہند کلہا مملکۃ کافرۃ مشرکۃ لکثرۃ الہنود وغلبتہم علیہا فقطعنا منہا قطعۃ سمینہا باکستان مملکۃ اسلامیہ عظیمۃ الشان قویۃ البنیان۔ نحمدہ سبحانہ وتعالےٰ علی ھذہ النعمۃ الجلیلۃ والغنیمۃ الباردۃ الفخیمۃ، ونظن بل نتیقن ان المسلمین عامۃ قد فرحوا بوجود ھذہ المملکۃ الاسلامیہ عدد او عدۃ وسعۃ، فعیون المسلمین شاخصۃ الیہا لحل المشکلات التی قد اقلقتہم من زمان وان شاء اللہ ربنا سیجدون باکستان کما یحبون ویشاؤن ومع ذلک فنحن اہل باکستان ننظر الی اخواننا المسلمین کماھم ینظرون الینا فان باکستان وان کانت لمملکۃ عظیمۃ فـ انہا فہی فی جنب المدد تہا صغیرۃ جدا فلولا قوتہا بنصر اللہ تعالےٰ

اسلامی سلطنت پاکستان عطا فرمائی۔ اگر پاکستان نہ ہوتا تو ہندوستان کی حکومت سر تا سر حکومت کافرہ غیر شرعی ہوتی کیونکہ انہیں ہنود کی کثرت ہوتی انہی کا حکومت پر قبضہ ہوتا اسلئے ہم نے ہندوستان کے ایک حصہ کو اپنے لیے الگ کر لیا اس کا نام پاکستان رکھا جو ایک اسلامی عظیم الشان اور مضبوط سلطنت ہے۔ ہم اس نعمتِ عظیمہ اور غنیمت باردہ ضخیمہ پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، میرا گمان بلکہ یقین ہے کہ عام طور پر سب مسلمانوں کو پاکستان کے بننے سے بہت خوشی ہوئی ہے کیونکہ اسلامی سلطنتوں میں وہ سب سے بڑی سلطنت ہے آبادی کے لحاظ سے بھی، ساز و سامان کے اعتبار سے بھی اور رقبہ کی وسعت میں بھی تمام مسلمانوں کی نگاہیں پاکستان پر ہیں کہ وہ ان مشکلات کو حل کرے گا جنہوں نے مدت سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا ہے اور اللہ نے چاہا تو پاکستان کو ایسا ہی پائیں گے جیسا کہ چاہتے ہیں مگر ساتھ ہی میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم اہل پاکستان بھی اپنے بھائیوں کی طرف

وباتحاد الممالك الاسلامية معها حتى
يكون المسلمين كلهم جماعة واحدة
وعسكرا واحدا لم يقم بها شأن و
عسكرا واحدا لباكستان نصر الله
من الله وتائيد من الممالك
الاسلامية منتظر لها اذ نال
ان شاء الله وحل مشكلاتنا في
اسرع زمان وهذا هو الغرض
الوحيد الذي جاء وفد باكستان
لاجله الى المملكة السعودية
العربية في موسم الحج لتقوى
بذلك الروابط وبين المملكة
السعودية خاصة لكونها في
مركز الاسلام وبالممالك الاسلامية
عامة لاجتماع عظماء الاسلام و
زعمائه وامرائه بمكة في هذه الايام
وما اهدى جزيل الشكر
وجميل الثناء مني ومن
اهل باكستان كافة الى
جلالة الملك سلطان

دیکھ رہے ہیں جس طرح وہ ہم کو دیکھ رہے
ہیں کیونکہ پاکستان اگرچہ فی نفسہ بڑی سلطنت
ہے مگر اپنے دشمنوں کے سامنے بہت چھوٹی ہے
اگر اللہ تعالیٰ اور ممالک اسلامیہ کا اتحاد اُس کے
ساتھ نہ ہو کہ سب ملکر ایک جماعت اور ایک لشکر
بن جائیں تو پاکستان کچھ نہ کر سکیگا البتہ اگر پاکستان
کو اللہ کی مدد اور ممالک اسلامیہ کی تائید حاصل
ہو گئی تو انشاء اللہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب
ہو کر تمام مشکلات پر جلد قابو پالیں گے۔
یہی وہ واحد غرض ہے جس کے لیے وفد
پاکستان موسم حج میں مملکت عربیہ سعودیہ
کے پاس حاضر ہوا ہے تاکہ ہم میں اور
مملکت سعودیہ میں روابط مودت خاص طور
سے مستحکم ہو جائیں کہ وہ مرکز اسلام میں واقع
ہے اور عموماً تمام ممالک اسلامیہ سے بھی
اتحاد قائم ہو جائے کہ ان ایام میں مسلمانوں
کی بڑی بڑی ہستیاں، ان کے نمائندے
اور علماء و امراء مکہ میں جمع ہو جاتے ہیں۔
اس کے بعد میں اپنی طرف سے اور تمام
اہل پاکستان کی طرف سے جلالۃ الملک

عبدالعزيز آل سعود ولى
العهد الامير فيصل والامير
منصور وامرائهم ووزرائهم
فانهم قد اكرموا وفد باكستان
غاية الاكرام و احكموا
الاخوة الاسلامية والمودة
الايمانية بيننا وبينهم
حياهم الله تعالى وابقا
هم وايدهم بنصره
ورزقهم الحلو في الدنيا
والدين وبقوى بهم
الاسلام والمسلمين آمين.
وصلى الله على خير
خلقه سيدنا محمد وآله
واصحابه اجمعين.
ظفر احمد عثمانى عضو
الوفد الباكستانى فى سنة
الف وثلثمائة وثمانين و
ستين من الهجرة ۔
۴ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ

سلطان عبدالعزیز آل سعود اور
ان کے صاحبزادگان امیر فیصل
اور امیر منصور اور جملہ امراء و وزراء
دولت کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا
ہوں کہ انہوں نے وفد پاکستان کا
بہت زیادہ اکرام و احترام فرمایا اور
اخوت اسلامیہ و محبت ایمانیہ
کے روابط کو مستحکم کر کے ہمیں
اپنے مقصد میں کامیاب فرمایا۔
اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ و سلامت
رکھے اور اپنی مدد سے ان کو طاقت
دے۔ دین و دنیا کی ترقی عطا
فرمائے اور ان کے ذریعہ سے اسلام
و مسلمین کی قوت میں اضافہ کرے۔ آمین۔

کراچی ریڈیو پر تقریر

حجاز سے واپسی پر وفد پاکستان اور مملکت سعودیہ عربیہ کے متعلق مولانا مرحوم کے تاثرات وخیالات براڈکاسٹنگ اسٹیشن کراچی سے نشر ہونا طے پایا تھا۔ چنانچہ ۱۴ محرم ۱۳۶۹ھ کو بعد نماز مغرب ٹھیک آٹھ بجے ریڈیو پر آپ نے تقریر شروع فرمائی جس کی نقل مطابق اصل حسب ذیل ہے :-

بعد الحمد والصلوٰۃ میں اس سال اس وفد خیرسگالی میں شامل تھا جو حکومت پاکستان نے حج کے موقع پر حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف حجاز بھیجا تھا۔ اس وقت میں اپنے مشاہدات کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس سوا مہینے کی مدت میں میری نگاہ سے گزرے۔ سب سے پہلے ۲۰ ستمبر کو ہم (کراچی کے) ہوائی اڈے پر پہنچے تو عجیب منظر یہ سامنے آیا کہ عزت مآب خواجہ شہاب الدین رئیس وفد اور وزیر داخلہ پاکستان احرام پہنے ہوئے لبیک اللّٰھم لبیک پکار رہے تھے حالانکہ وہ راستہ میں طہران سے احرام باندھ سکتے تھے۔ مگر یہ اُن کی بلند ہمتی تھی کہ گھر سے ہی احرام باندھ کر نکلے۔ میں نے اس تمام سفر میں خواجہ صاحب کی بلند ہمتی کا ہر موقع پر مشاہدہ کیا ہے۔ وہ ہم سب سے پہلے حرم شریف میں پہنچنے کی کوشش کرتے اور حتی الامکان نماز میں امام کے قریب رہتے تھے۔ اکثر اوقات آدھی رات کو یا اس کے بعد طواف کرنے کی ہمت کرتے تھے تاکہ قلت اژدہام کے وقت سکون واطمینان کیساتھ طواف کر سکیں۔ حرم میں تلاوتِ قرآن کا بھی آپ کو بہت شوق تھا کئی قرآن ختم کئے اور برابر شوق میں ترقی ہوتی رہی۔ مدینہ منورہ میں روضہ شریف کے اندر نماز اور تلاوتِ قرآن کریم کا بہت اہتمام تھا اور بحمد اللہ وہ اس میں کامیاب

رہے۔ کیونکہ خادم روضہ سے آپ نے رابطہ محبت قائم کر لیا تھا۔ آپ کی اس ہمت اور شوق کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ خواجہ صاحب کی اس ہمت اور دینداری پر عام مسلمانوں کی نظریں جم رہی تھیں اور خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایسے دین دار وزیر دیئے ہیں جن کے دلوں میں اللہ اور رسول کی محبت کا جذبہ موجزن ہے اور حرم مکہ وحرم مدینہ سے بہت زیادہ والہانہ تعلق ہے۔

دوسرا منظر جلالۃ الملک سلطان ابن سعود اور ان کے وزراء وامراء کا اس وفد کے استقبال اور پُرتپاک خیر مقدم میں اسلامی اخوت اور روابط محبت اور عربی حق ضیافت کا مظاہرہ تھا جو ہر قدم پر ہمارے دل میں مسرت و انبساط کی موجیں پیدا کرتا اور اپنی لہروں سے دل و دماغ کو فرحت بخشتا تھا۔ حق یہ ہے کہ جلالۃ الملک کی شاہانہ نظر التفات اور مدبرانہ شان نے ہمارے دلوں پر گہرا اثر کیا ہے۔ وہ ایک طرف حکومت پاکستان سے اپنی محبت و مودت اور ربط واخلاص کو بیان فرماتے اور دوسری طرف اس بات کی تاکید فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت وطاقت اور فلاح وکامرانی کا تمام تر دار و مدار دین کی قوت پر ہے۔ مملکت پاکستان کو دنیا سے زیادہ دین کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ تاکہ نصرت الٰہی اس کے ساتھ ہو۔ جب ہم نے عرض کیا کہ حکومت پاکستان نے اعلان کر دیا ہے کہ اس کا آئین شرعی ہوگا تو خوش ہو کر فرمایا جس دن ہم اس کو دیکھ لیں گے بہت خوش ہوں گے اور ہماری مسرت ومحبت کا پہلا دن ہوگا۔

ہم نے جدہ سے روانہ ہوتے ہوئے سلطان کی عنایات والطاف کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اب پاکستان پہنچ کر ہم صمیم قلب سے تمام مسلمانوں کیطرف

ہیں کہ ان دونوں نوجوانوں نے حق ضیافت کو بڑی خوبی سے ادا کیا اور وفد پاکستان کو بہت آرام پہنچایا۔

تیسرا منظر حکومت سعودیہ عربیہ کے ان انتظامات کا نظارہ تھا جو ملک کی ترقی اور حجاج کی راحت رسانی کے لیے وہ آج کل کر رہی ہے۔ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ جدہ سے مکہ تک اور مکہ سے عرفات تک ڈامر کی پختہ سڑک بن گئی ہے جس پر لاریاں اور موٹر کاریں بے تکلف چلتی رہتی ہیں۔ جدہ اور مکہ سے مدینہ تک کے لیے بھی اسی قسم کی سڑک کا ٹھیکہ دیدیا گیا ہے جو امید ہے آئندہ سال حج سے پہلے تیار ہو جائے گی اور جدہ و مکہ سے مدینہ تک بھی لاریاں اور موٹر کاریں ڈامر کی سڑک پر چلتی پھرتی نظر آئیں گی۔ جدہ میں میٹھے پانی کی ہمیشہ سے قلت تھی مگر اب حکومت سعودیہ نے وادی فاطمہ سے نہر زبیدہ میں آٹھ چشموں کا پانی شامل کر کے اس کمی کو پورا کر دیا ہے۔ پچاس میل کے فاصلہ سے نل کے ذریعہ جدہ میں میٹھا پانی پہنچایا ہے۔ ہر پانچ کلومیٹر پر راستے میں نل لگا دیئے ہیں تاکہ پیدل چلنے والے مسافروں کو بھی پانی کی تکلیف نہ ہو۔ حکومت سعودیہ پانی کی قلت رفع کرنے کے لیے خاص توجہ دے رہی ہے۔ ان چشموں کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے جو پہلے جاری تھے مگر غفلت کے باعث عرصہ دراز سے بند پڑے ہیں۔ اگر یہ سکیم مکمل ہو گئی اور چار سو مُردہ چشمے زندہ ہو گئے تو حقیقت میں یہ بڑا کارنامہ ہو گا جو حکومت سعودیہ کی تاریخ میں آب زر سے لکھا جائیگا۔ پانی کی افراط سے اب جدہ میں سرسبز شاداب باغات اور کھیت نظر آنے لگے ہیں جو اس سرزمین میں عجائبات سے کم نہیں۔

جدہ میں گودی (بندرگاہ) کا کام بھی بڑی سرعت سے ہو رہا ہے امید ہے کہ

سے عموماً اور حکومت پاکستان کی طرف سے خصوصاً مکرر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہمارے دلوں میں جلالۃ الملک کی عنایات اور الطاف شاہانہ نے ایسا گہرا نقش قائم کیا ہے جو ہمیشہ تازہ رہے گا۔ جلالۃ الملک سے جب میں نے آخری مصافحہ کیا تو متبسم ہو کر فرمایا انتہ صدیقنا الاوّل۔ (آپ تو ہمارے پرانے دوست ہیں) سلطان کا یہ فقرہ میرے دل سے کبھی محو نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جلالۃ الملک کی عمر دراز فرمائیں۔ ان کو صحت و سلامتی کے ساتھ خدمت اسلام و مسلمین کے لیے زندہ سلامت رکھیں۔ ان کی مملکت کو دن دونی رات چوگنی ترقی و استحکام عطا فرمائیں جس میں دنیا کے ساتھ دینی ترقی کا قدم بھی آگے بڑھتا رہے۔ ان کے شہزادوں اور اعمال و حکام کو بھی انہی نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ وہ ہمیشہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھیں۔ آمین۔

اس موقعہ پر ہم سعود الملک امیر فیصل والی حجاز امیر عبداللہ فیصل ثالث والی حجاز اور امیر منصور وزیر دفاع (جن کا افسوس کہ اب انتقال ہو چکا ہے) اور سید عبداللہ بن سلیمان وزیر مالیہ، شیخ محمد صالح قزاز مدیر ادارۃ الحج اور شیخ محمد سرور نائب وزیر مالیہ اور امیر جدہ و امیر مدینہ کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان حضرات نے وفد پاکستان کی عزت افزائی اور مہمان نوازی غایت خلوص اور محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ جزاھم اللہ

ناشکری ہو گی اگر ہم اپنے کرم فرما شیخ محمد سمیع دہلوی کو یاد نہ کریں جو حکومت سعودیہ کی طرف سے اس وفد کی میزبانی (اور ترجمانی) اور راحت رسانی کے لیے مقرر کئے گئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس محبت و خلوص سے ہماری راحت رسانی کا حق ادا کیا ہے وہ آپ ہی کا حق تھا۔ شیخ عبداللہ اور شیخ مطلعی کے بھی ہم شکرگزار

آئندہ سال حاجیوں کے جہاز کنارہ سے دُور نہیں ٹھہریں گے بلکہ کراچی اور بمبئے کی طرح گودی میں ٹھہرا کریں گے جس سے مسافروں کو جہاز پر چڑھنے اترنے میں سہولت ہو جائیگی۔ یقیناً یہ بھی حکومت سعودیہ کا بڑا کارنامہ ہوگا جس پر اس سے پہلے کسی حکومت نے توجہ نہیں کی تھی۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ حکومت سعودیہ حجاز، نجد اور شام میں ریلوں کا سلسلہ بھی قائم کرنا چاہتی ہے۔ اگر یہ سکیم مکمل ہو گئی اور حکومت پاکستان ایران و عراق کے راستے سے اپنی ریل کا سلسلہ اس سے ملا دے اور بصرہ سے نجد و مدینہ ہوتے ہوئے مکّہ تک ریل ہو جائے تو زائرین کو تمام بلاد اسلامیہ کی سیر کے ساتھ تمام مقامات مقدسہ کی زیارت کا خشکی کے راستہ موقع مل جائیگا۔ جس سے روابط اسلامیہ کو بھی بڑی تقویت ہو گی۔

حکومت سعودیہ کا امن و امان تو بے نظیر ہے اس وقت مکّہ سے مدینہ اور مکّہ سے طائف اور طائف سے نجد تک تن تنہا آدمی سفر کر سکتا ہے اور چاندی سونا لیجا سکتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کی جان و مال کو بُری نگاہ سے دیکھ سکے نماز کے وقت جب پولیس کا آدمی الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ پکارتا ہے کہ نماز کو چلو تو بہت سے دکاندار اسی طرح اپنی دکان کو کھلا ہوا چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ ان کو چوری کا ذرا بھی خطرہ نہیں ہوتا کیونکہ حکومت سعودیہ نے شرعی قانون جاری کر دیا ہے کہ جس پر چوری کا ثبوت ہو جائے اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس وقت تک مملکت سعودیہ کی تمام مدت حکومت میں پندرہ سولہ ہاتھ سے زیادہ نہیں کاٹے گئے اور تین سال سے تو ایک بھی ہاتھ کاٹنے کی نوبت نہیں آئی مگر چوری کی وارداتیں بند ہو گئی ہیں۔ اس سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہیئے جو دوسرے

طریقوں سے جرائم کو بند کرنا چاہتے ہیں مگر بجائے بند ہونیکے جرائم کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

چوتھا منظر وہ عام اخوت و مساوات کا نظارہ تھا جو حج کی خصوصیات میں سے ہے۔ بیت اللہ کے گرد شاہ و گدا، امیر و غریب، عرب، ترک، ایرانی، افغانی عراقی، شامی، مصری، ہندوستانی، پاکستانی۔ جوان، بوڑھے، بچے اور بڑے طواف کرتے ہوئے ایک شان، ایک لباس میں احرام باندھے ننگے سر نظر آتے ہیں تو دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ اس وقت بے ساختہ یُوں کہنے کو دل چاہتا ہے ؎

غلام نرگس مست تو تاجدار انند   خراب بادۂ لعل تو ہوشیار انند
نہ من برآں گل عارض غزل سرایم و بس   کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

ایک لحاظ سے دیکھئے تو حج بڑی عبارت ہے۔ خدا کی محبت انسان کے دل میں نہ ہو تو وہ اپنے کاروبار چھوڑ کر، عزیزوں اور دوستوں سے جُدا ہو کر اتنے لمبے سفر کی زحمت کیوں برداشت کرتا۔ اس لیے حج کا ارادہ ہی خود محبتِ الٰہی اور خلوص کی دلیل ہے۔ پھر انسان جب اس سفر کے لیے نکلتا ہے تو اس کی کیفیت عام مسافروں جیسی نہیں ہوتی بلکہ اِس سفر میں اُس کی توجہ زیادہ تر خدا کی طرف رہتی ہے اس کے دل میں شوق اور ولولہ بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں کعبہ قریب آتا جاتا ہے محبت کی آگ اور زیادہ بھڑکتی ہے۔

؏ وعدہ وصل چوں شود نزدیک   آتش شوق تیز تر گردد

گناہوں اور نافرمانیوں سے دل خود بخود نفرت کرنے لگتا ہے پچھلے گناہوں پر شرمندگی ہوتی ہے۔ آئندہ کے لیے فرماں برداری کا عہد کرتا ہے۔

عبادت اور ذکرِ الٰہی میں لُطف آتا ہے، سجدے لمبے لمبے کرتا ہے۔ دیر تک سر اُٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ قرآن پڑھتا ہے تو اُس میں کچھ اور ہی لُطف آتا ہے۔ جب سرزمین حجاز میں قدم رکھتا ہے تو اسلام کی پُوری تاریخ نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ چپّہ چپّہ پر خُدا سے محبت کرنے والوں اور اُس کے نام پر جان و مال قُربان کرنے والوں کے آثار نظر آتے ہیں۔ سفر مدینہ میں ہجرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا منظر سامنے آجاتا ہے۔ مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلعم اور حضرات مہاجرہ و انصار کی مدنی زندگی نگاہوں میں پھرتی ہے۔ جبل احد کی زیارت سے غزوہ احد اور غزوہ خندق کی تاریخ سامنے آجاتی ہے جس میں مسلمانوں کے لیے بہت بڑا درس عبرت ہے۔ غرض مکہ، مدینہ، منیٰ اور عرفات کا ذرہ ذرہ عظمت اسلام کی گواہی دیتا ہے اور وہاں کی ہر کنکری پکارتی ہے کہ یہ ہے وہ سرزمین جہاں سے علم اسلام اور کلمہ حق بلند ہُوا۔ اس طرح مسلمانوں کا دل خدا تعالے کے عشق اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی محبت اور اسلام کے ساتھ والہانہ تعلق سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ وہاں سے وہ ایسا گہرا اثر لے کر واپس ہوتا ہے جو مرتے دم تک اس کے دل سے محو نہیں ہوتا۔ پھر حج کیونکہ ملّہ تمام دنیائے اسلام کا مرکز ہے۔ ہر گوشہ سے اللہ کے نام لیوا ایک ہی زمانہ اور ایک ہی وقت میں وہاں جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ آپس میں اسلامی محبت و اخوت قائم ہوتی ہے اور یہ نقش دل پر جم جاتا ہے کہ مسلمان خواہ کسی ملک اور کسی نسل کے ہوں سب ایک دُوسرے کے بھائی ہیں۔ ایک ہی ملّت کے افراد ہیں۔ اسی بنا پر حج اگر عبادت ہے تو اسکے ساتھ تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک ایسا عظیم الشان اجتماع بھی ہے جو مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور بڑھانے

کا سب سے بڑا ذریعہ بن سکتا ہے۔

مَیں حکومت پاکستان کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اُس نے ایسے مُبارک وقت پر اپنا وفد حجاز بھیجا تاکہ اس مُقدس مکان و زمان سے محبت و اتفاق کا وہ فائدہ حاصل ہو جس کی طرف بہت کم لوگوں کی توجہ مبذول ہوتی ہے۔ الحمدللہ کہ وفد اپنے مقاصد میں پُوری طرح کامیاب ہُوا اور مملکت سعودیہ عربیہ سے خصوصاً اور تمام ممالک اسلامیہ سے عموماً اپنے روابط کو مضبوط کر کے کامیابی کے ساتھ واپس آیا۔ عراق و شام، مصر و افریقہ، مراکش و انڈونیشیا وغیرہ تمام اطراف کے زعماء و امراء و عمائد علماء و مشائخ سے ملنے کا ہمیں موقع ملا۔ سب کو حکومت پاکستان کے قیام سے فرحاں و شاداں پایا۔ سب کے سب قرارداد مقاصد پاس ہونے سے بہت زیادہ خُوش ہیں اور منتظر ہیں کہ پاکستان میں بہت جلد نظام شرعی نافذ ہو جائے۔ عالم اسلام مسئلہ کشمیر کے حل کا بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا ہے کہ جلد سے جلد اس کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہو جائے۔ اگر مسلمانان پاکستان و کشمیر باہم متحد و متفق رہے جیسا کہ اب تک ہیں تو انشاءاللہ کشمیر کا مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا۔

اب مَیں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ پاکستان کو استحکام و غلبہ و سطوت اور طاقت و قوت اور ترقی و دوام عطا فرمائیں اور پاکستان میں نظامِ شرعی جلد نافذ ہو جائے۔ آمین

ظفر احمد عثمانی عفی عنہ ۵ر نومبر ۱۹۴۹ء

(از صـ ۱۸۹ تا صـ ۱۹۳)

آلہ مکبر الصوت کے بارہ میں استفتاء کا جواب

علامہ سید سلیمان ندوی نے آلہ مکبر الصوت پر نماز کی ادائیگی کے بارے میں ایک استفتاء مرتب فرما کر علماء حجاز سے اس پر فتوے طلب فرمایا تھا علماء حجاز کی طرف سے جواز کے فتاوی تو آگئے مگر ان کے دلائل علامہ ندوی کے گمان کے مطابق نہایت ناقص تھے۔ اس لیے علامہ موصوف نے جو خود بھی اس سال حج کے لیے تشریف لے گئے تھے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جو پاکستانی وفد کے رکن رکین کی حیثیت سے حج میں شریک تھے فرمائش کی کہ مذکورہ استفتاء کا جواب وہ تحریر فرمائیں۔ چنانچہ مولاناؒ نے جواز کا فتوے اس کے فقہی دلائل کے ساتھ لکھا تو حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے یہ فتوے علماء حجاز کی خدمت میں پیش کر کے فرمایا کہ آپ حضرات مرکز اسلام میں رہتے ہیں۔ عالمِ اسلام کی نظریں آپ کے عمل پر لگی رہتی ہیں۔ اسی لیے فقہی مسائل میں آپ حضرات کو زیادہ محتاط ہونا چاہیئے۔

(تذکرہ سلیمانی ؒ صـ)

پانچواں حج

مدرسہ عالیہ ڈھاکہ کی مدت ملازمت ختم ہونے کے بعد ۱۹۵۴ء میں پانچویں مرتبہ حضرت مولاناؒ حج کعبۃ اللہ اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوئے اور یہ آپ کا آخری حج اور مدینۃ الرسول میں آپ کی آخری حاضری تھی۔

پہلا نکاح اور اولاد امجاد

پہلے حج سے فراغت کے بعد مولانا کی پہلی شادی ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ تھانہ بھون میں ہوئی۔ آپکی رفیقۂ حیات نے حضرت تھانویؒ سے تعلیم حاصل کی تھی اور وہ حضرت تھانویؒ کی اہلیہ صغری کی بڑی بہن اور پیر جی ظفر احمدؒ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔

مہر

اس زمانہ میں ان اطراف میں مہر کے زیادہ مقرر کرنے کی عادت تھی۔ مگر حضرت تھانویؒ نے گیارہ سو مہر مقرر کرایا۔ آپ فرماتے اب یہاں بھی پہلے بڑے بڑے مہر ہوتے تھے۔ اب غنیمت ہے ڈھائی ہزار پر آ گئے ہیں۔ گھر میں میں تے اپنے بھانجوں کا گیارہ سو مہر مقرر کرایا۔ یہ حساب سے حضرت ام حبیبہؓ کے مہر کے برابر ہوتا ہے۔ کچھ کسر کا فرق ہے۔

(اشرف السوانح صـ ۵۴۲ جلد ۲)

اس طرح حضرت مولانا مرحوم کو مہر کی رقم میں سنت کی موافقت حاصل ہو گئی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا عطیہ

جب مولانا شادی کے لیے سہارنپور سے تھانہ بھون جانے لگے تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے مولانا کو اپنی ایک قیمتی صدری مرحمت فرمائی تھی جو ان کے شادی کے دوسرے تمام لباس سے زیادہ قیمتی تھی۔

(از تذکرۃ الخلیل)

پہلی اہلیۂ محترم سے مولانا مرحوم کے دو صاحبزادے مولانا عمر احمد عثمانی اور مولانا قمر احمد عثمانی ہیں اور تین صاحبزادیاں ہیں جو بفضلہ تعالیٰ بقیدِ حیات اور صاحب اولاد ہیں۔ دونوں صاحبزادے بفضلہ تعالیٰ بڑے ذہین و ذی استعداد اور صاحب تحریر و تصنیف دینی و دنیوی دونوں ہی علوم کے حامل ہیں۔

مولانا عمر احمد سلمہٗ نے مظاہر علوم سہارنپور میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد وہیں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا

پھر چاٹگام مدرسہ عالیہ میں عرصہ تک حدیث کی بڑی کتابوں مسلم شریف اور ابو داؤد شریف کا درس بڑی قابلیت کے ساتھ دیتے رہے۔ آجکل گورنمنٹ کالج ناظم آباد کراچی میں دینیات کے اُستاد ہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بھی موصوف کو تبرکاً سند حدیث سے نوازا تھا اور ایک مقام سے استاذ حدیث کی طلبی پر وہاں کے لیے حضرت تھانویؒ نے مولانا عمر احمد صاحب کا نام تجویز فرمایا تھا۔ درس حدیث کے لیے حضرت تھانویؒ کا مولانا عمر احمد صاحب کو منتخب فرمانا مولانا ممدوح کی قابلیت کی بہت بڑی شہادت ہے۔ دُعا ہے کہ مولانا موصوف کو اپنے اسلاف کے طریقہ پر ہمیشہ گامزن رہنے کی توفیق عنایت ہوتی رہے اور خدا کرے زمانہ پھر یہ رنگ دکھلائے اور برادرِ محترم حسب سابق علوم اسلامیہ اور احادیث نبویہ کی خدمت میں مشغول ہو کر اس کے ثمرات سے دنیا اور آخرت میں بہرہ ور ہوں۔ آمین۔

مولانا عمر احمد عثمانی کی تصانیف

مولانا عمر احمد عثمانی نے زمانہ تدریس مظاہر علوم سہارنپور میں "فضائل الایام والشہور" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا تھا جس میں بارہ مہینوں کے فضائل اور احکام ایک جگہ جمع کر دیئے اور بوجہ بے علمی یا کم علمی جو رسومات مسلمانوں میں مروج تھیں اُن کی تردید کی گئی ہے۔ یہ رسالہ پہلے ماہنامہ اشرف العلوم سہارنپور میں مولانا ظہور الحسن کے کچھ اضافات کے ساتھ جو رسالہ کے مدیر تھے شائع ہوا تھا پھر بمبئی سے کتابی شکل میں ایک سو ستر صفحات پر شائع ہوا۔ یہ رسالہ اب بھی ملتا ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کا ایک مکالمہ اپنے ایک شاگرد کے

ساتھ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوا تھا۔ وہ جنوری ۱۹۶۸ء کے ماہنامہ "البلاغ" کراچی میں شائع ہوا تو غیر مقلدین کے ترجمان مدیر "الاعتصام" لاہور نے اسکو ہدف تنقید بنایا۔ اس کے جواب میں مولانا عمر احمد صاحب نے ایک مفصل مضمون تحریر کیا اور اسمیں بڑی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ جوابدہی کا فرض انجام دیا۔ یہ تحریر بھی "خاتمۃ الکلام" کے نام سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ مدیر "الاعتصام" نے بحث میں علمی انداز اختیار کرنے کی بجائے اپنی عاقبت نا اندیشی سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی پر یہ طعن کیا تھا کہ ان کے بیٹوں نے حدیث کی مخالفت شعار کر لی ہے اس لغو و بے بنیاد الزام کی حقیقت و اصلیت واضح کرنے کے لیے مولانا عمر احمد عثمانی کی مذکورۃ الصدر تحریر کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے حدیث کے بارے میں مولانا عمر احمد صاحب عثمانی کا مسلک واضح ہو جاتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:۔

"ہم ہر فقہی مسئلہ میں سب سے پہلے قرآن کو دیکھتے ہیں اگر احادیث نبویہ میں ہمیں اس مسئلہ کے متعلق قرآن کے خلاف ملتا ہے۔ تو ہم قرآن کریم کو سرچشمۂ قانون قرار دے کر حدیث میں تطبیق و توجیہہ کے ذریعہ اس کا کوئی ایسا محل متعین کرتے ہیں کہ وہ قرآن سے متصادم نہ رہے۔ احادیث میں اگر اختلافات ہوتا ہے تو ہم اس حدیث کو ترجیح دیتے ہیں جو اوفق بالقرآن ہو اور اس ضمن میں ہر مُرسل منقطع بلکہ بعض اوقات ضعیف احادیث تک کو بھی سر آنکھوں پر رکھ لیتے ہیں۔" (خاتمہ صـ۱۳)۔

اس اقتباس سے مدیر "الاعتصام" کے تعصب و عناد اور بہتان طرازی کی اصلیت بے نقاب ہو جاتی ہے۔ مولانا موصوف نے اپنے سفر حج کے مشاہدات و

حضرت مولاناؒ کے دوسرے صاحبزادہ مولوی قمر احمد عثمانی سلمہ ہیں۔ انہوں نے عربی کتب درسیہ تھانہ بھون، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھیں۔ پھر دورۂ حدیث کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں اپنے والد محترم، حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا منتخب الحق سے کی۔ اور اس کے بعد سرکاری مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آج کل گورنمنٹ نارمل اسکول کمالیہ ضلع لائل پور میں مدرس ہیں۔ موصوف بھی نہایت ذہین، ذی استعداد اور صاحب تحریر ہیں۔

مولانا قمر احمد عثمانی کی تصانیف

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے جواب میں جب "براءۃ عثمانؓ" کے نام سے مفصل مضمون تحریر فرمایا اور دوسری طرف سے مودودی صاحب کے مسلک کی وکالت میں جوابی مضمون تبصرہ کے عنوان سے ماہنامہ "فاران" کراچی میں شائع کیا گیا تو "فاران" کے اس تبصرہ کے جواب میں عزیزم مولانا قمر احمد عثمانی نے نہایت مسکت مضمون لکھا۔ یہ مضمون ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے اور کتابی شکل میں "تذکرۂ یاراں" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ ان کی دوسری تصنیف "ہماری مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں برصغیر کی مختلف علمی و فکری تحریکات اور مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ پیش کیا گیا ہے اور فتنۂ انکارِ حدیث کے رد میں پورے ۳۲ صفحات سپردِ قلم کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب "مطبوعات مشرق" کراچی کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔

تاثرات کو "ارمغان حجاز" کے نام سے سپرد قلم کیا تھا یہ تحریر بھی شائع ہو چکی ہے۔

تاریخی نام

مولانا عمر احمد کا تاریخی نام حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے "مرغ محمد" تجویز فرمایا تھا۔ اس کی تفصیل "تذکرۃ الخلیل" میں اس طرح لکھی ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا۔ مولوی ظفر! تمہارے بچے کا تاریخی نام سوچا ہے مرغوب محمد مگر حساب کر کے تم دیکھ لو کتنے عدد ہوتے ہیں؛ انہوں نے حساب لگا کر عرض کیا کہ حضرت آٹھ عدد زیادہ ہیں۔ بے ساختہ فرمایا۔ بس ب اور و کو حذف کر دو۔ "مرغ محمد" تاریخی نام ہے۔ اسکے ۱۳۳۲ عدد بنتے ہیں اور سن ہجری کے مطابق یہی ان کا سن پیدائش ہے۔

(از تذکرۃ الخلیل)

مولانا حسین احمد مدنیؒ کا مزاج

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ اسی دور میں مولانا ظفر احمد صاحب زاد مجدھم و دام ظلہم تشریف فرما تھے۔ میں دارالطلبہ گیا ہوا تھا۔ ایک لڑکے نے مجھے جا کر اطلاع دی کہ حضرت مدنی قدس سرہٗ آئے ہیں میں کچے گھر حاضر ہوا۔ میری گفتگو حضرت سے ہو رہی تھی کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب بھی کچے گھر پہنچ گئے۔ حضرت ان کو دیکھ کر بہت مسرت سے اُٹھے۔ کھڑے ہو کر مصافحہ فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ اچھا یہ ابوالدیک صاحب بھی یہاں تشریف فرما ہیں۔ اس کی شرح یہ ہے کہ جب عزیز مولوی عمر احمد ابن مولانا ظفر احمد صاحب پیدا ہوئے تو انکی تاریخ ولادت "مرغ محمد" تجویز کی گئی تھی۔ اس وقت سے حضرت مدنی قدس سرہٗ نے تفریحاً مولانا ظفر احمد صاحب کی کنیت "ابوالدیک" تجویز کر رکھی تھی اور اکثر ملاقات میں اسی لفظ سے مخاطبت ہوتی تھی۔
(آپ بیتی ص ۔۔۔)

امام راشد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

مولانا قمر احمد سلمہٗ نے اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی زندگی ان کے علمی نظریات اور مجددانہ کارناموں کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسلامی ہند کی تاریخ میں شاہ ولی اللہ ہی پہلی شخصیت ہیں جن سے اسلامی علوم و معارف کا سلسلہ شروع ہو کر تاریخی تسلسل کیساتھ جاری رہتا ہے اور جن لوگوں نے فکر ولی اللہ کے ساتھ دین اکبری یا متحدہ قومیت کے نظریہ کو جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں سختی کے ساتھ اُن کا محاسبہ کیا گیا ہے۔ ۲۴۴ صفحات کی یہ کتاب بڑے تحقیقی اور تاریخی مواد پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے اس کتاب کی اشاعت پہ دلی مسرت کا اظہار فرمایا تھا اس پر حضرت مولانا کی تقریظ بھی ثبت ہے۔

مُجاہد کبیر سیّد احمد شہید

مولانا قمر احمد سلمہٗ نے یہ کتاب سیّد احمد شہید بریلویؒ اور انکے رفقاء کرام کے مُجاہدانہ کارناموں اور تبلیغی مساعی نیز دیگر خالات و سوانح پر مرتب کی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کو حرفاً حرفاً سُنا اور اس پر بھی اپنی تصدیق و تقریظ ثبت فرمائی۔ یہ کتاب ابھی زیر طبع ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس خاندان کو ہمیشہ اپنے بزرگوں کے طریقہ کے مطابق علوم دین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق و سعادت عنایت فرماتے رہیں۔ (آمین)

مولانا مرحوم کی پہلی اہلیۂ محترمہ کی وفات

حضرت مولانا مرحوم کی پہلی رفیقۂ حیات جب ہندوستان سے پاکستان آئیں تو اُن کی حالت یہ تھی کہ اُن کو مستقل بخار رہتا تھا جو بعد میں

تپ دق ثابت ہُوا۔ بہت کچھ علاج معالجہ ہُوا مگر صحت نہ ہوئی۔ بالآخر اکتیس سال کی رفاقت کے بعد دورۂ تنفس کی حالت میں ۱۳ ماہ محرم ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۰ء جمعرات کے دن مغرب کے وقت واصل بحق ہو گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون یغفر اللہ لنا و لہا و یرحمنا و ایاھا و یدخلنا و ایاھا الجنۃ (آمین) مولانا مرحوم نے اس مرحومہ کی وفات پر ایک عربی مرثیہ ارشاد فرمایا تھا جس کے دو شعر درج ذیل ہیں:۔

اف لفرقۃ مرضی والیسی ۔۔۔ بدر البدور لغم و شمس شموس

لا یتعدی تلاقت بین قلوبنا ۔۔۔ و صدورنا و عیدنا و د و حی

مرحومہ بڑی عابدہ، زاہدہ غیر معمولی طور پر ذہین اور سلیقہ شعار و خوش اطوار تھیں۔ قرآن کریم معہ ترجمہ اور ضروری دینی تعلیم حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے حاصل کی۔ موصوفہ خاندان کی ان چند محترمات میں سے ایک ہیں جنہیں حضرت حکیم الامت سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ مولانا تھانویؒ کی چھوٹی اہلیۂ محترمہ کی بڑی بہن تھیں۔ حضرت تھانویؒ اپنے گھریلو معاملات میں اُن مرحومہ سے مشورہ فرماتے تھے۔

دُوسرا نکاح

پہلی اہلیۂ محترمہ کی وفات کے بعد مولانا نے دُوسرا نکاح کیا مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہُوئی اور کچھ ہی عرصہ بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔

تیسرا نکاح

مولانا کا تیسرا نکاح مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ کی بیوہ صاحب زادی سے ہُوا۔ وہ اب بھی بقید حیات ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے عزیزم مولوی

محمد مُرتضیٰ سلمہٗ ان ہی کے بطن سے ہیں۔ اس وقت عزیز موصوف کی عمر تقریباً بتیس سال ہے۔ انہوں نے دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار میں اپنے والد محترم کے زیر سایہ پرورش اور تعلیم پائی ہے۔ درسِ نظامی کی تکمیل کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن عزیز کی عمر دراز فرمائے اور اپنے والد محترم اور پیش رو بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین۔

چوتھا نکاح

حضرت مولانا مرحوم نے چوتھا نکاح قیام بنگال کے زمانے میں موضع بلیہ ضلع اعظم گڑھ کی رہنے والی ایک مسماۃ سے کیا تھا۔ جو بقید حیات ہیں۔ ان سے بھی مولانا مرحوم کی کوئی اولاد نہیں۔

باب دوم

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی علمی خدمات

درس و حدیث

۱۳۲۹ھ میں پہلے سفرِ حج کے بعد جب مولانا مرحوم اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خدمت اقدس میں سہارنپور پہنچے تو حضرت مولاناؒ نے فرمایا کہ ایک مدرس کی طلب چھتاری سے آئی ہے۔ ابتدائی تنخواہ بیس روپے ہوگی۔ اگر جانا چاہو تو تمہارا نام وہاں بھیج دوں؟ مولانا نے عرض کیا کہ میری تمنا تو یہ ہے کہ حضرت والا کی خدمت اقدس میں رہ کر درس و تدریس کی خدمات انجام دوں۔ کیونکہ میرا علم ابھی مستحکم نہیں ہُوا۔ ابھی سے باہر چلا جاؤں اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت سہارنپوریؒ مولانا کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا تمہارے اُستاد مولانا عبد اللہ گنگوہیؒ مظاہر علوم سے تھانہ بھون کے مدرسہ میں جانا چاہتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم اُنکی جگہ یہاں کام کرو مگر اُنکی تنخواہ پندرہ روپے تھی وہی تم کو ملے گی۔ مولانا نے اس تنخواہ کو بخوشی منظور کرتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے تنخواہ مطلوب نہیں حضرت کی خدمت میں رہنا مطلوب ہے۔

مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس

چنانچہ ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ سے مولانا ۱۹ سال کی عمر میں مدرسہ مظاہر العلوم

سہارنپور کی مدرسی پر فائز ہو گئے اور ۱۳۳۶ھ تک مسلسل سات سال اسی مدرسہ میں مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ابتداء میں شرح وقایہ، نورالانوار وغیرہ کے اسباق مولانا کے سپرد ہوئے۔ پھر بتدریج ترقی ہوتی گئی اور فقہ میں ہدایہ، حدیث میں مشکوٰۃ شریف، فلسفہ میں میبذی اور علم کلام میں شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی وغیرہ مختلف فنون کی کتابوں کا درس آپ نے دیا اور علم ادب عربی میں سبعہ معلقہ اور متنبی کی کتابیں پڑھائیں۔

مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ

سات سال مظاہر العلوم میں درس دینے کے بعد ۱۳۳۶ھ میں سہارنپور سے رخصت لے کر تھانہ بھون کے قریب مدرسہ ارشاد العلوم گڑھی پختہ میں مولانا نے ۱۳۳۸ھ تک دوسری کتابوں کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف کا درس دیا۔

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون

۱۳۳۹ھ میں دوسرے حج سے واپسی کے بعد مولانا کا مستقل قیام تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ اور مدرسہ امداد العلوم میں ہو گیا۔ یہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے علاوہ فتوے نویسی کا شعبہ بھی مولانا کے سپرد کر دیا گیا تھا اور مولانا ان تمام شعبوں میں حضرت حکیم الامت تھانوی کی زیر نگرانی علمی خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں آپ نے بیضاوی شریف اور دورۂ حدیث کی کتابوں کا درس دیا۔ اور تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلباء کی دستار بندی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دستِ مبارک سے ہوتی تھی۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے قیام میں حضرت تھانوی کے انفاس قدسیہ اور توجہات عالیہ کی برکت

سے جو قابلِ قدر علمی اور تالیفی کارنامہ حضرت مولانا نے انجام دیا اس کی مثال علماء سلف اور قدماء کے کاموں میں بھی نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ مولانا کی تصنیفات و تالیفات کا تذکرہ مستقل عنوان کے تحت آگے آ رہا ہے جس سے آپ کے تالیفی کام کا تعارف ہو سکے گا۔

مدرسہ راندیریہ رنگون

جب مولانا کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مدینہ منورہ میں وفات پا گئے (یہ ۱۳۴۶ھ کا زمانہ ہے) تو مولانا کے دل پر کچھ تو اپنے شیخ کی دائمی مفارقت کا صدمہ تھا پھر بینائی پر بھی اثر ظاہر ہوا تو اطباء نے کچھ دن ساحل دریا پر قیام تجویز کیا تھا۔ اسی زمانے میں رنگون (برما) سے حضرت حکیم الامتؒ کے بعض خدام کا خط آیا کہ مدرسہ راندیریہ رنگون میں ناظم کی جگہ خالی ہے۔ تنخواہ ایک سو پچہتر روپے ہے۔ مولانا نے تھانہ بھون کے مدرسہ سے ایک سال کی رخصت لے کر وہاں جانا منظور کر لیا مگر وہاں کی تبلیغی ضرورتوں سے اڑھائی سال تک وہاں قیام رہا (جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے) اور رنگون سے ۱۳۴۹ھ میں تھانہ بھون واپسی ہوئی اور یہاں پہنچ کر حسب سابق حضرت حکیم الامت کی خدمت میں رہ کر درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور فتوے نویسی کے شعبوں میں خدمات انجام دیتے رہے۔ اور یہ سلسلہ ۱۳۵۸ھ تک جاری رہا۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت بابرکت میں اتنی طویل مدت اور عرصہ دراز تک قیام کرنے اور حضرت سے علمی استفادہ اور روحانی استفاضہ کا موقع حضرت مولانا مرحوم کے برابر حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں سے کسی دوسرے کو میسر نہیں آیا اور اس شرف میں حضرت مولانا مرحوم حضرت تھانویؒ کے

غالباً تمام ہی متوسلین پر سبقت لے گئے ہیں۔

؎ این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق

مولانا کے بعض احباب نے ۱۳۵۸ھ میں آپ کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں بلانے کی تحریک کی۔ چونکہ تھانہ بھون میں مکان بنانے کی وجہ سے مولانا کے ذمہ قرض بہت ہوگیا تھا اور یونیورسٹی میں تنخواہ معقول تھی اس لیے حضرت مولانا نے حضرت حکیم الامتؒ کی اجازت سے وہاں جانا منظور فرما لیا اور ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں تھانہ بھون سے ایک سال کی رخصت لے کر ڈھاکہ یونیورسٹی سے وابستہ ہوگئے حضرت مولانا مرحوم کا ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق ملازمت بھی مقدرات میں سے تھا جو ہو کر رہا۔ ورنہ اس بارے میں مولانا کے دلی جذبات و احساسات یہی تھے کہ "کاش میں ایسا نہ کرتا!" چنانچہ اپنے ایک مکتوب گرامی میں بھی انہی تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ یونیورسٹی میں بھی اگرچہ آپ کے سپرد بخاری شریف، مسلم شریف، کتاب التوحید اور ہدایہ وغیرہ کے بڑے بڑے اسباق تھے۔ لیکن مولانا مرحوم کے ذوق علمی کو پورا کرنے کے لیے یہ اسباق بھی کافی نہ ہوئے۔

مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ

چنانچہ مولانا نے یونیورسٹی کے مذکورہ اسباق کے علاوہ مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ میں جو مولانا کی ہی سرپرستی میں آپ کے احباب نے قائم کیا تھا۔ مؤطا امام مالک، بیضاوی شریف، اور مثنوی مولانا روم کے اسباق بلا معاوضہ پڑھانے شروع کر دیئے۔ ان اسباق میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے بعض پروفیسر بھی شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ

ڈاکٹر شہید اللہ مرحوم، ڈاکٹر سراج الحق صاحب اور پروفیسر جیلانی صاحب اسی زمانے کے مولانا کے شاگرد ہیں۔ مدرسہ اشرف العلوم کے اکثر حضرات مدرسین بھی مؤطا امام مالک اور مثنوی کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان اسباق کے علاوہ اس مدرسہ میں مولانا بخاری شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔

جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ

چوتھے سفر حج سے واپسی کے بعد لال باغ کی شاہی مسجد میں مولانا کی زیر سرپرستی ایک عظیم دینی درسگاہ، جامعہ قرآنیہ کے نام سے قائم ہوئی۔ اس درسگاہ کے ناظم اعلیٰ مشرقی پاکستان کے ممتاز عالم دین مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری تھے جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے بیعت تھے اور ان کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا سے تھا۔ حضرت تھانویؒ کے وصال کے بعد مولانا سے تجدید بیعت کر لی اور آپ کے مخصوص خلفاء میں شمار ہوتے ہیں۔ موصوف کے علاوہ حضرت حکیم الامتؒ تھانوی کے خلیفہ و مجاز حضرت حافظ جی حضور مشرقی پاکستان کی مایہ ناز علمی و روحانی شخصیت ہیں جامعہ قرآنیہ کے مدرس اول اور شیخ الحدیث ہیں۔ اس مدرسہ میں بھی حضرت مولانا نے بخاری شریف کا درس کم و بیش پندرہ سال تک نہایت پابندی سے دیا ہے۔ اس میں بھی جامعہ قرآنیہ کے تمام مدرسین شریک ہو کر علمی استفادہ کرتے رہے ہیں۔ ڈھاکہ سے ترک تعلق کے بعد جب مولانا مرحوم مغربی پاکستان تشریف لے آئے جامعہ قرآنیہ کی سرپرستی بدستور فرماتے رہے اور ہر سال رمضان المبارک کی تعطیلات وہیں جا کر گزارتے تھے اور شوال کے مہینہ

میں بخاری شریف کے اسباق شروع کرانے کے بعد واپس تشریف لاتے تھے اور شعبان کے مہینہ میں آپ ہی جاکر ختم بخاری کی رسم ادا فرماتے تھے۔ جامعہ قرآنیہ کے بیشتر مدرسین آپ کے مُرید و شاگرد ہیں۔

مدرسہ عالیہ ڈھاکہ

مدرسہ عالیہ ڈھاکہ وہی درسگاہ ہے جو ہندوستان کی تقسیم سے قبل مدرسہ عالیہ کلکتہ کہلاتی تھی اور مولانا مرحوم کے استاد محترم مولانا محمد اسحاق بردوانی جامع العلوم کانپور سے ترکِ تعلق کے بعد اسی مدرسہ میں صدر مدرس مقرر ہو کر تشریف لائے تھے یہ مولانا بردوانی کی روحانی کشش تھی یا مولانا عثمانی کی طلب صادق تھی کہ تقسیم ملکی کے نتیجہ میں یہ مشہور دینی درسگاہ کلکتہ سے ڈھاکہ منتقل ہو گئی اور ۴۲ ۴۳ سال کی مدت کے بعد ۱۹۴۸ء میں مولانا بردوانی کے نامور شاگرد مولانا ظفر احمد عثمانی نے اُن کی جگہ سنبھال لی۔ مولانا کو ڈھاکہ یونیورسٹی سے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کی جگہ پر لانے میں مولانا کے دوست جناب فضل احمد کریم فضلی کا بڑا ہاتھ تھا جو اس وقت ڈھاکہ میں سیکرٹری تعلیمات اور مدرسہ عالیہ کے صدر بھی تھے۔ آپ ہی کی کوششوں سے مولانا نے یہاں آنا منظور کیا تھا۔ موصوف نے مولانا کی منظوری حاصل کرنے کے بعد مدرسہ عالیہ کے پرنسپل کے پاس مولانا کے تقرر کی رسمی اطلاع بھیج دی تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ مولانا کا تقرر انٹرویو کے بغیر ہوا ہے۔ حالانکہ اس جگہ پر آج تک کسی کا تقرر انٹرویو کے بغیر نہیں ہوا۔ جب یہ بات جناب فضل احمد کریم فضلی صاحب تک پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ مولانا عثمانی انٹرویو دینے کے لیے تیار ہیں۔ مگر ان کا انٹرویو لے گا کون؟ کم از کم میں تو اپنے آپ کو

اس قابل نہیں سمجھتا اور نہ پرنسپل صاحب اپنے کو اس لائق سمجھتے ہیں۔" اس پر معترضین لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے اور مولانا نے مدرسہ عالیہ کی صدر مدرسی کا چارج سنبھال لیا۔ یہاں مدرسہ کی تعلیمی نگرانی اور اساتذہ میں تقسیم اسباق کے علاوہ بخاری شریف، الاشباہ والنظائر، اصول بزدوری کے اسباق بھی آپ کے سپرد رہے۔ اور اس درسگاہ سے ۱۹۵۴ء تک مولانا کا تعلق قائم رہا۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

تقسیم ملک سے قبل ڈھاکہ یونیورسٹی سے تعلق کے زمانہ میں یونیورسٹی کی تعطیلات گرما میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں بھی مولانا نے درسِ حدیث کی خدمات انجام دی ہیں اور مسلم شریف و ترمذی شریف کے اسباق پڑھائے ہیں۔ مولانا قاضی اللہ یار صاحب مرکزی مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت نے اسی زمانہ میں مولانا سے درس حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے بعد متحدہ ہندوستان کی بڑی دینی درسگاہ شمار ہوتی تھی جس کے نامور مدرسین میں مولانا مرحوم کے علاوہ مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا بدر عالم میرٹھی، مولانا شمس الحق افغانی اور مولانا یوسف بنوری جیسے استادان حدیث کے نام شامل ہیں۔

مشرقی پاکستان سے دل برداشتگی

۱۹۵۴ء میں مسلم لیگ کا عوامی لیگ اور دُوسری پارٹیوں کے متحدہ محاذ (جگتو فرنٹ) سے مقابلہ ہوا جس میں متحدہ محاذ غالب آگیا۔ مولانا

مرحوم مسلم لیگ کی ناکامی کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں قیام سے دل برداشتہ ہو گئے چنانچہ مدرسہ عالیہ کے پرنسپل کی دلی خواہش کے باوجود مولانا نے مدت ملازمت میں مزید توسیع قبول نہ فرمائی۔ اور مغربی پاکستان میں مستقل قیام کا ارادہ کر لیا۔ مدرسہ عالیہ سے سبکدوش ہونے کے بعد پہلے مولانا نے حج کا قصد کیا۔ اور سفرِ حج سے واپسی کے بعد ڈھاکہ تشریف لائے ہی تھے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر بلانے کے لیے ڈھاکہ پہنچ گئے اور مولانا نے وہاں جانا منظور فرما لیا۔

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہیار

اکتوبر ۱۹۵۴ء کے آخر میں حضرت مولانا دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہیار کے عہدۂ شیخ الحدیث پر فائز ہو کر مسلسل بیس سال تک قرآن و حدیث کی خدمت اور تعلیم و تدریس میں مشغول رہے اور اپنی قوت و طاقت سے بڑھ کر زندگی کے آخری لمحات تک علوم قرآن و حدیث کی تعلیم اور نشر و اشاعت میں معروف رہے۔ مولانا کی دلی تمنا تھی کہ عمر کے آخری ایام سکونِ قلب اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ اور اس کی یاد میں گزریں۔ اور اطمینان کے ساتھ قرآن و سُنّت کی خدمت کا موقع نصیب ہو۔ اس لیے آپ نے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں لاہور یا کراچی کے بجائے ایک چھوٹے قصبہ ٹنڈو الٰہیار میں قیام فرمانا پسند فرمایا۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت مولانا کو متحدہ ہندوستان اور مشرقی پاکستان میں جو شہرت حاصل تھی اور سیاسی جدوجہد میں آپ نے جو نام اور مقام حاصل کیا تھا اس کی نسبت سے آپ کا ٹنڈو الٰہیار کا زمانۂ قیام تقریباً گمنامی ہی میں گزرا ہے۔

اور حضرت کے اعزہ و اقارب کا بھی یہی خیال رہا ہے کہ اگر مولانا کسی مرکزی مقام پر قیام فرماتے تو یہاں بھی وہی مقام اور شہرت حاصل ہوتی جو پہلے متحدہ ہندوستان اور پھر مشرقی پاکستان میں حاصل تھی مگر حضرت مولانا کو اپنے آخری ایام میں اللہ کی یاد اور علوم دین کی خدمت کے لیے جس یکسوئی اور سکونِ قلب کی ضرورت تھی وہ آپ کو ٹنڈو الٰہیار جیسے چھوٹے سے قصبے ہی میں میسر آسکتی تھی۔ چنانچہ آپ اپنی اس گمنامی پر شاداں تھے اور جب کبھی اس کا تذکرہ آتا اپنی اس خوشی کا برملا اظہار فرمایا کرتے تھے چنانچہ راقم الحروف کے عرض کرنے پر حضرت مولانا نے اپنے ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا:۔

عزیز من سلمہٗ!

السلام علیکم۔ لاہور اور کراچی سے ٹنڈو الٰہیار ہی اچھی جگہ ہے

آج کل شہروں میں سکون نہیں ؎

پھر بھی علمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی خدمات کے لیے بھی جب کبھی مولانا کی ضرورت مسلمانوں کو ہوئی آپ نے کبھی اس سے دریغ نہیں فرمایا۔ بلکہ انتہائی ضعف اور پیرانہ سالی کی حالت میں بھی حضرت مولانا مرحوم ملک و ملت کی صحیح خدمت اور رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہے اور شرعی حدود اور نظریۂ اسلام کے تحفظ اور خدمتِ پاکستان کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ حضرت مولانا کی سیاسی خدمات اور عملی جدوجہد کا تذکرہ مستقل عنوان سے آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔ یہاں تو آپ کی علمی خدمات بالخصوص شعبۂ درس و تدریس میں آپ نے جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں اُن کا اجمالی تعارف کرانا مقصود ہے۔

طریقۂ درس

مندرجہ بالا تفاصیل سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے تعلیم و تدریس کے شعبے میں کتنی گراں مایہ اور وقیع خدمات انجام دی ہیں اور عمر کا ایک بہت بڑا حصہ ہر علم و فن کی کتابیں پڑھانے میں صرف کیا ہے اور پاک و ہند کے قدیم و جدید مراکز علم (دارالعلوموں اور یونیورسٹیوں) میں علم و فن کے ہر شعبے کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان درس گاہوں میں جو طریقۂ درس مدتوں آپ کے تعلیمی اور تدریسی تجربہ میں رہا اور اس کو آپ نے مدت العمر اختیار کئے رکھا اور طلباء کے لیے مفید سمجھا وہ یہ تھا۔

آپ عبارت کتاب کو حل کرنے اور نفس مضمون کو دل نشین کرنے پر زیادہ زور دیتے تھے۔ درس حدیث کے وقت اختلافی مسائل کی تشریح نہایت سادہ لفظوں اور آسان زبان میں فرماتے اور مقصد حدیث کو سمجھانے کے بعد حدیث کی مختلف توجیہات میں سے ملخص طور پر جامع اور آخری توجیہہ بیان فرماتے تھے جو سب سے زیادہ معقول ہوتی تھی۔ اس طریقۂ تعلیم سے نفس مضمون اور خلاصۂ مطلب طلبہ کو بخوبی ذہن نشین ہو جاتا تھا اور آپ اس طریقۂ تعلیم میں اپنے استاد بحر العلوم مولانا محمد اسحاق بردوانی کے نقش قدم پر تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن قدس سرہٗ صدر مسند حدیث دارالعلوم دیوبند کا طریق تدریس بھی یہی تھا۔ غرض آپ کا طریقۂ تعلیم بہت مختصر مگر جامع اور نہایت مفید ہوتا تھا۔

درس میں آپکی سادگی سے اکابر کی یاد تازہ ہوتی تھی

درس حدیث کے ضمن میں اگر کسی

وقت تفصیلی افادہ کی ضرورت محسوس فرماتے تو اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "اعلاء السنن" یا جس کتاب کے حوالہ کی ضرورت پیش آتی اس کا حوالہ بیان کر دیتے اور بعض اوقات اس کتاب کو ہی کمرۂ درس میں ساتھ لے آتے اور اس کی عبارت پڑھ کر سنا دیتے اور اس میں کسی قسم کی سبکی محسوس نہیں فرماتے تھے۔ حضرت مولانا کی اس سادگی سے اکابر دیوبند کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ہمارے اسلاف بالخصوص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس تھے وہ تو اپنے ماتحت مدرس سے بھی کسی عبارت کے حل کرانے میں کوئی عار یا سبکی محسوس نہیں فرماتے تھے اور اسی وقت سب کے سامنے اس کا اظہار بھی فرما دیا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو حضرات لوگوں کی مدح و ذم سے بلند ہوتے ہیں۔ ان کی نظر تحصیل مقصد پر ہوتی ہے اور جس طرح بھی ان کا مقصد حاصل ہوتا ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سطح بین نظروں میں اگرچہ ایسی باتیں کسرشانی اور محسوس ہوتی ہیں اور ان کو بلند پایہ استادان حدیث کے مقام رفیع سے فروتر سمجھا جاتا ہے۔ مگر حقیقت پر نظر رکھنے والوں کا مطمح نظر طلبہ کا افادہ اور تحصیل مقصد ہوتا ہے اس لیے وہ ایسی چھوٹی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور نہ انہیں اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ ایسے بلند و بالا مقامات کے مالک حضرات کے لیے ایسی سطحی باتوں پر نظر رکھنا بجائے مناقب کے مثالب میں شمار ہونا چاہیئے کیونکہ ظاہری رکھ رکھاؤ کی فکر تو ان لوگوں کو ہوتی ہے جو اسی ظاہر داری اور ملمع سازی کے ذریعہ اپنی شخصیت کو بنانے

اور نکھارنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جن اللہ کے نیک بندوں کے لیے حسبِ ارشاد "یوضع لہ القبول فی الارض" عوام و خواص کے دلوں میں قبولیت و محبت راسخ کر دی گئی ہو اور جو حضرات علم کے اصلی جواہر سے مرصع اور مزین ہوں اور جن کے قلوب میں تواضع و انکسار نے جگہ بنالی ہو انہیں ایسی سطحی باتوں کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ اُن سے دُور ہی رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا کے مشہور تلامذہ

یُوں تو حضرت مولانا کے تلامذہ اور شاگردوں کی بہت بڑی تعداد پاک و ہند کے ہر گوشہ میں تعلیم و تدریس اور دُوسرے دینی شعبوں میں مختلف خدمات انجام دیتی ہُوئی نظر آئے گی اور آپ کا یہ فیض برصغیر سے نکل کر حرمین شریفین سے اور یوگنڈا تک پھیلا ہُوا نظر آئے گا۔ پھر یہ سلسلہ واسطہ در واسطہ ہو کر بہت سے دُوسرے اسلامی ممالک میں بھی دور دراز تک پھیلا ہُوا ہے اس لیے آپ سے فیضِ علمی حاصل کرنے والوں کی صحیح تعداد اور آپ کے تلامذہ کا قطعی اندازہ شمار کرنا از بس دشوار ہے۔ اس جگہ چند ایسے مشاہیر اہلِ علم حضرات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن کی علمی شخصیت اور تبحر علمی بجائے خود مسلم ہے اور جو بجا طور پر اپنے دور کے بلند پایہ اساتذۂ حدیث اور اکابر علماء میں شمار ہوتے ہیں اور ان سب کو حضرت مولانا سے نسبتِ تلمذ اور شرفِ استفاضۂ علوم حاصل ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

موصوف نے حضرت مولانا مرحوم سے علاوہ مختلف کتابوں کے ہدایہ اور

مشکوٰۃ شریف بھی پڑھی ہیں۔ مولانا محمد ادریس صاحب بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کے شارح بھی ہیں۔ ان کی شرح مشکوٰۃ "التعلیق الصبیح" عربی زبان میں سات جلدوں میں شائع ہو چکی ہے بڑی نافع اور مُفید شرح ہے۔

شرح مشکوٰۃ کے علاوہ مولانا نے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ بائیس ۲۲ پاروں کی تفسیر تحریر فرما چکے تھے لیکن آپ کی زندگی میں دس پاروں کی تفسیر شائع ہو سکی۔ مولانا کے سامنے اہلِ حق کے تمام تراجم رہتے تھے اور ان سب پر غور کے بعد ترجمہ اور تفسیر تحریر فرماتے تھے جو سب کا خلاصہ اور مغز ہوتا تھا۔ طلبہ و مدرسین کے اشکالات کے حل کے لیے اور صحت ترجمہ کے اعتبار سے بہترین تفسیر ہے۔

آپ نے رد عیسائیت و مرزائیت اور بے شمار دوسرے علمی موضوعات پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کثیر التصانیف اور دورِ حاضر کے محقق علماء میں سے ہیں۔

دار العلوم دیوبند جیسی شہرہ آفاق درس گاہ میں آپ طویل عرصہ تک شیخ التفسیر کے عہدہ پر فائز رہے ہیں اور اس درس گاہ میں مُدّتوں حدیث کا درس بھی دیا ہے۔ جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں بھی کچھ عرصہ قیام رہا اور وہاں تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آخر میں جامعہ اشرفیہ لاہور کی مسند درس حدیث کو یہ نابغۂ روزگار ہستی میسر آگئی اور اس جامعہ کے حصہ میں یہ شرف آیا کہ آپکے آخری فیوض سے مستفیض ہُوا اور ہمیشہ کے لیے یہ مایہ ناز شخصیت جامعہ کی طرف منسوب ہوتی رہے گی۔ ۸ رجب ۱۳۹۴ھ کو لاہور میں وفات پائی اور رحمان پورہ کے قبرستان میں مدفُون ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ

مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ مدرس اول مظاہر علوم سہارنپور نے عربی علم ادب کی کتابیں حضرت مولانا سے پڑھی تھیں۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ عرصہ دراز تک مظاہر علوم سہارنپور کے مدرس اول رہے ہیں۔ تقسیم ملک کے بعد خیرالمدارس ملتان اور دارالعلوم ٹنڈوالہیار میں استاد حدیث رہے۔ بڑے منکسرالمزاج اور متواضع بزرگ تھے۔ معقولات و منقولات کے جامع اور بڑے درجہ کے محقق عالم تھے اور ساتھ ہی شیخ طریقت بھی تھے۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے مخصوص خلفاء میں آپکا شمار ہوتا ہے۔ آپ کی تربیت اور اصلاح باطن کی خط و کتابت کو جو آپ کے اور حضرت حکیم الامتؒ کے مابین ہوئی۔ حضرت تھانویؒ کی اشرف السوانح کا بطور خاص جزو بنایا گیا ہے اور عبادۃ الرحمٰن کے نام سے اس کو بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ غرض کمالات علمیہ و عملیہ کے جامع بزرگ تھے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنیؒ

مولانا بدر عالمؒ نے بھی دارالعلوم دیوبند، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور دارالعلوم ٹنڈوالہیار میں درس حدیث دیا ہے۔ فیض الباری، شرح بخاری (تقریر حضرت مولانا محمد انور شاہ) کے مؤلف و جامع ہیں۔ آپ کی یہ مایہ ناز تالیف عربی زبان میں ہے اور اردو میں "ترجمان السنۃ" کی چار جلدیں لکھ کر آپ نے علم حدیث کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ آپ نے چند رسالے ردمرزائیت پر بھی لکھے ہیں۔ زندگی کے آخری ایام میں ہجرت مدینہ کے بعد آپ نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر درس دیا ہے جس میں

علماء حجاز نے بھی آپ سے اکتساب علمی کیا ہے۔ آپ حضرت مولانا عزیزالرحمٰن صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند کے سلسلہ میں مجاز بیعت تھے اور آپ کے علمی فیوض کے ساتھ مدینہ منورہ میں آپ کا روحانی فیض بھی جاری تھا۔ آپ نے بھی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے اصول فقہ کی کچھ کتابیں پڑھی ہیں اور اس طرح آپ کو بھی حضرت مولانا سے نسبت تلمذ حاصل ہے۔ ۵ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء شب جمعہ میں مولانا نے داعی اجل کو لبیک کہا اور جنت البقیع میں امہات المومنین کے عین قدموں کے نیچے اُن کو قبر کی جگہ ملی۔ سبحان اللہ کیسے خوش نصیب بزرگ تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ذکریا کاندھلوی

آپ نے بھی حضرت مولانا مرحوم سے عربی کی ابتدائی کتابوں کے اسباق پڑھے ہیں اور ایک ادنےٰ نسبت تلمذ آپ کو بھی حضرت مولانا مرحوم سے حاصل ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کی علمی، تالیفی اور تدریسی خدمات کا شہرہ تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ اور اُن کے تبلیغی نصاب سے تو کم و بیش پوری دُنیائے اسلام مستفید ہو رہی ہے۔ آپ نے مؤطا امام مالکؒ کی مبسوط شرح عربی زبان میں لکھی ہے جو "اوجز المسالک" کے نام سے شائع ہوئی ہے اور اُن کی "لامع الدراری" شرح بخاری عربی بھی طبع ہو چکی ہے نیز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ساتھ "بذل المجهود" شرح ابی داؤد کی تصنیف و تالیف میں بھی صاحب موصوف نے بہت کام کیا ہے۔

غرض مولانا بلند پایہ استاد حدیث ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے بہت بڑے مصنف و مؤلف ہیں اور اس وقت جبکہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو

مدینہ منورہ میں آپ کا علمی و روحانی فیض جاری ہے۔ آپ کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی طرف سے اجازت بیعت و خلافت حاصل ہے۔ فیض علمی کے ساتھ آپ کا یہ روحانی فیض بھی عام ہے۔ حضرت شیخ کے تعزیتی خط سے جو موصوف نے مولانا عمر احمد عثمانیؒ کے نام لکھا ہے ا سے اپنی قدر و اہمیت کے پیش نظر "تذکرہ" میں شامل کیا جا رہا ہے۔ اس امر کا انکشاف ہُوا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ کو اجازت بیعت عطا فرمائی تھی مگر بوجہ غلبۂ تواضع حضرت مولانا مرحوم نے اپنے خلفاء و مجازین کی فہرست میں کہیں اس کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ حضرت شیخ اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے متعلق جب بھی کسی نے یہ دریافت کیا کہ کیا یہ حضرات بھی آپ کے شاگرد ہیں؛ تو حضرت مولانا مرحوم نے ہمیشہ جواب میں یہی فرمایا کہ "یہ تو میرے معاصرین میں سے ہیں اور حق تعالےٰ ان ہی کے طفیل میری مغفرت فرما دیں"۔

حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

مولانا موصوف نے بھی درس نظامی کی متعدد کتابیں حضرت مولانا مرحوم سے پڑھی ہیں۔ مولانا ماشاءاللہ نہایت ذہین اور ذی علم اور صاحب استعداد عالم ہیں۔ درس و تدریس کے علاوہ آریہ سماجیوں، مرزائیوں اور اہلِ بدعات سے بڑے معرکہ کے مناظرے سر کئے ہیں اور اس طرح دفاع اسلام کے لیے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔

جن دنوں راجپوتانہ کے علاقہ میں فتنۂ ارتداد کا سیلاب اُمڈا ہُوا تھا

آپ نے "فتنۂ ارتداد اور مسلمانوں کا فرض" کے نام سے ایک مفید رسالہ لکھ کر مسلمانوں کو اس فتنہ کے مقابلے کی ترغیب دلائی۔ اس کے علاوہ آپ کئی دوسرے رسالوں کے مصنف بھی ہیں اور حضرت حکیم الامت کے رسالہ "حفظ الایمان" کی جس عبارت پر اہل بدعت نے شور و غوغا بر پا کیا ہُوا تھا مولانا موصوف نے اس عبارت کی نہایت مناسب و موزوں تشریح فرمائی ہے۔ اور اس رسالہ کا نام "تکمیل العرفان" ہے۔

اسی طرح مسئلہ توسیع قدرت باری تعالےٰ جس کا ڈراؤنا نام امکان کذب رکھ دیا گیا ہے۔ اس کی تحقیق میں حضرت تھانویؒ نے ایک رسالہ "المکالمہ" لکھا ہے۔ جس کی تشریح مولانا اسعد اللہ صاحب نے "المسالمہ" فی شرح المکالمہ" کے نام سے لکھی ہے جو "بوادر النوادر" میں شامل ہے۔

ان رسائل کے علاوہ حضرت مولانا موصوف نے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کے ملفوظات متعلقہ لطائف ستہ کی پر از معلومات شرح تحریر فرما کر سالکین پر بہت بڑا احسان بھی کیا ہے۔ یہ بھی "بوادر النوادر" میں شامل ہے۔ اس کا نام القطائف من اللطائف ہے۔ آپ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز طریقت بھی ہیں اور آج کل آپ مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم اعلےٰ ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائیں اور آپ کا سایہ تا دیر قائم رہے۔

(آمین)

غرض یہ بعض ایسے مشہور حضرات اصحاب درس و تدریس اور صاحب تصنیف و تالیف اکابر علماء کرام کا مختصر تذکرہ ہے جنہوں نے حضرت مولانا مرحوم سے مظاہر علوم سہارنپور میں تدریسی خدمات انجام دینے کے زمانے میں علمی استفادہ کیا ہے اور حضرت مولانا مرحوم اپنی انتہائی تواضع اور انکساری کی بناء پر ان حضرات شاگردان کرام کو اپنے سے بھی آگے بڑھا ہوا سمجھتے اور اور تحریر فرماتے ہیں" اللہ تعالےٰ سے اُمید ہے کہ ان حضرات ہی کے طفیل مجھے بھی جنت میں جگہ مل جائے گی "

(انوار النظر)

ان حضرات کے علاوہ تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں بہت سے حضرات نے حضرت مولانا مرحوم سے اکتساب علم کیا جن میں خصوصیت سے والدم مرحوم مولانا عبد الکریم گمتھلیؒ مرحوم اور مولانا حافظ جلیل احمد صاحب علی گڑھیؒ ، خلیفہ حضرت تھانویؒ کے نام قابل ذکر ہیں ۔ نیز حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولی حال ناظم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون تحریر فرماتے ہیں :

" مَیں نے حضرت مولانا سے مختصر معانی اور ہدیہ سعیدیہ پڑھا ہے اور مولانا قباد علی صاحب بنگالی نے تو اکثر درہ کی کتابیں بھی تھانہ بھون میں پڑھی تھیں " (خط بنام احقر)

قیام رنگون کے زمانے میں بھی اور پھر سولہ سالہ ڈھاکہ کے زمانہ قیام میں بھی حدیث و فقہ کا درس مولانا ہمیشہ دیتے رہے ہیں۔ اس عرصہ میں کتنے طلباء اور علماء نے آپ سے حدیث کا علم پڑھا اور علوم فقہ وغیرہ میں بھی استفادہ کیا۔ اس کی صحیح تعداد کا احاطہ تو کیا تخمینہ اور اندازہ لگانا بھی

مُشکل ہے۔ ایک کثیر تعداد ہے جو اس چشمہ علم سے فیض یاب و سیراب ہوتی رہی ہے۔

ٹنڈو الہیار کے دار العلوم میں آپ کا قیام ایسی عمر میں ہوا جبکہ عام طور پر قویٰ میں اضمحلال آجاتا ہے اور ضعف کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ مگر آپ کے اشاعت علوم دینیہ کے غلبہ شوق کا یہ حال تھا کہ ۷۴ سے ۸۴ سال کی پیرانہ سالی میں بھی اپنے مشاغل علمیہ کو ایسی مستعدی اور ہمت سے سرانجام دیا کہ جواں سال اور نوعمروں کے لیے بھی آپ کا یہ جذبہ قابل رشک بنا رہا۔

حضرت مولانا مرحوم اپنے بیس سالہ قیام دار العلوم ٹنڈو الہیار کے دور میں بخاری شریف کا درس تو ہمیشہ دیا ہی کرتے تھے۔ مگر شروع میں اس کے ساتھ ترمذی شریف بھی تقریباً پانچ چھ سال آپ کے پاس ہی رہی اور برابر مقدمہ اعلاء السنن اور شمائل ترمذی، مؤطین کے اوائل واواخر پڑھاتے رہے اور چند سال تک طحاوی شریف بھی پڑھائی اور اصول حدیث میں نخبۃ الفکر بھی پڑھاتے رہے اور دو سال تک مثنوی شریف کا درس بھی دیا۔

بعض سالوں میں حجۃ اللہ البالغہ کا سبق بھی پڑھایا۔ اس بیس سالہ قیام کے دوران دار العلوم ٹنڈو الہیار سے جو طلباء فارغ ہوئے اور جن خوش نصیبوں نے حضرت مولانا مرحوم سے بخاری شریف اور بعض دُوسری کتابیں پڑھی ہیں ان کی تعداد (۴۳۷) ہے۔ اس زمانہ کے فارغ ہونے والے بعض مشاہیر اہلِ علم کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں :-

مولانا عابد الرحمٰن صاحب جو کہ اس وقت مدرسہ دار العلوم کے درجہ علیا کے مدرس اور مسلم ونسائی وغیرہ پڑھاتے ہیں۔

دوسرے مدرس مولانا عمر احمد سورتی، شرح جامی وغیرہ پڑھاتے ہیں۔

ایک اور ابتدائی مدرس مولوی قادر صاحب ہیں۔ یہ تینوں اصحاب حضرت مولانا کے شاگرد مدرسہ دار العلوم میں بکار تعلیم مشغول ہیں۔

مولوی صالح محمد صاحب اور مولوی محمد یحییٰ صاحب مدرسہ مفتاح العلوم حیدر آباد (سندھ) میں درس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

سعودی عربیہ کی طرف سے افریقہ میں مبلغ مولانا محمد قاسم بلوچی بھی حضرت مولانا کے ہی شاگرد ہیں۔ وہ دار العلوم سے فارغ ہو کر پہلے مدینہ یونیورسٹی میں گئے تھے۔ پھر وہاں سے افریقہ میں مبلغ مقرر ہو گئے۔

مولانا عبد الرزاق صاحب افریقی یوگنڈا جو کہ اس وقت وہاں کے مشہور عالم اور صدر عدی امین کے مخصوص دینی مشیر ہیں وہ بھی حضرت مولانا کے شاگرد ہیں۔

مولوی محمد یاسین صاحب کرمانوی جو کہ شاکر آباد کوٹ پنڈی داس شیخوپورہ میں مدرسہ کے منتظم ہیں۔ وہ بھی حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد ہیں۔

مولوی محکم دین صاحب خطیب مسجد فیروزی اسلام پورہ ٹوبہ ٹیک سنگھ بھی اسی زمانہ کے مولانا کے شاگرد ہیں۔

٭

حضرت مولانا کا قرآن کریم سے تاثر اور بخاری شریف کے ساتھ خصوصی تعلق!

حضرت مولانا مرحوم قرآن مجید کے عاشق تھے اور چونکہ مولانا کو علم ادب عربی میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اور آپ فصاحت و بلاغت کلام عربی کے بڑے ماہر اور رمز شناس تھے اس لیے قرآن مجید کی تلاوت کے وقت الفاظ قرآنی اور نظم عربی کا آپ پر بہت اثر ہوتا تھا۔ مولانا خود فرماتے ہیں:۔

"اس (قرآن) کی بلاغت وفصاحت بعض دفعہ دل کو ایسا بے قابو کر دیتی ہے کہ گویا دل پھٹ جائے گا"

پھر لطف یہ ہے کہ یہ توجہ الی الالفاظ التفات الی المعانی والی المتکلم سے مانع نہیں ہوتی تھی۔ خود مولانا تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جس وقت بلاغت قرآن سے دل بے قابو ہوتا ہے تو اللہ تعالےٰ شانہٗ کے ساتھ قلب کو خاص تعلق ہوتا ہے اور محبت میں بھی ترقی ہوتی ہے"

مولانا نے جب اپنا یہ حال لکھ کر کہ "مجھے تلاوت کے وقت زیادہ تاثر قرآن سے ہوتا ہے اس وقت معانی سے تاثر محسوس نہیں ہوتا" حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے دریافت کیا تو حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا:۔

"تحقیق یہ ہے کہ سالک کے احوال مختلف ہوتے ہیں کسی وقت کلام لفظی کی تجلی کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی وقت کلام نفسی کی تجلی کا۔ سب محمود و سائط تربیت ہیں"

ایک خط میں مولانا نے لکھا ہے :-

"تلاوت اور درود شریف پڑھتے ہوتے حق تعالےٰ شانہٗ کی خاص توجہ محسوس ہوتی ہے"۔

حضرت تھانویؒ نے اس پر تحریر فرمایا :-

"یہی ہیں وہ واردات جو بعد وصول عطا ہوتے ہیں"۔

ایک خط میں مولانا نے لکھا کہ "تلاوت و ذکر میں ایسا حضور ہوا کہ بے ساختہ رب ارنی انظر الیک عرض کرنے کو جی چاہتا تھا"۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا "مبارک ہو"۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

"الحمد للہ کہ تلاوت قرآن میں ایک خاص حلاوت پاتا ہوں"۔

غرضیکہ مولانا مرحوم کو تلاوت قرآن کریم میں ایک خاص حلاوت و لذت حاصل ہوتی تھی اور کیفیت حضوری میسر آتی تھے۔ اس لیے قرآن مجید سے مولانا کو خاص شغف تھا۔

رمضان المبارک میں بڑے اہتمام سے خود تراویح میں قرآن کریم پڑھتے اور جماعت کراتے تھے۔ جب سے بوجہ ضعف عمر خود پڑھنے سے معذوری ہوتی تھی دوسروں کا بڑے اہتمام سے سنتے، باوجود انتہائی کمزوری اور بیماری کے جماعت کے لیے مسجد میں حاضر ہوتے اور تراویح پڑھتے تھے یہاں تک کہ اس آخری رمضان المبارک میں بھی جبکہ آپ کی عمر ۸۴ سال سے بھی متجاوز تھی اور ضعف بھی انتہا کو پہنچ گیا تھا بیٹھ کر پوری تراویح پڑھی۔ صرف دو تین یوم شدت علالت پیچش کی وجہ سے قرآن کریم تراویح

میں نہ سن سکے تو ختم قرآن کے بعد چھوٹے ہوئے قرآن کو سننے کی فرمائش کی۔ اور چھوٹا ہوا حصہ تراویح میں سن کر سنت ختم کی تکمیل فرمائی۔

میرے عریضہ کے جواب میں اپنی اس حالت کا مولانا مرحوم نے اسطرح ذکر فرمایا ہے: "اس رمضان میں میری صحت اچھی نہیں ہے بس کام چل رہا ہے۔ روزہ بھی ہے افطار بھی تراویح بھی پڑھ رہا ہوں، قرآن سن رہا ہوں اور اپنا بھی پڑھ رہا ہوں اللہ تعالےٰ قبول فرمائیں اور صحت و طاقت عطا فرمائیں"۔

بخاری شریف کے ساتھ بھی حضرت مولانا قدس سرہٗ کو عشق کے درجہ کی محبت تھی اور بفضلہ تعالےٰ مولانا کو اپنے تدریس زمانہ کے تقریباً ہر دور میں بخاری شریف کے پڑھانے کی سعادت نصیب ہوتی رہی ہے اور ہر جگہ آپ کا یہ عشق ظاہر و نمودار ہوتا رہا ہے اور آخری بیس سال میں تو حضرت مولانا نے بخاری شریف کا درس بالالتزام اپنے لیے مخصوص فرمالیا تھا اور یہ بھی اللہ تعالےٰ کا انعام عزیز تھا کہ اللہ تعالےٰ نے مولانا کے دل دماغ حافظہ کو آخر تک بہت بہتر رکھا۔ وفات سے دو ہفتہ پہلے تک بخاری شریف کا درس دیتے رہے صرف دو ہفتہ پہلے یہ درس بخاری بند ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا بخاری شریف حضرت مولانا مرحوم کی جان تھی۔ بخاری شریف کے درس سے مولانا کو خاص بشاشت حاصل ہوتی تھی خود فرمایا کرتے تھے اس سے میری طبیعت اچھی ہوتی ہے اور تازگی آتی ہے اور فرمایا کرتے تھے بخاری پڑھاتے پڑھاتے جاؤنگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ۲۰ شوال کو باقاعدہ بخاری شریف دارالعلوم کے طلبار کو شروع کرائی اور ایک ہفتہ تک درس دیا پھر علیل ہو گئے اور بہت کم وقت میں رحلت فرما گئے۔ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا عابد الرحمٰن صاحب ابن حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں :۔ " ناچیز نے ۱۳۶۲ھ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی سے صحیح بخاری پڑھی ہے۔ حضرت مرحوم کو بخاری سے حد درجہ شغف اور خاص تعلق تھا اور صحیح بخاری کی عظمت اس قدر اُن کے دل میں جاگزین تھی کہ کسی صورت میں درس بخاری کا ناغہ گوارا نہ تھا چنانچہ حیات کے آخری دور تک یہی کیفیت رہی۔ درس بخاری نہایت مختصر اور جامع دیتے تھے۔ گویا موتی نچھاور ہو رہے ہیں۔ اور اس جامعیت و اختصار کے ساتھ صحیح بخاری کے ہر ایک پہلو کو ایسا واضح فرماتے تھے کہ اس کے بعد کسی چیز کی کوئی حاجت باقی نہ رہتی تھی۔ صحیح بخاری کے حل اور تراجم الابواب کی تشریح میں حافظ ابن حجر کے قول کو زائد ترجیح دیتے تھے اور مسائل کے سلسلہ میں امام عینی کے قول پر زائد نظر رہتی تھی مذاہب ائمہ بھی اختصار کے ساتھ بیان فرماتے اور ائمہ اربعہ کا جو قول مفتی بہ ہوتا حتی الوسع اسی کو ذکر فرماتے تھے اور ہر ایک امام کے قول پر ان کے اہم ترین دلائل بیان فرما کہ امام ابو حنیفہ کے قول کی اہمیت حدیث و نظر کے اعتبار سے ثابت فرماتے اور گاہے امام بخاری اور دیگر ائمہ کے اقوال کے جواب میں فرماتے کہ میں نے اعلاء السنن میں اس چیز کو واضح کر دیا ہے۔ غرضیکہ اس عظمت و احترام کے ساتھ صحیح بخاری کا درس دیا کرتے تھے "۔

متعنا اللہ و ایاکم بعلومہم ۔ انتہی ۔



باب سوم

حضرت مولانا مرحوم کی تصنیفات و تالیفات

تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں حضرت مولانا مرحوم نے علم تفسیر اور علم حدیث کی بڑی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اور بہت بڑی بڑی مایہ ناز کتابیں فن تفسیر اور حدیث میں آپ نے یہاں کے قیام میں تالیف اور تصنیف فرمائی ہیں۔ ذیل میں آپ کی تصنیفی اور تالیفی خدمات کے تعارف کی غرض سے کسی قدر تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے اور ہر فن کی تصنیفات کا اس فن کے عنوان کے تحت ذکر کیا جاتا ہے۔

علم تفسیر

تلخیص البیان زمانہ قیام تھانہ بھون مولانا نے ایک سال کی محنت میں تفسیر بیان القرآن مؤلفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا خلاصہ اس نام سے کیا تھا۔ اس خلاصہ کو حضرت تھانویؒ نے بہت پسند فرمایا تھا۔ حمائل شریف کے حاشیہ پر یہ خلاصہ تفسیر اشرف المطابع تھانہ بھون میں طبع ہوا ہے مگر طباعت ناقص اور کتابت غیر واضح ہے۔ ضرورت ہے کہ اسکو دوبارہ عمدہ طریقہ پر شائع کیا جائے۔ حضرت مولانا مرحوم نے تلخیص البیان کے آخر میں

اُس کی تاریخ ۱۳۳۹ھ حسب ذیل عربی بیت سے نکالی ہے۔

طلبت لہ التاریخ من عند ھاتف   فنادی تلخیص البیان عجیب

الشفاء قرآن کریم پر وارد کئے جانے والے شبہات کے جواب میں مولانا نے تفسیر بیان القرآن کے مضامین کو سوال و جواب کے طرز پر مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ رسالہ "النور" تھانہ بھون میں قسط وار یہ سلسلہ شائع ہوتا رہا۔ مگر افسوس کہ یہ سلسلہ قائم نہیں رہ سکا۔

احکام القرآن فقہ اسلامی حنفی کن کن آیات سے ماخوذ ہے اور علمائے احناف نے کون کون سی آیات سے کون کون سے مسائل فقہیہ کا استنباط کیا ہے۔ احکام القرآن میں ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس طرح قرآن کریم سے فقہ حنفی کے دلائل کا ایک بہت عمدہ اور مستند مجموعہ عربی زبان میں یکجا جمع ہو گیا ہے۔ علم تفسیر میں مولانا کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے۔ سورہ فاتحہ سے سورۃ النساء تک کی دو جلدیں مولانا مرحوم نے مکمل فرمائی تھیں۔ یہ دو جلدیں بڑے سائز کے ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں اور شائع ہو چکی ہیں اس پیرانہ سالی اور ضعف عمر کے زمانے میں بھی مولانا نے سورۃ المائدہ سے آگے لکھنا شروع فرما دیا تھا مگر تکمیل نہیں ہو سکی۔ خدا کرے اس کی تکمیل کا اور پھر اُس کی اشاعت کا انتظام جلد ہو جائے اور یہ علمی نوادرات کا ذخیرہ منظر عام پر آ کر تشنگانِ علوم کو سیراب کر دے۔

احکام القرآن اور اعلاء السنن اسکا ذکر آگے آ رہا ہے دونوں ایسی عجیب و غریب کتابیں ہیں کہ جن کی مثال سے علمی دُنیا تقریباً ایک ہزار سال سے خالی تھی، حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی سرپرستی میں مولانا مرحوم کے

قلم گوہر رقم سے یہ نایاب موتیوں کا مخفی خزانہ علمی دنیا کو دستیاب ہُوا۔

القول المیسور فی تسہیل ثبات الستور حضرت تھانویؒ کے رسالہ ثبات الستور لذوات الخدور کی یہ تسہیل ہے۔ مولانا نے ایسی خوبی کے ساتھ یہ تسہیل فرمائی ہے کہ اصل رسالہ بہت ہی سہل اور آسان ہو گیا ہے۔ النور صفر ۱۳۴۷ھ میں یہ رسالہ شائع ہُوا ہے۔

الحصون المحصنہ یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ القاء السکینہ کی تسہیل مولانا نے فرمائی ہے جو مذکورہ بالا نام سے مستقل کتابی شکل میں شائع ہُوا ہے۔ یہ دونوں رسالے پردہ نسواں سے متعلق آیات کی تفسیر و تشریح میں ہیں۔

علمِ حدیث

اعلاء السنن مولانا کا سب سے بڑا علمی شاہکار اس صدی کا ہی نہیں بلکہ شاید علم حدیث کا بہت بڑا کارنامہ کتاب اعلاء السنن اور اُس کے مقدمہ کی تصنیف ہے جو کہ بیس ضخیم جلدوں میں بڑے سائز کے چھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی بڑی تمنا رہی کہ یہ کتاب جلد شائع ہو کر مفید خاص و عام ہو مگر حضرت تھانویؒ کی حیات میں اُس کی صرف گیارہ جلدیں ہی مع مقدمہ شائع ہو سکیں۔ بقیہ جلدیں قیام پاکستان کے بعد شائع ہوئی ہیں۔ الحمد للہ مؤلف علام اس مکمل کتاب کو زیورِ طبع سے آراستہ دیکھ کر مسرور

ہُوئے۔ اس کتاب کی ابتدائی جلدیں نایاب ہو چکی ہیں اور جو حصے دستیاب ہیں اُن کی طباعت و کتابت اگرچہ شایانِ شان نہیں ہے مگر پھر بھی عدم وجود بہر حال بہتر ہے اور اہلِ علم کے لیے اس کتاب کا وجود مغتنمات زمانہ سے ہے۔

۱۳۳۶ھ میں جب حضرت مولانا مرحوم نے دُوسرے حج کے بعد تھانہ بھون میں مُستقل قیام کر لیا تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اعلاء السنن کے تالیف کرنے کی خدمت بھی منجملہ دوسری علمی خدمات کے مولانا کے سپرد فرما دی۔ پہلے اس خدمت کو مولانا احمد حسن سنبھل کر رہے تھے اور اس کتاب کا ایک حصہ ان کا لکھا ہُوا بنام احیاء السنن شائع ہُوا تھا۔ مگر حضرت تھانویؒ ان کے کام سے مطمئن نہیں ہوئے۔ اس لیے مولانا نے اس طبع شدہ حصہ پر بھی استدراکات تحریر فرمائے جو الاستدراک الحسن کے نام سے شائع ہُوئے تھے۔ اس کا انداز چونکہ سوال و جواب کا تھا اس لیے بعض اہلِ علم خصوصاً اہلِ عرب کو کتاب کے ان مختلف ناموں اور سوال و جواب کے انداز سے الجھن پیدا ہوتی تھی اس لیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے خواہش ظاہر فرمائی کہ یہ جلد ایک مسلسل کتاب کی صُورت اختیار کرے اور اس کا نام بھی احیاء السنن کی بجائے اعلاء السنن ہی ہو جائے تو اچھا ہے۔

یہ کام کس قدر اُلجھا ہُوا اور دیدہ ریزی کا طالب تھا اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ایسے کاموں کا تجربہ رکھتے ہیں لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے اس پیرانہ سالی میں یہ بے حد پیچیدہ اور مشقت طلب کام بھی مکمل فرما دیا اور احیاء السنن اور الاستدراک الحسن دونوں حصّوں پر نظر ثانی

فرما کر اس کا نام بھی اعلاء السنن ہی رکھ دیا۔

دار العلوم کراچی میں مولانا محمد تقی صاحب سلمہٗ اس پر تحقیق و تعلیق کا کام کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ یہ جلد اپنی اس نئی صورت میں بھی عنقریب ٹائپ کی عُمدہ طباعت کے ساتھ شائع ہونے والی ہے۔ اس کتاب کا ایک مقدمہ انہاء السکن ایک بار پہلے بھی طبع ہُو چکا ہے اب دوبارہ پھر کراچی میں ٹائپ ہو کر طبع ہُوا ہے۔ اس کو شام کے محقق عالم شیخ عبدالفتاح نے مصنف علیہ الرحمہ سے اجازت لے کر "قواعد فی علوم الحدیث" کے نام سے اپنی طرف سے قابلِ قدر تعلیقات اور گراں مایہ مقدمہ کے اضافہ کے ساتھ نہایت آب و تاب کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ کرایا ہے۔

اعلاء السنن کا یہ مقدمہ بقول مولانا محمد یوسف صاحب، اصول حدیث کے نوادر و نفائس پر مُشتمل ہے اور تمام کتب رجال اور کتب حدیث اور کُتب اصول حدیث سے انتہائی عرق ریزی کے بعد مولانا مرحوم نے وہ نفائس جمع کر دیئے ہیں کہ عقل حیران ہے اور یہ مقدمہ بجائے خُود ایک مُستقل بے مثال کتاب ہے۔

دُوسرا مقدمہ انجاء الوطن بھی پہلی بار شائع ہو چکا ہے اب دوبارہ وہ بھی مولانا عبدالفتاح کے پاس زیر طبع ہے۔ خُدا کرے جلد طبع ہو جائے۔

مولانا کے زمانہ قیام رنگون میں مولانا حبیب احمد کیرانوی مرحوم نے بھی تھانہ بھون رہ کر اعلاء السنن کے کچھ حصے لکھے تھے۔ جب مولانا مرحوم رنگون سے واپس تھانہ بھون آئے تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حکم سے ان حصّوں پر بھی نظر ثانی فرمائی اور اُن کے لکھے ہوئے حصّوں پر تتمات لکھے جس میں

دلائل نقلیہ کا اضافہ کیا اور کچھ حصے مستقل طور پر بھی دوبارہ لکھنے پڑے۔

غرضیکہ مولانا نے ۱۳۳۸ھ سے ۱۳۵۷ھ تک مختلف اوقات میں تقریباً بیس سال کی عرق ریزی اور محنت شاقہ کے بعد اس کتاب میں ابواب الطہارۃ سے لے کر کتاب المواریث تک کے تمام مسائل خلافیہ مشہورہ میں ہدایہ کی ترتیب کے موافق فقہ حنفی کی تائید کے لیے بہت بڑا ذخیرہ احادیث جمع کر دیا ہے تمام فقہی ابواب سے متعلق احادیث نبویہ کو جمع کر کے ان کی ایسی بے نظیر تشریح اور تفصیل فرمائی ہے جو وسعت معلومات اور وقت نظر کے لحاظ سے پوری عالم اسلام میں اپنی مثال آپ ہے اور جس کو دیکھ کر بڑے بڑے علماء زمانہ اور فضلاء یگانہ حیران و ششدرہ گئے ہیں۔

اس جگہ صرف مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا تاثر اس کتاب کے بارے میں پیش کر دینا ناظرین کے لیے اس کتاب اور اس کے مصنفؒ کے مقام و مرتبہ کے پہچاننے کے لیے کافی ہے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:-

"مولانا عثمانی بے شمار چھوٹی بڑی کتابوں کے مصنف تھے اگر ان کی تصانیف میں اعلاء السنن کے علاوہ اور کوئی تصنیف نہ ہوتی تنہا یہ کتاب ہی علمی کمالات، حدیث و فقہ و رجال کی قابلیت و مہارت اور بحث و تحقیق کے ذوق محنت و عرق ریزی کے سلیقہ کے لیے برہان قاطع ہے۔ اعلاء السنن کے ذریعے حدیث و فقہ اور خصوصاً مذہب حنفی کی وہ قابل قدر خدمت کی ہے کہ جس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ یہ کتاب اُن کی تصانیف کا شاہکار اور فنی تحقیقی ذوق کا معیار ہے۔ علمی جواہرات کی قدر شناسی وہی شخص کر سکتا ہے جس کی زندگی اسی وادی میں گزری ہو۔ دُور دراز مواقع اور غیر فطان سے جواہرات نکال کر خوب صورتی سے سجا کر رکھ دینا یہ وہ قابل قدر کارنامہ ہے جس پر جتنا رشک کیا جائے کم ہے۔ موصوف نے اس کتاب کے ذریعہ جہاں علم پر احسان کیا ہے وہاں حنفی مذہب پر بھی احسان عظیم کیا ہے۔ علماء حنفیہ قیامت تک اُن کے مرہونِ منت رہیں گے۔ بلاشبہ اس بے نظیر کتاب میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے انفاس قدسیہ اور توجہات عالیہ اور ارشادات گرامی کا بہت کچھ دخل ہے۔ لیکن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے ذریعہ ان کا ظہور پُر نور ان کے کمال کی دلیل ہے۔

۱۳۵۸ھ میں جب راقم الحروف قاہرہ میں مجلس علمی کی طرف سے ایک علمی خدمت پر مامور تھا حضرت شیخ محمد زاہد کوثری اس وقت دُنیائے اسلام کے محقق عالم اور نادرہ روزگار تھے اور علماء احناف کے سرمایۂ افتخار اور بے نظیر محقق وسیع النظر متبحر عالم تھے۔ ترکی الاصل تھے۔ فتنہ کمالیہ میں وطن سے ہجرت کر کے مصر میں مقیم تھے۔ جب میں نے کتاب پیش کی تو حضرت نے مطالعہ کے بعد فرمایا کہ احادیث احکام میں حنفیہ کے نکتہ نظر سے اس کتاب کی نظیر نہیں اور فرمایا کہ یہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی ہے کہ قدماء کی کتابوں میں بھی اس استیعاب و استیفاء کے ساتھ ادلہ حنفیہ کو جمع کر کے اس کی تحقیق و تنقیح کی مثال مشکل سے ملے گی اور پھر وہ تقریظ تحریر فرمائی جو کتاب کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ بہر حال کہنا یہ ہے کہ اس شہیدِ علم کی یہ ایک کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے اگر اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی و شافی تھی۔"

(بیّنات ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ ص ۴۳)

اسی طرح جناب ابو علی کالج سٹور، اعظم گڑھ اعلاء السنن کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں "کاش یہ کام مکمل ہو گیا ہو کہ اس نقطہ نظر سے بھی حدیث کی بڑی عظیم الشان خدمت ہے جس پر ہندوستان کو اپنے تمام علمی کارناموں کے ساتھ جو پچھلے زمانہ میں انجام پائے جتنا بھی فخر ہو کم ہے اور مولانا ظفر احمد صاحب کی علمی زندگی کا تو بڑا کارنامہ ہے، انہوں نے اگر کچھ اور نہ بھی کیا ہوتا تو تنہا یہی مقدس کام ان کو بقائے دوام کی مجلس میں جگہ دینے کے لیے کافی تھا لیکن انہوں نے اس کے علاوہ بھی بہت سے علمی کارنامے انجام دیئے ہیں۔"

(رسالہ دار العلوم بابت جمادی الاوّل ۱۳۹۵ھ)

سببِ تالیف

جب سے ہندوستان میں فرقہ غیر مقلدین کا شیوع اور ظہور ہوا ہے اس وقت سے اس فرقہ کی طرف سے حنفیوں پر یہ طعن کیا جا رہا ہے کہ حنفی مسائل کی تائید میں حدیثیں بہت کم ہیں اور احناف کے بہت سے مسائل احادیث کے خلاف ہیں اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے۔ مدارس عربیہ میں زیرِ درس کتبِ احادیث چونکہ زیادہ تر ایسے حضرات محدثین کی تالیف ہیں جو شافعی مسلک رکھتے ہیں اور ان میں حنفیہ کی مؤید احادیث یکجا نہیں ملتیں اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ کتب احادیث سے ایسی احادیث اور روایات کو جمع کر دیا جائے جن سے مسائل حنفیہ کا استنباط ہوتا ہے اور وہ احادیث مسائل حنفیہ کا ماخذ ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس ضرورت کا احساس فرما کر احیاء السنن کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا تھا مگر اس کا مسودہ ضائع ہو گیا۔ پھر ۱۳۳۱ھ میں اس کام کی وسعت کے پیشِ نظر یہ

طے فرمایا کہ اس کے لیے بعض مستند علماء کو اپنے پاس رکھ کر ان سے یہ کام لیا جائے۔ چنانچہ مولانا احمد حسن سنبھلی کو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے مگر ان کے کام سے حضرت حکیم الامتؒ کو اطمینان اور تشفی نہیں ہوئی۔ حضرتؒ نے اپنے اس عدم اطمینان کا تذکرہ اپنے رسالہ موذی مرید میں چند مثالوں کے ساتھ خود بھی فرما دیا ہے مگر اس کا تفصیلی اندازہ کرنے کے لیے الاستدراک الحسن کا مطالعہ ضروری ہے جو احیاء السنن جلد اوّل مؤلفہ مولانا احمد حسن مذکور پر حضرت مولانا مرحوم علیہ الرحمۃ نے ارقام فرمایا ہے۔

حضرت مولاناؒ کا فقہی مسلک اعتدال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے فیوض الحرمین میں اپنے جس مکاشفہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حنفی مذہب پر عمل کا ایسا عمدہ طریقہ بتلایا ہے جو اِن حدیثوں سے جن کو بخاری اور اُن کے ساتھیوں نے جمع کیا اور اُن کی جانچ پڑتال کی، زیادہ موافق ہے اور وہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ ان تینوں کے اقوال میں سے وہ قول لیا جائے جو حدیث سے زیادہ قریب ہو۔

(فیوض الحرمین اردو صـ۲۰۱)

حضرت مولانا مرحومؒ نے اس مسلکِ اعتدال کو اختیار فرما کر اپنی اس تالیف میں اس کے موافق عمل فرمایا ہے اور اس میں تقلید جامد کے بجائے تحقیق فی التقلید سے کام لیا گیا ہے اور جس مسئلہ میں دُوسرے مذاہب کے دلائل قوی ہُوئے اُس کا برملا اظہار کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا

مرحوم ارقام فرماتے ہیں :

" مذہب حنفی کے متعلق شاہ صاحب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بطور کشف کے نقل فرمایا ہے۔ بحمد اللہ کتاب اعلاء السنن میں اسی کے مطابق عمل کیا گیا ہے کہ اپنے ائمہ ثلاثہ میں سے جس کا قول حدیث کے زیادہ موافق پایا اختیار کیا گیا ہے بلکہ بعض مسائل میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو حنفیہ کے قول پر ترجیح دی گئی ہے اور لکھ دیا گیا کہ کتب احادیث موجودہ میں حنفیہ کی تائید میں کوئی حدیث نہیں ملی۔ ممکن ہے ہمارے ائمہ کے پاس کوئی حدیث ہو جو کتابوں میں ہم کو نہیں ملی۔ اس لیے بحالت موجودہ قول امام شافعی قوی ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے "

(امام راشد ص ۱۳۸)

مقصد یہ ہے کہ مولانا مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ہدایت و منشاء کے موافق اس کام کو بڑی دیدہ ریزی، وسعت نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انجام دیا اور احیاء السنن کا نام بدل کر اعلاء السنن رکھ دیا۔ مولانا مرحوم نے اس تالیف میں مذہب حنفی کی موید احادیث کو استیعاب کے ساتھ جمع کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے بارے میں محدثینؒ اور اہل فن کی تحقیقات کو بھی یکجا کر دیا ہے اور احادیث کی جرح و تعدیل اور تصحیح و تضعیف پر مفصل کلام کیا ہے اور اس تمام بحث اور تفصیلی کلام میں پورے تیقظ اور حزم و احتیاط کے ساتھ مسلمہ اصول محدثین کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسائل کے استنباط و استخراج میں اور احادیث سے اپنے مدعا پر استدلال کرنے میں ایسی فقیہانہ دقت نظری سے کام لیا ہے کہ اسکو دیکھ کر بڑے بڑے نادرہ

روزگار محدث اور ناقدانہ بصیرت رکھنے والے فقیہہ بھی حیرت میں رہ گئے۔

مسئلہ محاذات نساء کی دلیل

اعلاء السنن کے زمانہ تالیف میں محاذات نساء کے مسئلہ میں حنفیہ کی موید احادیث کی تلاش میں جناب مولانا مرحوم کا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دار العلوم دیوبند جانا ہوا تو حضرت شاہ صاحبؒ موصوف نے اپنی بیاض مولانا مرحوم کے حوالہ فرمادی جس میں حنفیہ کی موید احادیث کی نشاندہی کی گئی تھی۔ مولانا مرحوم نے دو دن کے قیام میں جس قدر ہو سکا اس بیاض میں مسائل حنفیہ کے دلائل کو قلمبند کر لیا۔ مگر اس بیاض میں مسئلہ محاذات نساء میں حنفیہ کی موید حدیث نہیں ملی۔ پھر بعد میں تلاش کرنے سے اس مسئلہ کی دلیل حدیث سے مجمع الزوائد میں مولانا مرحوم کو مل گئی اور اس کو اعلاء السنن میں درج کر دیا گیا۔

اس عرصہ میں مولانا مرحوم کا سہارنپور میں جانا ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوریؒ نے جو اس زمانے میں بذل المجہود شرح ابو داؤد کی تصنیف میں مشغول تھے مولانا سے فرمایا کہ مسئلہ محاذاتِ نساء میں تم کو کوئی واضح دلیل حدیث سے تائید حنفیہ میں ملی! مولانا نے مجمع الزوائد سے اس حدیث کو نکال کر دکھلا دیا۔ حضرت محدث سہارنپوریؒ اس پر بہت خوش ہوئے اور فوراً ہی اس کو نقل فرمالیا۔

اعلاء السنن کے ابتدائی سات حصوں کا اردو ترجمہ جو عوام کے استفادہ کے لیے کیا گیا ہے وہ ہر حصے کے ساتھ ہی طبع ہوا ہے۔ ایسے مسائل اختلافیہ کا ذکر جن میں غیر مقلدین حنفیوں سے زیادہ الجھتے ہیں وہ زیادہ تر ان سات حصوں میں ہی ہیں اس لیے مفہوم حدیث اور خلاصہ مطلب اردو میں منتقل کر دیا

گیا ہے تاکہ اُردُو دان عوام بھی مسلک حنفیہ کے دلائل سے کسی قدر واقف ہو کر غیر مقلدین کے مغالطات کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں۔

ترجمہ اُردُو والترغیب والترھیب

مولانا مرحوم نے علامہ منذری کی الترغیب والترھیب کا اُردُو ترجمہ بھی کیا تھا۔ مجموعہ کا نام "الانوار المحمدیہ" اور اس کے ہر حصّے کا نام انوار رکھا تھا۔ مثلاً انوار الصوم، انوار الحج۔ ان دونوں انوار کا ترجمہ ۱۳۵۵ھ میں مدرسہ راندیریہ رنگون میں ختم ہو گیا تھا پھر اس کے بعد انوار الجہاد لکھا۔

حضرت حکیم الامتہ کا ارشادِ گرامی

اعلاء السنن کے بارہ میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ایک ملفوظ گرامی کا اقتباس نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے اس کتاب کی وقعت و اہمیت کا صحیح طور پہ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں:

"میں نے ایک کتاب تیار کرائی ہے، اس کا نام ہے "اعلاء السنن" اس میں ہر مسئلہ پر حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے مذہب احناف کی نصرت میں کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے متن عربی میں ہے اور عوام کی سہولتوں کے لیے بعض حدیثوں میں حاشیہ پر اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے بہت ہی جامع اور مانع کتاب ہے۔"

(الافاضات الیومیہ ص ۲۱۸ جلد ۲)

علمِ فقہ

حضرت مولانا مرحوم کو علم فقہ میں بھی بہت مہارت اور بڑی دستگاہ حاصل تھی اور اس فن میں کمال اور رسوخ کے حصول میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے فیضِ صحبت کا بڑا دخل تھا۔ حضرت سہارنپوری کی خدمت میں مولانا مرحوم نے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنے اور تفقہ کے لیے سات سال کا زمانہ گزارا تھا۔ حضرت مولانا سہارنپوریؒ علم فقہ میں بڑے ماہر اور کامل تھے اور حضرت موصوف کا تفقہ مسلم تھا۔ تذکرۃ الرشید اور تذکرۃ الخلیل میں درج شدہ سوالات اور واقعات سے حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کمال تفقہ ظاہر و باہر ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نگرانی میں سالہا سال تک تحریرِ فتاویٰ کا کام انجام دینے کے مواقع بھی مولانا مرحوم کو میسر آتے رہے ہیں۔

امداد الاحکام فی مسائل الحلال والحرام

تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں تالیف و تصنیف اور درس و تدریس کے ساتھ فتاویٰ کے لکھنے کا کام بھی مولانا مرحوم کے سُپرد تھا۔ اور آپ خانقاہ تھانہ بھون کے مفتی بھی تھے۔ مولانا مرحوم کی فتاویٰ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نظر ثانی اور تصحیح کے بعد فتاویٰ کے رجسٹر میں درج کر لیا جاتا تھا۔ اس طرح فتاویٰ کا ایک ضخیم مجموعہ تیار ہو گیا تھا جو رجسٹروں میں موجود ہے۔

اس مجموعہ فتاویٰ کا نام حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے امداد الاحکام تجویز

فرمایا تھا۔ اگرچہ اس کا کچھ حصّہ پہلے رسالہ الہادی دہلی میں شائع ہُوا تھا۔ پھر اس حصّہ کو علیحدہ کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا تھا۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"برخوردار سلمہٗ کے فتاوٰی پر مجھے تقریباً ایسا ہی اطمینان ہے جیسا کہ خود اپنے لکھے ہوئے فتاوٰی پر۔ اس لیے اس کا نام امداد الاحکام ضمیمہ امداد الفتاوٰی تجویز کرتا ہوں" (تمہید امداد الاحکام الہادی ۱۳ھ جلدا)

مگر اس گراں قدر علمی مجموعہ کے مکمل طور پر شائع ہونیکا انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ اب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی نگرانی اور سرپرستی میں یہ علم کا مخفی خزانہ دار العلوم کراچی سے شائع ہو رہا ہے۔ پہلی جلد کی کتابت مکمل ہو چکی ہے اور اسکے جلد ہی منظرِ عام پر آنے کی اُمید ہے۔

دار العلوم ٹنڈو الہیار میں بیس سال تک حضرت مولانا مرحوم نے اپنے قلم سے سینکڑوں فتاوٰی تحریر فرمائے۔ ان کے علاوہ مدرسہ میں لکھے جانے والے جن فتاوٰی پر نظرِ ثانی فرما کر مہر تصدیق ثبت فرمائی ان کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہے صرف مولانا مفتی محمد وجیہہ صاحبؒ کے سترہ سال کے عرصہ میں تحریر کردہ فتاوٰی کی تعداد جو فتاوٰی کے رجسٹر میں درج ہو سکے ۱۲۵۳۷ تک پہنچ چکی تھی۔ جن پر حضرت مولانا مرحوم نے نظرِ ثانی فرمائی ہے۔ اور بہت سے ایسے فتاوٰی بھی ہیں جو بغیر نقل کے روانہ کیے جاتے رہے انکی تعداد کا اندازہ بھی تین ہزار سے کم نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا مرحوم کے بعض مفصل اور مبسوط فتاوٰی کو ان کی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر رسالہ کی شکل میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ مولانا کے ایسے ہی چند رسائل کا تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

جبریہ تعلیم کے خلاف فتوے

حکومت برطانیہ کے زمانے میں جب جبری تعلیم کا قانون بنایا گیا تھا اور قرآنی تعلیم کے مکتب بھی اس قانون سے متاثر ہو کر بند ہونے لگے تھے تو حضرت والد مرحوم نے ایک استفتاء اور اس کا جواب لکھ کر حضرات علمائے کرام سے اس کی تصدیق کرائی تھی اس پر بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل تائیدی فتوے شائع ہُوا تھا۔ یہ رسالہ رسالہ جبریہ تعلیم کے ساتھ ملحق ہو کر شائع ہُوا ہے۔

القول الماضی فی نصب القاضی

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بزمانہ حکومت برطانیہ کے ہندوستان میں قاضیوں کے تقرر کا بڑا خیال رہا اور اس کے لیے کئی مرتبہ مختلف صورتوں میں کوشش فرماتے رہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قاضی کی تقرر کی ضرورت کو شرعی طور پر ثابت کرنے اور جو مسلم ممبران کونسل اس مسئلہ کو کونسل میں پیش کرنے والے تھے ان کے ساتھ سب مسلمانوں کو مکمل اتفاق رائے ظاہر کرنے کی تلقین کی غرض سے یہ رسالہ تالیف فرمایا تھا۔ النور ماہ محرم ۱۳۴۵ھ میں شائع ہو رہا ہے۔

میرٹھ میں حضرت تھانوی کے اشارے پر ایک انجمن نصب القضاۃ کے نام سے قائم ہوئی تھی۔ اس نے بھی یہ رسالہ شائع کر کے اس مسئلہ کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا تھا۔

كشف الدجى عن وجه الربو

ریاست حیدر آباد کے مفتی عبداللطیف صاحب نے (جو کہ علامہ سیّد سلیمان ندوی کے بھی

استاذ ہوتے ہیں) ایک رسالہ صدارت عالیہ اور محکمہ شرعیہ دولت آصفیہ سے بنام الاستفتاء عربی زبان میں شائع کیا تھا۔ اس رسالہ میں انہوں نے یہ دعوےٰ کیا تھا کہ رباء اور سُود صرف بیع میں ہوتا ہے۔ قرض میں زیادہ لینا دینا سُود نہیں ہے چونکہ اس رسالہ میں ایسا طرزِ استدلال اختیار کیا گیا تھا جس سے خدشہ تھا کہ خواص اہل علم بھی متاثر نہ ہو جائیں۔ اس لیے مولانا مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حکم سے اس رسالہ کا یہ تفصیلی جواب تحریر فرمایا تھا۔

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اس کا ترجمہ اُردو بھی دوسرے کالم میں ساتھ ساتھ ہے۔ بڑے سائز کے ۴۸ صفحات کے النور ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ پھر اس کی اشاعت علیحدہ رسالہ کی شکل میں بھی ہوئی۔ اعلاء السنن جزء ثالث عشر اور امداد الفتاویٰ کا جزء بن کر بھی شائع ہوا اور ہو رہا ہے۔

اس رسالہ پر جن مشاہیر علمائے کرام کی تصادیق و تقاریظ ثبت ہیں ان میں حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں اس کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنے مکتوب بنام حضرت حکیم الامت تھانویؒ میں لکھتے ہیں:-

"رسالہ کشف الدجیٰ کے مطالعہ سے بہرہ مند ہوا طرز عبارت اور انشاء کی سلاست اور جاذبیت نور علیٰ نور ہے۔" (تذکرہ سلیمان)

یہی وہ رسالہ ہے جو مولانا سید سلیمان ندوی کے لیے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف رجوع کرنے کا سبب بنا اور انہوں نے اپنی اصلاح اور تربیت باطنی کے لیے حضرت تھانویؒ سے خط و کتابت کی ابتدا۔ اسی رسالہ

کے پہنچنے کے بعد ہی کی تھی۔ اس کا مفصل تذکرہ، تذکرہ سلیمان میں موجود ہے۔

دعوتِ عامہ ایک سائل نے اپنا نام ظاہر کئے بغیر ابوطالب کے معذب ہونے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں چند شبہات لکھے تھے۔ مولانا مرحوم نے ان شبہات کا جواب تحریر فرمایا تھا وہ دعوتِ عامہ کے نام سے النور ماہ رجب ۱۳۴۹ھ میں ۵ صفحات پر شائع ہوا تھا۔

ان رسائل کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتاب الحیلۃ الناجزۃ کا ابتدائی مسودہ بھی مولانا مرحوم کا تیار کیا ہوا ہے اور بہشتی گوہر کے نشان زدہ مقامات کو کتب فقہ میں تلاش کر کے حضرت تھانویؒ کے حکم کے موافق بہشتی گوہر کی عبارت کو بھی مولانا مرحوم نے ہی درست فرمایا تھا۔

فتح الظفر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ایک رسالہ التسلیم للحاکم الحکیم ہے مضمون نام سے ظاہر ہے۔ اس کی تسہیل و تشریح حضرت مولانا مرحوم نے کی ہے اس کا نام فتح الظفر ہے۔

عِلم تصوّف

اس علم کی بھی حضرت مولانا مرحوم نے بڑی خدمت انجام دی ہے۔ بہت سے متعلقین و متوسلین کی اصلاح و تربیت کر کے ان میں ذوق معرفت پیدا کرنے کے ساتھ بطور فن کے بھی اس علم کی مشکلات اور تحقیقات کا بہت بڑا ذخیرہ آپ کے قلم سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

کے حکم اور منشاء سے آپ نے فن تصوف کی کئی عربی کتابوں کا ترجمہ اور اُن کی تشریح فرمائی اور اس ترجمہ کے ضمن میں جابجا اس فن شریف کے حقائق و معارف کو بڑے دل نشین انداز میں ذہن نشین فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم و معارف کا مولانا مرحوم خصوصیت کے ساتھ ترجمہ کے فوائد میں جابجا بڑی ہی خوبصورتی سے اور سلیس طرز بیان میں تذکرہ فرماتے ہیں۔

اسباب المحمودیہ یہ علامہ شعرانیؒ کے عربی رسالہ آداب العبودیہ کا اُردو ترجمہ ہے پہلے رسالہ النور میں قسط وار شائع ہوا تھا پھر کتابی شکل میں بھی کراچی مکتبہ تھانوی سے شائع ہو گیا ہے۔

البنیان المشیر زمانۂ قیام رنگون میں حضرت قطب زمان سیّد احمد کبیر رفاعیؒ کے مواعظ البرہان المؤید کا ترجمۂ اردو مولانا مرحوم نے بنام البنیان المشیر لکھا تھا اس میں عقائد و اعمال اور تصوف سب ہی کا بیان ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کو پسند فرما کر اس پر بڑی عمدہ تقریظ تحریر فرمائی تھی اور اہل سلسلہ کو اس کے مطالعہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ ترجمہ ماہ ربیع الاوّل ۱۳۵۱ھ کو شروع ہو کر ماہ رجب ۱۳۵۱ھ کی ۷ ہر تاریخ بروز یک شنبہ قبل نماز عصر پورا ہوا۔ یہ رسالہ ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

روح تصوف مع عطر تصوف حضرت تھانویؒ کے ارشاد سے مولانا مرحوم نے اس کتاب کے ضروری مسائل اور مہتم بالشان تحقیقات کا خلاصہ فرمایا تھا اس کا یہ نام "روح تصوف اور عطر تصوف" حضرت تھانویؒ نے تجویز فرمایا تھا۔ ۶۰ صفحہ کا یہ رسالہ البنیان للشیر کے ساتھ ملحق ہے۔

مرامم الخاص انہی سید احمد کبیرؒ کے عربی رسالہ النظام الخاص کا ترجمہ اردو حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا اور وہ اس نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس رسالہ کی لوح پر حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا مرحوم کا تعارف راسخ العلم والعرفان جیسے وقیع الفاظ کے ساتھ کرایا ہے لکھا ہے:

"ترجمہ اش از راسخ العلم والعرفان مولوی ظفر احمد است سلمہ الرحمٰن"

یہ ترجمہ یکم ربیع الاوّل ۱۳۵۲ھ کو شروع ہو کر ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۵۲ھ کو مسودہ کی صورت میں اختتام کو پہنچا اور شب دوشنبہ ۱۳ جمادی الاوّل ۱۳۵۲ھ میں مبیضہ کی شکل میں اتمام پذیر ہوا۔ یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

الدر المنضود علم تصوف میں علامہ شعرانی کی کتاب البحر المورود کا یہ ترجمہ مولانا نے اس نام سے فرمایا ہے۔ اس کا حصۂ اوّل بزمانہ قیام تھانہ بھون ۱۳۳۳ھ میں لکھا ہے اور وہ ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا دُوسرا حصہ ماہنامہ الامداد تھانہ بھون میں شائع ہوا ہے اور حصہ سوم ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۷ شوال ۱۳۵۲ھ بروز جمعۃ المبارک بعد از نماز جمعہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں ختم ہوا۔ یہ حصہ النور میں شائع ہوا ہے۔

رحمۃ القدوس علامہ ابن ابی جمرہ مالکیؒ بڑے پایہ کے محقق عالم ہیں۔ ان کے کلام کو علامہ ابن حجرؒ بھی اپنی شرح بخاری میں بطور سند کے نقل فرماتے ہیں۔ علامہ موصوف نے بخاری شریف سے تین سو احادیث کا انتخاب فرما کر ان سے مسائل فقہ اور تصوف و سلوک کا استنباط فرمایا تھا۔ اس کا نام بہجۃ النفوس ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

کے اشارہ سے مولانا مرحوم نے اس کی سو احادیث کا اردو ترجمہ فرمایا ہے۔ یہ ترجمہ دو حصّوں میں رحمت القدوس کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔

اس کے پہلے حصہ کے ۲۶۴ صفحات اور دُوسرے حصّے کے ۲۵۴ صفحات ہیں۔ بڑے سائز کی کتاب ہے۔ یہ ترجمہ اتنا سلیس اور اس قدر رواں دواں ہے کہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔ پھر ترجمہ کے ساتھ مولانا مرحوم نے جو جابجا فوائد کا اضافہ کر کے ان فوائد میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تعلیمات اور اصول تربیت کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کو ملحوظ رکھنا تو سالکین کے لیے بہت ہی نافع اور بےحد مفید ہے۔ اگر ان فوائد کا انتخاب کر کے ان کو مُستقل طور پر جمع کر لیا جائے تو وہ بھی بجائے خود ایک مُستقل رسالہ بن جاتا ہے۔

لباب النعمة

امام غزالیؒ کی کتاب الحکمۃ کا ترجمہ مولاناؒ نے لباب النعمۃ کے نام سے کیا تھا۔ ماہنامہ الامداد تھانہ بھون ماہ رجب ۱۳۳۵ھ میں اس کی پہلی قسط شائع ہوئی اور دوسری قسط ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۳۸ھ میں شائع ہوئی ہے اور غالباً یہ سب سے پہلا ترجمہ ہے جو آپ کے قلم سے لکھا گیا ہے۔

نزهته البساتين

حضرت امام یافعی کی کتاب روض الریاحین کا ترجمہ بھی مولانا نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ نزہتہ البساتین کے نام سے شائع شدہ ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے درس میں داخل نصاب فرمایا تھا۔

انکشاف الحقیقة عن استخلاف الطریقة

مشائخ طریقت کے خلافت و اجازت بیعت کے عطا کرنے کے معیار وغیرہ سے متعلق اس رسالہ میں مولانا مرحوم نے بڑی عجیب تحقیق لکھی ہے اور یہ جو بعض مرتبہ کسی کو اجازت عطا کر کے سلب کر لیا جاتا ہے اُس پر بعض ناحقیقت شناس لوگوں کو مشائخ کی بصیرت اور عطائے اجازت پر شُبہات ہونے لگتے ہیں۔ ایسے شبہات کا رسالہ مذکور میں بالکلیہ قلع قمع کر دیا گیا ہے اور تصوف کے کلیہ الفانی لایرد کے ساتھ مشائخ کے اس طرز عمل کو جو بظاہر تعارض نظر آرہا ہے اس کو بھی بڑے عمدہ طریقے سے رفع کر دیا گیا ہے۔ غرضیکہ یہ رسالہ بڑی ہی قابل قدر اور نادرہ تحقیقات عمدہ پر مشتمل ہے۔ ماہنامہ النور بابت ماہ شعبان و رمضان ۱۳۴۱ھ میں شائع ہُوا ہے اور اُس کے ۱۶ صفحات ہیں۔

القول المنصور فی ابن المنصور

اس رسالہ کا اصل عربی مواد حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جمع فرمایا تھا اور وصیت فرمائی تھی کہ مولانا مرحوم یا مولانا مُفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اس کی ترتیب و تکمیل کر دیں۔ مولاناؒ کی خوش بختی ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کی زندگی ہی میں اس کی تکمیل کی سعادت ان کے حصہ میں آئی اور حضرت تھانویؒ کی وصیت کے مطابق حضرت مولانا مرحوم نے جب اس عربی مواد کے ترجمے اور ترتیب و تبویب کی خدمت انجام دے کر حضرتؒ کے ملاحظۂ اقدس میں پیش کیا تو حضرت بے حد مسرور ہوئے اور اس رسالہ پر اپنی تقریظ میں مولانا مرحوم کے ہاتھ کو حکماً اپنا ہاتھ قرار دیا اور مولانا کو ایک قیمتی جانماز عطیہ کے طور پر مرحمت فرمائی۔

مولانا مرحوم کو بھی اس کتاب کی تکمیل پر بڑی مسرت ہوئی تھی، فرماتے تھے "اس نعمت کا شکر کس دل و زبان سے ادا کروں کہ الحمدللہ یہ ناچیز تالیف حضرت اقدس مدظلہم العالی کی بارگاہ میں شرف قبول سے باریاب ہوئی۔ ع

کلاہ گوشہ دہقان بآفتاب رسید

اللہ تعالےٰ حضرت اقدس کے عطیۂ مبارک کی برکت سے تمام صلوٰۃ و تمام رضوان سے بھی کامیاب فرمائیں آمین، شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا"۔

یہ کتاب بڑی عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ مگر اب بالکل نایاب ہے۔

حقیقت معرفت

ادارۂ معارف اسلامیہ کا جو سلسلہ لکھنؤ میں ہونے والا تھا مولانا مرحوم ڈھاکہ یونیورسٹی کی طرف سے اس اجلاس میں بطور نمائندہ شرکت فرمانے والے تھے مگر کسی وجہ سے یہ اجلاس ملتوی ہو گیا۔ مولانا نے یہ تحقیقی مقالہ اسی اجلاس میں پڑھنے کے لیے تحریر فرمایا تھا جو بعد میں "معارف" اعظم گڑھ میں شائع کیا گیا۔

الظفر الجلی باشرف العلی

تربیت السالک کے طرز کا رسالہ ہے جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے مسترشد خاص منشی علی محمد صاحب مرحوم نے اپنے ۳۵۵ اصلاحی و تربیتی خطوط کو جمع کر دیا ہے۔ اس مجموعہ خط و کتابت کو مطبوعہ حصہ اول کو یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نظر پسندیدگی کے بعد آپ کی حیات ہی میں اس کو شائع کر دیا گیا تھا اور اس کا یہ نام بھی حضرتؒ ہی نے تجویز فرمایا تھا۔ یہ رسالہ حضرت مولانا کے ایک مسترشد کے اصلاحی خطوط کا اتنا

بڑا مجموعہ ہے جس سے مولانا مرحوم کے رشد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کے کام کی وسعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

وظائف و افادات

سلسلۂ چشتیہ صابریہ قدوسیہ امدادیہ کے متوسلین کے لیے شجرۂ طیبہ کے نام سے مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے یہ شجرہ عربی میں نظم فرمایا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس میں مزید ایک شعر یعنی

مجدد الدین الحکیم بوقتہ　　　اشرف علی العارف الربانی

کا اضافہ فرما کر اس کو سلسلۂ اشرفیہ کے متوسلین کے لیے بھی مخصوص و کار آمد بنا دیا اور ساتھ ہی اپنے مخصوص وظائف و افادات کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ چھوٹے سائز پر ۴۰ صفحات کا یہ رسالہ طبع شدہ ملتا ہے۔ ذاکرین و سالکین کے لیے مفید و نافع دستور العمل ہے۔

حق اور اثباتِ حقانیت

اس شعبہ میں بھی مولانا مرحوم نے تقریری اور تحریری دونوں طریقوں سے بڑی ہی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مولانا نے تحریر و تقریر کے ذریعے احقاق حق کا فریضہ بڑے حسن و خوبی کے ساتھ ادا فرمایا ہے۔ تقریری مناظرے کا کسی قدر نمونہ مواعظ و تبلیغ کے عنوان میں آ رہا ہے اس جگہ باب تالیفات کی مناسبت سے مولانا مرحوم علیہ الرحمہ کے ایسے رسائل اور مقالات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن کو اس موضوع سے تعلق ہے۔

اس موضوع پر قلم اُٹھاتے ہوئے مولانا مرحوم کے پیش نظر ہمیشہ احقاق حق اور اظہارِ حقیقت رہتا تھا۔ اس میں کوئی دُوسری مصلحت اور مفاد پیش نظر نہیں ہوتا تھا اسی لیے اس بارے میں اپنے اور بیگانے کا کوئی امتیاز آپ روا نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر قسم کے تعلقات سے بے پروا ہو کر اپنے ہوں یا غیر سب ہی کی قابل اصلاح باتوں کی اصلاح کی کوشش فرماتے اور اس کا برملا اظہار فرما دیا کرتے تھے۔

مولانا مرحوم کے اس طرز عمل میں اصلاح خلق کا کام کرنے والوں کے لیے عملی طور پر بڑا سبق ہے۔ مولانا کے احقاق حق کے رسائل اور مقالات سے ایسے حضرات کو سبق حاصل کرنا چاہیئے جو کسی بات کو غلط اور قابل اصلاح سمجھتے ہوئے بھی اپنے ذاتی تعلقات یا مفادات اور مصالح کی خاطر اُس کا اظہار ناپسندیدگی نہیں کرتے اور اس طرح ان کی مصلحت کوشیوں کے پردہ میں وہ غلط اور قابل اصلاح باتیں پرورش پاتی رہتی ہیں۔ مولانا مرحوم کے قلم حقیقت رقم سے جہاں غیروں کی غلطیوں کا اظہار ہوا ہے وہاں اپنوں کی غلطیوں کی اصلاح کے لیے بھی مولانا کے قلم کی روانی اور جولانی قابل اسوہ اور درس عبرت ہے۔

تحذیر المسلمین عن موالاۃ المشرکین (تین حصے) مُسلمانوں کو کانگرس کی شرکت سے روکنے کے لیے جو مضامین مولانا مرحوم نے لکھے تھے یہ تین رسالے اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ القول الفتن کے نام سے بھی مولانا کے بعض مضامین اس سلسلہ میں شائع ہوئے تھے۔ مولانا نے ان مسائل میں کانگرس میں شریک ہونے کے

دینی اور دنیوی نقصانات کو بڑی تفصیل سے بیان فرما کر اس کی شرکت سے مسلمانانِ ہند کو علیحدہ رہنے کا مشورہ بڑی شدت کے ساتھ دیا ہے۔

۱۳۳۸ھ (۱۹۱۸ء) میں متحدہ ہندوستان کے اندر ہندو مسلم اتحاد پر لیڈران قوم کی طرف سے بہت زور دیا جاتا تھا۔ اس وقت مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسی مشہور شخصیتیں اور مُسلم رہنما بھی اسی اتحاد کا پرچار کر رہے تھے اور اس زمانہ میں اس اتحاد کے خلاف زبان کھولنا اور کچھ لکھنا بہت بڑا قومی جرم تصور کیا جاتا تھا۔ یہ تو بہت بعد کی بات ہے کہ جب ہندو لیڈروں کے متعصبانہ رویّہ اور ان کے مسلم آزاری کے چشم دید واقعات کی بناء پر مولانا محمد علی جوہر وغیرہ بہی خواہان اسلام اور بعض دُوسرے مُسلمان رہنماؤں نے اس اتحاد کے خلاف آواز اُٹھائی اور مُسلمانوں کی علیحدہ تنظیم پر زور دیا اور اس وقت اس اتحاد کے خلاف کہنے اور لکھنے کا حوصلہ بہتوں کو ہو گیا۔

مگر جس زمانے میں مولانا مرحوم نے اُس کے خلاف قلم اُٹھایا تھا وہ بڑا کٹھن دور اور مشکل زمانہ تھا۔ مولانا مرحوم نے ابتداء ہی میں اس اتحاد میں سخت قسم کی غلطیوں اور خرابیوں کا مظاہرہ ہوتے ہوئے دیکھ کر اصلاح احوال کے لیے اس کے مفاسد کی نشان دہی کا فرض جس مجاہدانہ اور بے باکانہ انداز میں فرمایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہی ہے۔

الغیر لنامی لدفع شر النظامی اس زمانہ شرور و فتن میں خواجہ حسن نظامی دہلوی نے بھی ہندوانہ

عقیدہ گاؤ رکھشا کی حمایت اور گاؤ کشی کے خلاف ایک رسالہ لکھا تھا اس رسالہ میں مُسلمانوں کو گائے کے دُودھ گھی کے منافع دکھلا کر اُس کے ذبح نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ اچھے اچھے سمجھدار لوگ بھی ان امور میں ڈھیلا پن دکھلانے لگے تھے اور ڈاکٹر انصاری اور حکیم اجمل خاں جیسے مشہور مسلم لیڈر بھی نرم پڑ گئے تھے اور حکیم صاحب موصوف نے تو خلافت کمیٹی دہلی سے یہ ریزولیوشن پاس کرالیا تھا کہ بقر عید کے موقع پر بھی مُسلمانوں کو چاہیئے کہ گائے کی قربانی نہ کریں اور رضا کارانہ طور پہ اس کو ترک کر دیں۔ اس کا اثر یہ ہُوا تھا کہ بعض لوگوں نے مسلمانوں سے ان کی قربانی کی گائیوں کو زبردستی چھین چھین کر اور اُن کے گلے میں ہار ڈال کر ہندوؤں کے گاؤ رکھشا میں چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ نے اس صورتحال کو معلوم کر کے دیوبند سے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو حکیم اجمل کے پاس اس مسئلہ میں گفتگو کرنے کے لیے بھیجا تھا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری نے بھی گائے کی قربانی کو شعائرِ اسلام میں داخل فرماتے ہُوئے اس کو ترک کرنے کی حرمت کا فتوےٰ تحریر فرمایا جو اس وقت اخبار "الوکیل" امرتسر میں بھی شائع ہُوا تھا اور حضرت سہارنپوریؒ کی سوانح حیات تذکرہ الخلیل میں بھی موجود ہے۔ (تذکرہ الخلیل صت ۲۹۰)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے بھی اپنے انہی اکابر کی ترجمانی کرتے ہُوئے اس مسئلہ سے متعلق مذکورہ بالا عنوان سے بڑا مفصّل رسالہ لکھا جو کتابی شکل میں ۹۶ صفحات سے بھی زیادہ صفحات پر مشتمل شائع ہُوا تھا۔

علمی تنقیدی مقالہ

"الفرقان" کے شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا عبید اللہ سندھی کا ایک مقالہ شامل اشاعت ہے۔ اس کی قابلِ اصلاح باتوں پر حضرت مولانا مرحوم نے زبردست علمی تنقیدی مقالہ تحریر فرمایا تھا۔ اس مقالہ کو بھی مولانا منظور صاحب نعمانی نے اپنے تائیدی نوٹ کے ساتھ الفرقان ہی میں شائع فرمایا تھا۔ اس کا نام ہے "طلوع اسلام، مولانا سندھی اور شاہ ولی اللہ"۔

(از مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی استاذ حدیث ڈھاکہ یونیورسٹی)

مولانا مرحوم کے اس مقالہ کے متعلق مولانا منظور احمد صاحب نعمانی کے تائیدی نوٹ کا اقتباس درج ذیل ہے:۔

"شاہ ولی اللہ نمبر میں مولانا سندھی کا جو بسیط مقالہ شائع تھا ادارہ طلوع اسلام نے اس کے کچھ اقتباسات اپنی تشریح کے ساتھ طلوع اسلام میں شائع کئے تھے۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا مقالہ اس پر علمی تنقید ہے مولانا ظفر احمد صاحب میرے اور ناظرین کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس طرف توجہ فرمائی اور اس بہانے سے مولانا سندھی کے بعض ان اجزاء پر بھی تنقید ہو گئی"۔

(الفرقان، ربیعین و جمادی الاوّل ۱۳۶۱ھ)

غیر اسلامی ممالک میں سود و قمار وغیرہ کی تحقیق

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے سود بین الحربی والمسلم کے جواز پر خامہ فرسائی کی تھی۔ مولانا عثمانیؒ نے اس کی تردید میں ایک مقالہ تحریر فرمایا جو ماہنامہ معارف اعظم گڑھ مئی ۱۹۴۵ء میں از ص ۱۰۰ تا ص ۱۱۳ شائع ہوا تھا۔ مولانا گیلانی نے اس کا جواب معارف نومبر دسمبر ۱۹۴۵ء اور جنوری ۱۹۴۶ء میں شائع کرایا۔ جواب الجواب کے طور پر مولانا مرحوم نے اس مسئلہ پر بڑی تفصیل کے ساتھ کلام فرمایا اور بہت مبسوط مقالہ تحریر فرمایا جو معارف کے جون اور جولائی ۱۹۴۶ء کے دو شماروں میں ص ۴۰۵ تا ص ۴۲۲ اور ص ۵ تا ص ۲۳ پر شائع ہوا ہے۔ یہ مقالہ تحقیقات علمیہ کا خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ ناقدانہ بصیرت و تیقظ اور متانت و ذہانت کا بھی مرقع ہے۔

تردید پرویزیت

رسوائے زمانہ منکرِ حدیث غلام احمد پرویز نے اپنے زمانہ قیام دہلی میں سورہ فیل اور سورہ قریش کی تفسیر بالرائے پیش کی تھی۔ ہمارے مولانا مرحوم نے اسی وقت اسکی تردید میں قلم اُٹھایا اور بڑا تفصیلی مقالہ اسکے جواب میں تحریر فرما کر ماہنامہ الفرقان بابت ماہ شوال ۱۳۶۰ھ میں شائع کرایا تھا۔ اس کا عنوان تھا "پرویز صاحب کی تفسیر سورۂ فیل پر ایک نظر"۔ (جناب مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی شیخ الحدیث ڈھاکہ یونیورسٹی) ایک اور مقالہ "تقوی کی حقیقت اور اسکے نتائج اور طلوع اسلام کی تفسیر آیت صوم پر ایک نظر" (از جناب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی محدث ڈھاکہ یونیورسٹی) الفرقان بابت ماہ ذیقعدہ و ذالحجہ ۱۳۶۰ھ میں شائع ہوا۔

خطیب بغدادی کے اعتراضات کے جوابات

خطیب بغدادی نے حضرت امام ابو حنیفہؒ پر جو اعتراضات کئے ہیں منکرینِ حدیث نے اُن کو اپنی مطلب برآری کے لیے اپنے رسالے طلوع اسلام میں شائع کیا تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے ان اعتراضات کے جواب میں مفصل مقالہ تحریر فرمایا اور ان تمام اعتراضات کے تحقیقی جوابات کے ساتھ ایسے دندان شکن جوابات بھی دے دیئے کہ "طلوع اسلام" کا وہ سارا قلعہ مسمار ہو کر رہ گیا اور اُس بنیاد کا ہی قلع قمع ہو گیا جس پر اُس نے اپنے ہوائی قلعہ کی عمارت تعمیر کی تھی۔ مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ تفصیلی مقالہ بھی ماہنامہ "الصدیق" ملتان میں اٹھارہ قسطوں میں شائع ہوا ہے۔ بڑا ہی قابلِ دید مقالہ ہے۔

منکرینِ حدیث کے رد میں ایک اہم مضمون

طلوع اسلام میں منکرین حدیث نے ایک مضمون "حدیث مشلہ معہ کی حقیقت" کے عنوان سے لکھا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اُوپر کا مضمون اسی کے جواب میں سپردِ قلم فرمایا ہے۔ یہ مضمون بھی الصدیق ملتان میں دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔

العطو الوددی فی ذکر المسیح والمہدی

حضرت مولانا مرحوم نے اپنی کتاب رحمۃ القدوس ص ۳۱ جلد ۲ پر اس رسالے کا تذکرہ فرمایا ہے کہ یہ زیر تالیف رسالہ ہے ہنوز طبع نہیں ہوا۔

رسالہ الافصاح عن حقیقۃ الاصلاح کا ضمیمہ سنہ ۱۳۵۴ھ میں مولانا حمید الدین فراہی اور علامہ شبلی نعمانی کی بعض قابل اعتراض تحریرات پر جب خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کی طرف سے سخت تنقید بلکہ تکفیر تک کی گئی تھی تو اس سلسلہ میں مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا مرحوم علیہ الرحمۃ کی جو مراسلت اس زمانے میں ہوئی تھی یہ ضمیمہ اس پر مشتمل ہے۔

تردید غیر مقلدیت

فقہ حنفی کی تائید کے لیے حضرت مولانا مرحوم نے بڑی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور اس سلسلہ کی آپ کی سب سے بڑی خدمت آپ کی ضخیم کتاب اعلاء السنن ہے جس کا تفصیلی ذکر اُوپر آچکا ہے لیکن چونکہ وہ عربی زبان میں ہے اس لیے ضرورت محسوس ہونے پر حضرت مولانا مرحوم نے مسلک حنفی کی نصرت وحمایت میں اُردو زبان کے اندر بھی رسائل تصنیف فرما کر فقہ حنفی کی خدمت انجام دینے سے دریغ نہیں فرمایا۔

فاتحۃ الکلام فی القرأۃ خلف الامام حنفی مسلک کے مطابق مقتدی پر قرأۃ فاتحہ واجب نہیں ہے۔ مگر غیر مقلدین حضرات اس پر بڑا زور دیتے رہتے ہیں اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز ہی نہیں ہوتی اور اُردو میں بھی ایسے رسالے لکھ کر عوام میں اس مسئلہ کو پھیلاتے رہتے ہیں اسی سلسلہ میں ایک صاحب نے ایک رسالہ تکمیل البرہان لکھا تھا اور اس میں

امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ پڑھنے کو فرض ولازم قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا مرحوم نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ اس رسالہ میں مسئلہ مذکورہ پر تحقیقی انداز میں کلام فرماتے ہوئے دُوسری جانب کے دلائل کا جائزہ بھی تفصیل کے ساتھ لیا ہے۔ یہ رسالہ ۷۵ صفحات پر مستقل شائع ہوا ہے۔

مسئلہ آمین بالجہر اور رفع یدین میں بھی مولانا مرحوم نے دو رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ ایک کا نام شق العین عن حق رفع الیدین اور دُوسرے کا نام القول المتین فی الجہر والاخفاء بآمین ہے۔ یہ دونوں رسالے "پیام حق" کراچی میں شائع ہوتے ہیں۔

اصلاحِ خیالات مودودی صاحب

براۃ عثمان رضی اللہ عنہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاص وغیرہ بعض جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے بارے میں ایسا طرزِ تحریر اختیار کیا جس سے صحابہ کرامؓ کی عدالت اور اُن کا مقام مجروح ہو رہا تھا۔ مودودی صاحب کا یہ مضمون ابھی ہفتہ وار اخبار میں ہی شائع ہو رہا تھا اور ابھی کتابی شکل میں شائع نہیں ہوا تھا کہ حضرت مولانا مرحوم نے بر وقت ان کو ان کی جسارت پر مناسب انداز میں تنبیہ فرمائی اور اس مضمون کے جواب میں مفصل مدلل علمی مضمون سپرد قلم فرمایا جو پہلے ہفتہ وار شہاب میں شائع ہوا۔ پھر بعد میں یہی مضمون براۃ عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ مولانا مرحوم کا یہ بہت جامع اور تحقیقی مقالہ ہے اس میں بڑی شائستگی

اور متانت کے ساتھ مودودی صاحب کے علمی اور تاریخی مغالطات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اس رسالے کا نام اگرچہ "براءۃ عثمانؓ" ہے کیونکہ اصل مقصود اس کا حضرت عثمانؓ پر وارد کردہ اعتراضات سے براءۃ کرنا ہے۔ لیکن حقیقت میں حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت امیر معاویہؓ سب ہی صحابہ کرام پر سے نازیبا قسم کے اعتراضات کی مدافعت مولانا مرحوم کے اس رسالہ سے ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس رسالہ میں اصولی طور پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے متعلق یہ بتلایا گیا ہے کہ غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کرنے کا حق نہیں ہے۔

کف اللسان عن معاویہ ابن ابی سفیان	یہ رسالہ حضرت مولانا مرحوم نے بزمانہ قیام ڈھاکہ لکھا تھا مگر

طبع نہیں ہو سکا۔ مولانا مرحوم نے براءۃ عثمانؓ کے شروع میں اپنے اس رسالہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس کے طبع نہ ہو سکنے بلکہ صاف کرنے کے لیے جس دوست کو یہ رسالہ دیا تھا اس کے پاس بارش میں بھیگ کر پڑھنے کے قابل نہ رہنے پر افسوس کا اظہار فرمایا ہے۔

دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں وراثت اور مناکحت کے تعلقات

مودودی صاحب نے اپنے رسالہ الجہاد فی الاسلام میں آیت:۔

"والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیٔ"

کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت میں مالکم من ولایتھم من شیٔ سے بتلایا گیا ہے "جو مسلمان دار الکفر میں رہنا قبول کریں یا رہنے پر مجبور ہوں

ان سے دار الاسلام کے مسلمانوں کے تمدنی تعلقات نہیں رہ سکتے اور نہ وہ باہم رشتہ قائم کر سکتے ہیں اور نہ انہیں ایک دوسرے کا ورثہ و ترکہ مل سکتا ہے۔" ہندوستان اور پاکستان کی صورت میں دو ملکوں کے وجود میں آنے پر جب بعض ایسے مسلمان بھی ہجرت کر کے پاکستان چلے آئے جن کے والدین ہندوستان ہی رہ گئے تو مودودی صاحب سے یہ سوال کیا گیا کہ:

"ایسی حالت میں اولاد والدین یا کسی اور رشتہ دار کے ورثاء ورثہ و ترکہ سے محروم رہے گی؟ موجودہ حالات کے پیش نظر کوئی پاکستانی (مہاجر یا اصلی باشندہ) ہندوستانی مسلمان لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں"۔

اس کے جواب میں مودودی صاحب نے لکھا کہ:

"جہاں تک مجھے علم ہے قرآن کا منشا یہی ہے کہ دار الاسلام اور دار الکفر کے مسلمانوں میں وراثت اور شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہوں۔ رہا مہاجرین کا معاملہ جن کے ایسے رشتہ دار دار الکفر میں رہ گئے ہیں جن کے وہ وارث ہو سکتے ہیں تو اُن کے بارے میں بھی میرا خیال یہی ہے کہ نہ وہ ہندوستان میں اپنی میراث پا سکتے ہیں اور نہ ان کے ہندوستانی رشتہ دار پاکستان میں ان سے میراث پانے کا حق رکھتے ہیں۔ نکاح کے بارے میں میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہجرت سے نکاح اپنے آپ ہی تو نہیں ٹوٹ سکتا لیکن اگر زوجین میں سے ایک دار الاسلام میں ہجرت کر آیا ہے اور دوسرا ہجرت پر تیار نہ ہو تو عدالت میں اس بنیاد پر درخواست دی جا سکتی ہے اور ایسے زوجین کا نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے۔ آئندہ شادی بیاہ کا تعلق

پاکستانی اور ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان نہ ہونا چاہیئے۔"

(رسائل و مسائل ص ۱۵۳ ج ۲)

حضرت مولانا مرحوم نے اپنے مراسلہ میں مودودی صاحب کے اس نظریہ کے بارے میں جہاں اُن کی استدلالی خامیوں اور کمزوریوں کی تفصیلی طور پر نشاندہی فرمائی وہاں ہی اُن کی اور اُن کی جماعت کے بعض افراد کی اس اصولی غلطی اور عام آزادانہ روش پر بھی تنبیہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ :-

"آپ اور آپ کی جماعت کے بعض افراد قرآن اور حدیث سے استنباط کرنا چاہتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ استنباط فقہاء امت کے موافق ہے یا خلاف"۔

اس کے بعد مولانا مرحوم نے مودودی صاحب کے ایسے استنباط کی مثال میں مودودی صاحب کا مذکورہ بالا فتوےٰ پیش فرماکر صاف طور پر تحریر فرمادیا کہ :-

"آپ کا یہ فتوےٰ مذہب حنفی اور جملہ مذاہب اربعہ کے خلاف ہے۔ اور جس آیت سے آپ نے استنباط کیا ہے (والذین آمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیء حتی یھاجروا) اس میں اگر ولایت کو بمعنی وراثت تسلیم کرلیا جائے موالاۃ کے معنی میں نہ لیا جائے تو یہ حکم اس وقت کا ہے جبکہ ابتدائے قدوم مدینہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخاۃ قائم کردی تھی۔ جس کی بناء پر مہاجرین انصار کے، انصار مہاجرین کے وارث ہوتے تھے جن کی دلیل اسی آیت کا یہ ٹکڑا ہے کہ: ان الذین آمنوا وھاجروا و

جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئك بعضھم اولیاء بعض۔ پھر جب مہاجرین وانصار کا باہم توارث سورۃ الاحزاب کی آیت النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمھاجرین الا ان تفعلوا الی اولیاءکم معروفا کان ذلك فی الکتاب مسطورا۔ سے منسوخ ہوگیا تو اب یہ حکم باقی نہ رہا کہ مسلم مہاجر مسلم غیر مہاجر کا وارث نہ ہو یا برعکس بلکہ آیت المواریث کے موافق توارث ہونے لگا۔

پھر آپ نے اس پر غور نہ کیا کہ سورۃ الممتحنہ کی آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر واسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا کے نزول سے پہلے تک غیر مسلم عورتیں صحابہ مہاجرین کے نکاح میں بدستور مکہ میں تھیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی کافر عورتوں کو طلاق دے دی تو ان کا نکاح مکہ کے کافروں سے ہوا۔ حالانکہ مکہ اس وقت صرف دار الکفر ہی نہ تھا بلکہ وہاں کے باشندے محارب بھی تھے جن سے غزوہ حدیبیہ ۶ھ میں چند سال کے لیے صلح کی گئی تھی۔ تو جس دار الکفر کے باشندے برسر جنگ نہ ہوں وہاں کی مسلمان عورتوں سے شادی بیاہ کو اور وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ توارث کو آپ کس دلیل سے منع کر سکتے ہیں؟ اور اگر آیت انفال سے مراد ولایت بمعنی وراثت نہیں بلکہ بمعنی موالات ہے تو اس کا میراث و نکاح سے کوئی علاقہ نہ ہوگا بلکہ موالات و ترک موالات کا اس میں بیان ہوگا جس میں محاربین اور غیر محاربین کا فرق بھی ہوگا اور مستامن و غیر مستامن کا بھی"۔

(مسائل و رسائل مذکور)

نسبت صوفیہ کی طرف متوجہ فرمانا

مولانا مرحوم نے اپنے اس مراسلہ میں مودودی صاحب کو خیرخواہانہ انداز میں نسبت صوفیہ کے حاصل کرنے کی طرف بھی متوجہ فرمایا تھا اور اس نسبت کے حاصل کرنے کے لیے اہل نسبت کی صحبت کو ازبس ضروری قرار دیا تھا۔ مگر مودودی صاحب نے اپنے مخصوص ناقدانہ انداز کو سپر بناتے ہوئے لکھا کہ:
"لیکن میں اس کو کیا کہوں کہ بہت سے لوگ جنہیں صاحب کمال کہا جاتا ہے میں نے اپنے تجربے میں ان کو ناقص پایا ہے"۔ اس پر حضرت مولانا مرحوم نے ناصحانہ انداز میں اس طرح فہمائش فرمائی:
"جب تک قرآن وحدیث دُنیا میں موجود ہے دُنیا محسنین سے خالی نہیں ہو سکتی ان کی تلاش ضروری ہے۔ نہ معلوم آپ کے نزدیک معیار کمال کیا ہے۔ صوفیہ کا اصل کمال یہی نسبت احسان ہے۔ مگر ان کے پاس خالی الذہن ہو کر جانا چاہیئے ناقد بن کر نہ جانا چاہیئے۔ ناقدانہ نظر سے تو رسول کے کمالات بھی مخفی ہو جاتے ہیں ولی کس شمار میں ہے"۔ (رسائل و مسائل)

افسوس کہ مودودی صاحب کی یہی وہ ناقدانہ ذہنیت ہے جس نے ترقی کر کے انہیں محسنین سے لیکر صحابہ کرام بلکہ انبیاء علیہم السلام تک سب کا ہی ناقد بنا دیا۔ اس لیے انہوں نے اپنی تحریرات میں سب پر تنقید کر ڈالی۔

فضائل

فضائل قرآن

قرآن کریم کی فضیلت پر قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ ص۴۳۵ پر بنام اشرف البیان فی معجزات القرآن کے نام سے بھی مولانا کا ایک

مضمون شائع ہوا ہے۔

فضائل جہاد

جب رن کچھ کے علاقہ میں ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا تھا اس وقت مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو زندہ کرنے کے لیے فضیلت جہاد پر چھیالیس حدیثوں اور ان کا اُردو ترجمہ مولانا مرحوم نے جمع کرایا اور اردو ترجمہ کو مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کرایا۔ اس کو پاکستانی افواج میں بھی تقسیم کیا گیا تھا۔ یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

فضائل سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا مرحوم نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح اور فضیلت میں عربی زبان میں کئی قصیدے تصنیف فرمائے ہیں۔ مولانا نے ان میں سید المرسلین محبوب رب العلمین صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے عشق ومحبت کا بڑے ہی والہانہ اور عاشقانہ انداز میں اظہار فرمادیا ہے۔ آپ کا ایک قصیدہ "نور علی نور" دو بڑے نعتیہ قصیدوں کا مجموعہ ہے اس کا یہ نام حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تجویز فرمایا تھا طبع ہو گیا ہے۔

دُوسرا عربی نعتیہ قصیدہ "وسیلۃ الظفر فی مدح خیر البشر" ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور مدح میں مولانا مرحومؒ کا یہ قصیدہ بڑا ہی عجیب وغریب ہے۔ اس کا یہ نام مولانا سیّد سلیمان ندوی صاحب مرحوم علیہ الرحمہ نے تجویز کیا تھا اور یہ طبع ہو گیا ہے۔ فضائل درود شریف پر بھی ایک رسالہ مولانا مرحوم نے مرتب فرمایا تھا مگر طبع نہیں ہوا۔

شفاء المرتاب عن مراء بعض الاحباب

بعض علماء عصر نے علامہ ابن تیمیہؒ کی نصرت وحمایت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر شدِ رحال کر کے جانے اور زیارت قبر انور کے قصد سے سفر کرنے کی ممانعت ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ مولانا مرحومؒ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا ہے اور اس کا حوالہ اعلاء السنن میں دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد علامہ ابن عبدالہادی نے علامہ سبکی کی کتاب شفاء الاسلام کا اس مسئلہ میں رد لکھا تھا مولانا مرحومؒ چونکہ تمام اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کے موافق روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے شدِ رحال کر کے حاضر ہونے کو نہ صرف جائز بلکہ افضل المستحبات فرماتے ہیں۔ اس لیے کتاب الشفاء کی تائید اور الصارم کی تردید حسب ذیل سخت الفاظ سے فرماتے ہیں:۔

قلت واین الصارم من الشفاء فنسبة ما بینهما کما بین الداء والدواء والارض والسماء ولقد صدق القائل ان اسم الکتاب عنوان علی ما فی رخف مؤلفه فافهم والعفف (اعلاء السنن ص ۳۳۱ ج ۱۰)

مولانا مرحوم کے الفاظ مذکورہ بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی عشقی کیفیت اور قلبی محبت کے اظہار کی تعبیر اور عنوان ہے۔

ایک عاشقانہ واقعہ

اعلاء السنن کا باب زیارت مدینہ منورہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیت مولانا مرحوم نے اس عظمت و ادب کے ساتھ لکھنا شروع کیا تھا کہ مولانا مواجہ شریف میں جالی مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر لکھا کرتے تھے اور آپ کے دوست مولانا محمد موسیٰ صاحب مدنی

مرحوم دوات لیے کھڑے رہتے تھے۔ سبحان اللہ! کیسے متبرک مقام میں اور کس محبت وعظمت اور ادب واحترام کے ساتھ اس باب کے لکھنے کا شرف مولانا مرحوم کے حصہ میں آیا۔ ظاہر ہے کہ جذبۂ عشق ومحبت کے ساتھ آداب عظمت واحترام کے ملحوظ رکھنے کی سعادت ہر ایک کو میسر نہیں آسکتی ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

سیرت وتاریخ

ولادت محمدیہ کا راز

تاریخ اسلام پر یہ بہت تفصیلی مضمون حضرت مولانا مرحوم کا ارقام فرمودہ ہے۔ اس کا حصہ اول "الرشاد" سہارنپور میں شائع ہوا تھا اور حصہ دوم النور بابت ماہ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ سے لے کر ذوالقعدہ ۱۳۵۲ھ تک ۱۱۴ صفحات پر شائع ہوا ہے ان صفحات سے اس کی ضخامت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حوائج بشریہ اور تعلیم نبوت

مولانا کا ارقام فرمودہ یہ تیس صفحات کا مضمون ہے اور ۴۱-۱۳۴۰ھ میں النور کے تین شماروں میں شائع ہوا ہے۔ اس میں مولانا نے یہ دکھلایا ہے کہ سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ضروریاتِ زندگی کے پورا کرنے میں جس طرزِ عمل کو اختیار فرمایا اور جس طریقہ کو اپنی امت کے لیے سنت قرار دیا ہے وہ کس درجہ کامل اور مکمل ہے۔ ہر کام میں افراط وتفریط کے مضر پہلوؤں سے بچا کر ایسا معتدل طریقۂ عمل آپ نے اختیار فرمایا ہے جس پر نظر کرتے ہوئے ہر منصف مزاج شخص کو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ درحقیقت رسول اللہ صلعم

انسان کامل اور سید البشر ہونے کے ساتھ تمام عالم سے عقل و حکمت میں بھی ممتاز ہیں یہ بڑا ہی عجیب و غریب مضمون ہے۔

غیر مسلموں کے سامنے اسلامی تعلیمات کی خوبیوں اور عقلی حکمتوں کے بیان اور اسلامی احکامات کے اسرار پر کام کرنے والوں کے لیے بہت ہی مفید اور کارآمد مضمون ہے۔

انجاء الوطن اس کا ذکر پہلے آچکا ہے یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حالات میں مولانا کا عربی زبان میں مضمون ہے۔ اعلاء السنن کے مقدمہ حصہ دوم کے طور پر آپ نے ارقام فرمایا ہے۔ اسمیں حضرت امام اعظمؒ کے فقیہہ اعظم ہونے کے ساتھ محدث اعظم ہونا بھی تاریخی طور پر ثابت فرمایا ہے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

سفرنامہ حجاز اس میں مولانا نے اپنے سفرنامہ حج کے حالات و واقعات کو جمع فرمادیا ہے اس کا حصہ اول کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے اور محرم ۱۳۵۲ھ سے جمادی الاول ۱۳۵۴ھ تک تک "اشرف العلوم" سہارنپور کے پرچوں میں بھی شائع ہوا ہے۔ حصہ دوم ماہنامہ ندائے حرم کراچی میں شائع ہوا ہے حصہ سوم زیر تالیف تھا۔

علمائے ہند کی خدمت حدیث مولانا کا یہ اہم مقالہ رسالہ معارف اعظم گڑھ کی چند قسطوں میں شائع ہوا تھا یہ مضمون بہت محققانہ اور پر معلومات ہے۔ اس میں مجدد الف ثانی سے لیکر اپنے دور تک کے علمائے کرام کی خدمت حدیث کا ذکر بڑی تفصیل سے آگیا ہے۔ یہ مضمون مولانا مرحوم نے اور نٹیل کانفرنس بنارس کے شعبہ اسلامیات میں پڑھکر

سُنایا تھا اور اُس کو بہت پسند کیا گیا تھا۔

حیات اشرف رحمۃ القدوس میں مولانا مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات کے بعد مفصل حالات و واقعات کے لیے ایک رسالہ حیات اشرف کے نام سے لکھا ہے۔

انوار النظر فی آثار الظفر (دو حصے) یہ اس رسالہ کا نام ہے جس کو حضرت مولانا مرحوم نے جناب محمد حسام اللہ شریفی صاحب شعبہ تاریخ ادبیات پنجاب یونیورسٹی لاہور کے استفسارات کے جواب میں تحریر فرمایا ہے اور اپنے سوانح و حالات کو مختصر طریقہ سے اسمیں قلمبند فرمایا ہے اس کے پہلے حصہ میں مولانا نے اپنے خانگی حالات اور علمی خدمات اور پاکستان کے لیے سیاسی جدوجہد اور علمی کوشش کا تذکرہ فرمایا ہے اور دوسرے حصہ میں زیادہ تر اپنی تربیت باطنی اور سلوک کا ذکر کیا ہے اور اپنی اس مکاتبت کو بھی اس میں تربیت السالک سے نقل فرمایا ہے جو تربیت باطنی سے متعلق حضرت مولانا مرحوم کی اپنے شیخ طریقت حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے ہوئی تھی۔

دراصل یہ نام "انوار النظر فی آثار الظفر" حضرت تھانویؒ نے اسی خط و کتابت متعلقہ سلوک کے لیے تجویز فرمایا تھا اور اسی نام سے اس کو تربیت السالک میں شائع کرایا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنے خود نوشت سوانح حیات کا بھی یہی نام رکھ دیا۔

متفرق مضامین و مقالات حضرت مولانا مرحوم کی مذکورہ بالا تالیفات کے علاوہ بے شمار مقالات و مضامین ایسے

ہیں جو مختلف ماہناموں اور ہفتہ وار رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں اور ان میں بعض مضامین اپنی ضخامت و اہمیت کے اعتبار سے مستقل کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مضامین زیادہ تر اعظم گڑھ کے "معارف" میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں ایک اہم مضمون "اسلام میں جاگیرداری اور زمینداری نظام" کے عنوان سے شمارہ اپریل ۱۹۵۳ء ص ۲۴۵ تا ص ۲۸۶ اور شمارہ جولائی ۱۹۵۳ء ص ۵ تا ص ۱۹ اور شمارہ جون ۱۹۵۳ء ص ۴۱۵ تا ص ۴۲۰ اور مئی ۱۹۵۳ء ص ۳۲۵ تا ص ۳۴۰ بڑا تفصیلی مضمون ہے جو چار شماروں میں شائع ہوا ہے۔

ماہنامہ فاران کراچی میں بھی ایک مفصل مضمون "اسلام میں عورت کا عائلی مقام" کے عنوان سے شائع ہوا ہے جو رسالہ مذکورہ کی پوری ضخامت پر پھیلا ہوا ہے۔ لاہور کے ہفت روزہ "شہاب" میں بھی مقالات عثمانی کے نام سے حضرت مولانا کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کی فہرست حسب ذیل ہے:-

"عیسائی مشنری" ۲ر اپریل ۱۹۶۱ء، "موسیقی اور اسلام" ۱۸ر جون ۱۹۶۱ء اور ۲۵ر جولائی ۱۹۶۱ء در اقساط "علمائے شام سے انٹرویو"۔ ۲۳ر جولائی ۱۹۶۱ء "حضرت علی اور ابوجہل کی بیٹی کا نکاح" ۱۴ر اگست ۱۹۶۱ء علماء مدینہ سے انٹرویو" ۴ر ستمبر ۱۹۶۱ء "عیسائیوں سے سوالات" ۱۴ر فروری ۱۹۶۲ء "میدان عرفات میں" ۲۳ر مئی ۱۹۶۲ء کو۔

اسی طرح "المنبر" لائل پور میں بھی آپ کے بعض مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ذیل میں بعض ایسے مضامین کی فہرست درج کی جاتی ہے جو ماہنامہ "البلاغ" کراچی میں شائع ہوئے ہیں۔

(۱) "عصرِ حاضر میں مسافت قصر کی تحقیق"

احکام سفر کے بارے میں دو عربی رسائل علماء ترکی سے مولانا کی نظر سے گزرے جو ترکی سفارت خانہ کے توسط سے پہنچے تھے ان کا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ سفر کی مدت میں تین دن اور تین رات ہی کا اعتبار ہے میلوں کی مسافت کا اعتبار نہیں ہے۔ سفر میں رخصت کا مدار مشقت پر ہے اور مشقت نہ ہونے کی صورت میں رخصت بھی نہ ہوگی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کا جواب عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا اس کا اردو ترجمہ مولانا عزیز الرحمٰن سواتی کے قلم سے "البلاغ" کراچی ۸ر ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ میں شائع ہوا۔

(۲) "ذلت یہود اور عربوں کی حالیہ شکست"

حکومت اسرائیل کے قیام کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ قرآن مجید میں تو اس قوم کی ذلت و مسکنت کو لازم کیا گیا ہے پھر ان کو حکومت و سلطنت کیسے مل گئی؟ جب یہ سوال "صدق" لکھنؤ ۵ر ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوا تو مولانا مرحوم نے مذکورہ عنوان سے اسکا جواب لکھا جو "البلاغ" ماہ جمادی الاول ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوا ہے۔

(۳) ۲۲ اشعار کا ایک عربی قصیدہ جہاد فلسطین پر اسرائیل سے عربوں کی پہلی جنگ کے موقع پر لکھا تھا جو حفلۃ العلماء منعقدہ مئی ۱۹۴۸ء کے "یوم فلسطین" میں پڑھا گیا تھا۔

(۴) "مسلمانوں کے زوال کے اسباب"

یہ وہ مقالہ ہے جو مولانا نے راولپنڈی کی بین الاقوامی مذاکرہ منعقدہ فروری ۱۹۶۸ء کے لیے تحریر فرمایا تھا مگر بوجہ علالت خود تشریف نہ لے جا سکے

البتہ مقالہ بھیج دیا تھا جو "البلاغ" صفر ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا۔

(۵) "سوالنامہ کا جواب"

"البلاغ" جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا۔

(۶) "محبوب بنی شبیر علی"

"البلاغ" شوال ۱۳۸۸ھ میں مولانا شبیر علی برادر زادہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مولانا مرحوم علیہ الرحمہ نے یہ مضمون ارقام فرمایا تھا اور اس کے آخر میں ۲۱ اشعار کا ایک عربی مرثیہ بھی اسی مضمون میں شامل ہے۔

(۷) "دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب"

مولانا کا یہ مضمون شوال ۱۳۹۱ھ کے "البلاغ" میں شائع ہوا ہے۔

(۸) حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا ۳۶ اشعار کا مرثیہ جو پہلے "معارف" اعظم گڑھ میں شائع ہوا۔ پھر بعض اصلاحات و ترمیمات کے بعد "البلاغ" جمادی الاوّل ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوا۔

(۹) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی کے والد ماجد کی وفات پر گیارہ اشعار کا ایک مرثیہ جس کے دس اشعار مولانا کو خواب میں الہام کئے گئے اور بیدار ہونے کے بعد محفوظ رہے اور آپ نے ان کو قلمبند فرمایا یہ مرثیہ حضرت مولانا مفتی صاحب مدظلہ کے نفحات میں شامل ہے۔ اس کے دو شعر یہ ہیں :-

فہنیالمن قد کان مثلک ابنہ — فیاخیر مولود و یاخیر والد

دعامات من کان خلف مثلکم — نجوم الہدی من سائق الخیر قائد

(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوئی کی وفات پر دس اشعار کا عربی مرثیہ جو ماہنامہ "بیّنات" کراچی کے شمارہ شعبان ۱۳۹۴ھ میں شائع ہوا۔ اس کے چند اشعار درج ذیل ہیں :-

ع قد کنت ارجو ان تکون خلیفة

لدراسة الاثار والقرآن

لکن رحلت الی الجنان بسرعة

وترکت اہلک فی البکا لزمان

قد کنت بحرا فی العلوم باسرہا

ولانت حقا عالم ربانی !

(۱۱) "اسلامی نظام کے بنیادی اصول"

یہ مضمون ہفت روزہ "صوت الاسلام" لاہور شمارہ ۱۲ر جون ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا ہے۔

(۱۲) حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قطعہ اراضی خرید کر اپنے خاندان اور اہل خانقاہ کے لیے بطور قبرستان وقف فرمایا تھا اور اس کے متعدد تاریخی مادے مولانا مرحوم نے نکالے جن میں سے ایک مادہ "قبرستان عشق بازاں" ہے اور ایک نظم دس اشعار کی عربی میں ارقام فرمائی جس کا ایک شعر یہ ہے :-

ع ان یسئلوک این ریاحین طیبة — قل اشرف المقابر نجم منور

یہ نظم اور تمام تاریخی مادے "النور" ماہ شوال المکرم ۱۳۳۴ھ میں شائع ہوئے ہیں

حضرت مولانا مرحوم کی علمی دلچسپی کا خاص مرکز

حضرت مولانا مرحوم کی تصنیفات و تالیفات کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ حضرت موصوف نے علم تفسیر و حدیث اور فقہ و تصوف غرضیکہ جملہ علوم دینیہ اور فنون اسلامیہ کی خدمت انجام دی ہے اور درس و تدریس کے علاوہ تالیف و تصنیف کے ذریعہ بھی دین کے ہر شعبہ کو فیضیاب و سیراب کیا ہے اور علوم دینیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جو اس دریائے علم اور منبع فیض کی فیض رسانی سے محروم رہا ہو لیکن علم و فن کے جس شعبہ کے ساتھ آپ کو خصوصی تعلق رہا ہے اور جو شعبہ تمام عمر آپ کی دل چسپی کا مرکز بنا رہا ہے وہ اوّل درجہ پر علم حدیث ہے اور اس کے بعد دوسرے درجہ پر علم عربی ادب کا شعبہ ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مرحوم نے خود بھی اس سوال کے جواب میں کہ علم و فن کی کونسی شاخ آپ کی خصوصی دل چسپی کا مرکز ہے ؟ ارقام فرمایا ہے کہ :-

"مجھے حدیث سے زیادہ دل چسپی ہے اس کے بعد عربی ادب ہے"

حضرت مولانا کی تالیفات و تصنیفات اور آپ کا عمر کے آخری ایام تک اشتغال بالحدیث آپ کے اس قول پر شاہد عدل ہے۔ بالخصوص آپ کی تصنیف اعلاء السنن علم حدیث میں آپ کا ایسا شاہکار ہے جس سے آپ کی علم حدیث سے خصوصی دلچسپی اور کمال مناسبت واضح ہے۔ علم حدیث کی یہ بے نظیر اور ضخیم کتاب حضرت مولانا مرحوم کے علم حدیث کے ساتھ شغف اور آپ کی دل چسپی اور مہارت فن نیز وسعت نظر کے ساتھ دقت نظری کا بھی مرقع ہے۔

عربی ادب میں قابلیت اور مہارت کا اندازہ لگانے کے لیے حضرت مولانا مرحوم کے عربی زبان میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بہت سے مدحیہ قصیدے اور بعض دوسرے بزرگوں کے مرثیے بھی بنا شدہ موجود ہیں جن کے اشعار کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے ایسے قصائد کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔ مولانا مرحوم کے بعض عربی قصیدوں کے ملاحظہ کرنے کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی ان کی فصاحت و بلاغت اور سلاست و انسجام کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ اس طرح حضرت مولانا مرحوم کے عربی رسالہ کشف الدجیٰ کے مطالعہ کے بعد سید صاحب مرحوم نے اس کی طرز عبارت اور انشاء کی سلاست اور جاذبیت کو نور علی نور قرار دیا تھا۔ غرضیکہ عربی نثر ہو یا نظم دونوں پر حضرت مولانا مرحوم کو پوری طرح قدرت حاصل تھی اور آپ عربی زبان کے بڑے فاضل اور بے تکلف ماہر ادیب بھی تھے۔

شروع زمانہ طالب علمی ہی سے مولانا مرحوم کو فن ادب عربی کے ساتھ خاص مناسبت حاصل رہی ہے اور اوائل عمر سے ہی یہ فن آپکی علمی دلچپی کا مرکز بنا رہا ہے۔ چنانچہ زمانہ طالب علمی ۱۳۲۶ھ میں جب مولانا مرحوم کے والد صاحب کے انتقال کی خبر آئی تو مولانا مرحوم نے اسوقت ہی عربی کے یہ دو شعر لکھ کر استاذ صاحب سے رُخصت طلب کی تھی۔

ع الی این ابکی واحدا بعد واحد فلیس امرء ومنالک بخالد

واول من قد ذاب قلبی لفقدہ وطار لی موتہ موت والدی

حضرت استاذ نے ان شعروں کی بہت تعریف کی اور بلا کر مولانا کو تسلی دی۔

حضرت مولانا مرحوم کے بعض افادات خاصہ

نوٹ کی شرعی حیثیت

"نوٹ کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے مولانا مرحوم کا ایک مضمون "بیّنات" کراچی ماہ ذی القعدہ ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا ہے۔ بعض علماء نے نوٹ کو سکہ بنانے کی کوشش کی اور نوٹ کے ذریعہ زکوٰۃ کے ادا ہو جانے پر زور دیا تو اُس کے جواب میں مولانا مرحوم نے یہ مضمون ارقام فرمایا۔ اس میں مولانا مرحوم فرماتے ہیں :-

" میرا خیال یہ ہے کہ ایک روپیہ کا نوٹ تو واقعی سکہ ہے اس سے زکوٰۃ ادا کرنا درست ہے اور اس پر فقیر کا قبضہ ہوتے ہی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ باقی پانچ، دس، پچاس، سو اور پانچ سو روپے کے جتنے نوٹ ہیں وہ سکہ نہیں ہے بلکہ رسید کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ فقیر اُن سے کوئی عین خریدے جیسے کپڑا غلّہ وغیرہ۔ یا سکے سے بدل لے خواہ مسکوک روپیہ سے یا ایک روپیہ کے نوٹ سے۔ کیونکہ ان نوٹوں پر جو عبارت چھپی ہوئی ہے وہ صراحتہ اس کے رسید ہونے پر دال ہے۔ سکہ ہونے پر دال نہیں۔ ایک روپیہ کے نوٹ پر ایسی کوئی عبارت نہیں ہوتی۔ اس لیے سکہ کہا جا سکتا ہے۔ رہا تعامل سو اوّل تو ہر زمانہ کا تعامل شرعاً ہی معتبر نہیں قرون ثلاثہ کا تعامل ہی معتبر ہے کہ وہ قرون خیر تھے۔ پھر یہ بھی دعوےٰ مشکل ہے کہ لوگ ان نوٹوں کو رسید نہیں سمجھتے۔ بہر حال جن نوٹوں پر اس قسم کی عبارت چھپی ہوئی ہے کہ " بینک دولت پاکستان حامل ہذا کو عند المطالبہ.... روپے ادا کریگا" وہ سکہ نہیں بلکہ رسید ہے اور آسان صورت

یہ ہے کہ اس مسئلہ کو حکومت ہی سے طے کر لیا جائے کہ وہ ان نوٹوں کو سکہ قرار دیتی ہے یا رسید؟ اگر سکہ قرار دیتی ہے تو اس قسم کی عبارتیں نوٹ پر لکھنا بند کر دے صرف رقم لکھ دیا کرے اور پاکستان کا نام "

قسطوں پر خریدی ہوئی مشینوں کی قیمت قرض ہے

اسی مذکورہ مضمون میں مولانا مرحوم نے اس سے بھی اختلاف فرمایا ہے جو بعض علماء نے ہدایہ کی ایک عبارت سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ قسطوں پر خریدی ہوئی مشینری کی قیمت کو اپنے ذمہ قرض نہ سمجھنا چاہیے اور جس قدر مالیت سال پر ان کے پاس ہو سب کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے مشینری کی قیمت کو جو ان کے ذمہ واجب الادا ہے اس میں سے منہا نہ کرنا چاہیے۔ مولانا ارقام فرماتے ہیں :-

" صاحب ہدایہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ جب ایجاب و قبول میں مدت ادائیگی اور قسطوں کا ذکر نہ ہو تو خریدار دوسروں کے ہاتھ وہ مال یہ کہہ کر بیچ سکتا ہے کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے۔ قسطوں کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ قسطوں کا ذکر نہ ہونے سے وہ مال دین اور قرض بھی نہیں ہے۔ جب اس کے ذمے قسطوں کا ادا کرنا شرعاً واجب اور عرفاً بھی لازم ہے تو اس کے مدیون و مقروض ہونے میں کیا شبہ ہے؟ البتہ یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ ہر سال جتنی بھی قسط ادا کرنا واجب ہے اُس کو دین سمجھ کر منہا کر سکتا ہے۔ ساری قسطوں کو منہا نہیں کرنا چاہیے "

آلہ بکبر الصوت

علامہ سلیمان ندویؒ کے استفتاء کے جواب میں مولانا مرحوم آلہ بکبر الصوت کے نماز میں استعمال کے جواز کا فتوٰے اُسکے فقہی دلائل کے ساتھ پہلے ہی تحریر فرما چکے تھے پھر اس کے بعد جب حضرت مولانا مُفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے اپنے رسالہ آلہ بکبر الصوت کے شرعی احکام کو دوبارہ نظر ثانی فرما کر مرتب فرمایا تو اس کی موافقت میں حضرت مولانا مرحوم نے اپنی رائے کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا " مگر نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال دو شرطوں سے جائز ہے ایک یہ کہ لاؤڈ سپیکر اعلےٰ قسم کا ہو کہ امام کو اس کی طرف مُنہ کرنے کی ضرورت نہ ہو کہ توجہ الی غیر اللہ مقصد صلوٰۃ کے منافی ہے ۔ دُوسرے مکبرین کا انتظام مکمل ہوتا کہ مائیکروفون فیل ہو جائے تو نماز میں گڑبڑ نہ ہو "

ایک دفعہ احقر نے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوئیؒ سے زبانی دریافت کیا کہ آلہ بکبر الصوت کے بارے میں علمار کا اختلاف ہو رہا ہے کہ اس پر نماز میں اقتداء جائز ہے یا نہیں ؟ آپ کی کیا رائے ہے تو فرمایا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کی کیا رائے ہے ؟ میں نے عرض کیا کہ وہ تو جائز فرماتے ہیں ۔ پھر کیا شک ہے ، والانے فرمایا ۔ وہ تو مولانا اشرف علی صاحب کی زبان ہیں "۔

حکومت مسلمہ کے ریڈیو پر اعلان ہلال کا حکم

احقر کے اس سوال کے جواب میں کہ " ایک شہر سے دوسرے شہر میں ثبوتِ ہلال کے لیے فقہاء نے جو طریقے لکھے ہیں ریڈیو کے ذریعے حاصل شدہ خبر ان طریقوں میں سے کس طریقہ میں داخل ہے اور ہلال صوم عید کے بارہ میں اس خبر کی کیا حیثیت ہے " ؟ حضرت مولانا مرحوم نے فرمایا کہ :-
" فقہاء نے اطلاق ومدافع اور ایقاد نیران کو بھی جو کہ شہروں میں حکومت

کے انتظام سے ہوتا تھا اہل قری کے لیے حجت قرار دیا ہے ۔ حکومت کا ریڈیو توپ اور چراغاں سے کم نہیں وہ اعلان صامت تھا یہ اعلان ناطق ہے "۔

حضرت مولانا مرحوم نے اس اعلان کی حدود کو متعین فرما کر اس وسوسہ اور خلجان کو بھی دور فرما دیا ۔ جو دُوسرے ممالک اسلامیہ کے ریڈیو کے ذریعے اعلان رویت ہلال کی وجہ سے اکثر لوگوں کو پیش آیا کرتا ہے کہ جب ایک اسلامی ملک میں رویت کا ثبوت ہو کر اعلان کر دیا گیا تو اس پر سب ممالک میں عملدرآمد ہونا چاہیئے ۔ حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں ۔

" (تنبیہ) جس حکومت مسلمہ کے ریڈیو پر ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا اعلان ہو وہ اعلان اسی حکومت کی حدود میں حجت ہو گا باہر حجت نہ ہو گا ۔ کیونکہ کتاب القاضی الی القاضی بھی اسی مملکت کے حدود میں حجت ہے باہر نہیں " ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

حضرت مولانا مرحوم کی تنبیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے خلجان مذکور کے رفع کرنے کے لیے بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع کے اعتبار و لحاظ کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور ظاہر حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہی کہ اختلاف مطالع مطلقاً غیر معتبر ہے یہ خلجان رفع ہو جاتا ہے ۔

فوٹو کا شرعی حکم

احقر نے پاسپورٹ بنوانے کی وجہ سے ہندوستان کا اپنا سفر اس لیے ملتوی کر دیا تھا کہ اس کے لیے فوٹو کھنچوانا لازمی تھا ۔ اس کا تذکرہ حضرت مولانا مرحوم سے کیا تو حضرت مولانا نے تحریر فرمایا :-

" عزیزم من سلمہٗ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ ! میں نے تو انٹرنیشنل پاسپورٹ

بنوالیا تھا جس میں مکہ مدینہ، مصر، عراق، شام، ایران اور جملہ ممالک اسلامیہ کے ساتھ لندن، پیرس، امریکہ، برطانیہ، برما اور ہندوستان کو بھی شامل کر لیا۔ اصل نیت حرمین شریفین کی تھی۔ یہ سب تبعاً تھا اور فوٹو دے دیا تھا۔ آپ بھی ایسا ہی کر لیجئے اور مسلمان کو مکہ مدینہ کے لیے تو پاسپورٹ لینا شرعی ضرورت ہے"۔

شرعی ضرورت کے لیے مولانا مرحوم نے فوٹو کی اجازت دی ہے مگر ایسا قانون بنانا جائز نہیں ہے جس میں فوٹو لازمی کر دیا گیا ہو۔ چنانچہ جب شناختی کارڈ کی تجویز کا ذکر مولانا مرحوم کے سامنے آیا تو جس میں فوٹو کو لازم قرار دیا جا رہا تھا تو اس کی مخالفت کا سختی کے ساتھ اظہار فرمایا اور لکھا کہ:۔

"ابھی طے نہیں ہوا اگر طے ہوا تو ہم مخالفت کریں گے"۔

فوٹو کے بارے میں حضرت مولانا مرحوم کا نقطۂ نگاہ اس سے واضح ہے کہ وہ ایسا قانون بنانے کو درست اور جائز نہیں سمجھتے تھے جس کی رُو سے فوٹو کھنچوانا پڑے۔ لیکن اگر ایسا قانون بنا دیا جائے اور مخالفت کے باوجود پاس کر دیا جائے تو پھر مجبوری ہے۔ قانون بنانے والوں کو اس کا گناہ ہوگا عوام مجبور و معذور ہوں گے۔

ابلیس کے مغالطہ کا متکلمانہ تحقیقی جواب

مولانا مرحوم نے آداب معبودیت کے ترجمہ اسباب المحمودیہ میں حضرت سہل بن عبداللہ اور ابلیس کے اس مناظرہ کا ذکر کیا ہے کہ ابلیس نے ان کے سامنے وسعت رحمتی کل شئی سے اس طرح استدلال کیا کہ "حق تعالیٰ نے اس حکم کو عام کیا ہے کیونکہ لفظ کل کلام و احاطہ کو چاہتا ہے اور شئی بھی

سب نکرات میں بڑا نکرہ ہے اور میں بھی یقیناً شئی ہوں تو مجھے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل ہے۔ اس کے جواب میں حضرت سہل نے جب یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے پہلی آیت کو ایسی خاص صفات کے ساتھ مقید کیا ہے جو اس کو عموم سے نکال دیتی ہیں چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے:

"فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوٰۃ الی آخر الآیات" (جس سے ثابت ہوا کہ رحمت الٰہی اہل تقویٰ و اہل ایمان کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے) تو اس پر ابلیس ہنسا اور کہنے لگا "اے سہل! میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ تم اس درجہ جاہل ہو اور نہ یہ گمان تھا کہ تم اتنا ہی علم رکھتے ہو۔ اے سہل تم کو معلوم نہیں کہ تقیید تمہاری صفت ہے نہ کہ حق تعالیٰ کی صفت"۔

حضرت سہل فرماتے ہیں کہ "اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا اور شیطان کا منہ بند کرنے کے لیے مجھے کوئی راستہ نہ ملا"۔ ابلیس کے اس مغالطہ کے جواب میں مولانا مرحوم ارقام فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ اس جملہ میں ملعون نے سخت مغالطہ سے کام لیا ہے۔ بات یہ ہے کہ تقیید کے دو معنی ہیں ایک بمعنی احتیاج الی المکان والی الزمان والجہات وغیرہا یہ واقعی ممکنات کی صفت ہے۔ حق تعالیٰ اور ان کی صفات اس سے منزہ ہیں اس تقیید کا مقابل استغنا ہے جو حق تعالیٰ کی اور اُن کی صفات کی صفت ہے۔ دوسرے بمعنی اختصاص باشئی جس کا مقابل عموم ہے۔ تقیید بایں معنی صفات الٰہیہ میں فی نفسہا تو واقع نہیں لیکن باعتبار تعلق بالممکنات کے اس تقیید کا وقوع صفات حق میں ہو سکتا ہے کیونکہ تعلق حادث ہے تو اس درجہ میں صفات الٰہیہ کے اتصاف بالتقیید پر کوئی اشکال نہیں ورنہ عموم

صفات (مثلاً عموم رحمت پر بھی اشکال ہوگا کیونکہ صفات الٰہیہ فی نفسہا تو قائم بذات حق ہیں اس درجہ میں ان میں عموم کہاں بلکہ عموم بھی درجہ تعلق ہی میں ہے۔ پس ابلیس کے اشکال کا جواب ظاہر ہے کہ جس درجہ میں اُس نے رحمت کو عام مانا ہے اس درجہ میں وہ تقیید کے ہی قابل ہے اور جس درجہ میں تقیید رحمت محال ہے اس درجہ میں عموم ہی جائز نہیں اور اگر مان لیا جائے کہ ابلیس بھی وسعت رحمتی کل شئی کے تحت میں داخل ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ وہ آخرت میں بھی مستحق نجات اور موردِ رحمت ہو گا۔ کیونکہ وسعت رحمت کے تحقق کے لیے شیطان کا محل رحمت دنیویہ ہونا کافی ہے اور رحمت دنیویہ ابلیس کو اور تمام کفار کو عام ہے جس کی بدولت ان کو نعمت وجود و حیات و رزق وغیرہ حاصل ہے"۔

اس مسکت تحقیقی اور متکلمانہ انداز جواب سے مولانا مرحوم کی معقول اور علم کلام میں مہارت کا اندازہ بھی ہوتا ہے ماشاء اللہ مولانا مرحوم کو علم منقول کے ساتھ علم معقول اور کلام میں بھی بڑی دستگاہ حاصل تھی اور یہ سب فیض تھا حضرت حکیم الامتؒ وغیرہٗ اکابر کا۔ سبحان اللہ! مولانا مرحوم نے کیسی دقت نظری سے وہی اشکال ابلیس پر وارد کر دیا جو اس نے تقیید صفات الٰہیہ پر مغالطہ دہی کے لیے کیا تھا کہ یہ اشکال تو عموم رحمت پر بھی وارد ہو سکتا ہے جس سے اپنے حق میں ابلیس استدلال کر رہا تھا۔ یہ جواب ان لوگوں کے لیے بڑا ہی قابل قدر ہے جن کو کتب کلامیہ کے ابحاث دقیقہ سے سابقہ پڑتا رہتا ہے۔

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہو سکے تو مولانا ظفر احمد صاحب سے علم معقول میں کوئی رسالہ پڑھ لینا۔ کیونکہ مولانا نے حضرت

مولانا اشرف علی صاحبؒ سے پڑھا ہے اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا معقولی ہونا مسلم ہے۔

اس جواب کے بعد مولانا مرحومؒ نے حضرت سہل بن عبداللہ کے سکوت کرنے اور جواب سے قاصر رہنے کی توجیہہ بھی فرمائی ہے۔ یہ وہی اکابر اور صلحائے اُمت کے ساتھ حُسن ظن اور ادب کا غلبہ ہے جس پر عمل کرنا ہمارے ان حضرات کا خصوصی شعار رہا ہے۔

مولانا مرحوم فرماتے ہیں "اور غالباً حضرت سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پر اس وقت مذاق تنزیہ و توحید کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ درجہ تعلق میں بھی تقیید رحمت کو بعید سمجھتے تھے اس لیے ابلیس کے سامنے خاموش رہے"۔

آپ نے دیکھ لیا کہ حُسن ظن اور ادب مع الاکابر کو مولانا مرحوم نے کس طرح ملحوظ رکھا ورنہ ایسے موقع پر اکثر دعوی کی صورت پیدا ہو کر سوء ظنی اور بے ادبی کا پہلو نمایاں ہونے لگتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

تلبیس ابلیس اور اُس کے مغالطات سے محفوظ رہنا بغیر دستگیری خُدا تعالٰے ممکن نہیں وہ اپنے جال میں بڑے بڑوں کو پھنسا لیتا ہے۔ البتہ اللہ تعالٰے راسخین فی العلم اور کاملین فی التقوی کو شیطان کے تسلط سے محفوظ رکھتے ہیں اور فقیہہ فی الدین اس کے مغالطہ میں نہیں آتا۔ اس لیے مولانا مرحوم نے بزرگوں کی وصیت ارقام فرمائی ہے کہ:- "بزرگوں نے وصیت کی ہے کہ اگر کسی کی ابلیس سے ملاقات ہو جائے تو اس سے گفتگو کبھی نہ کرے کیونکہ علم مغالطہ میں اُس کو بڑی مہارت ہے بڑے سے بڑے عالم کو وہ ایسا مغالطہ دیدیتا ہے جس سے وہ چکر میں پڑ جاتا ہے"۔ (اسباب المحمودیہ)

تمسلیک کا بے شبہ طریقہ زکواۃ وغیرہ واجب التملیک رقوم کا تملیک کا ایک عریضہ کے جواب میں حسب ذیل طریقہ ارقام فرمایا جس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں :

"اس طرح بھی تملیک ہو جائے گی مگر مستحق کو روپیہ دے کہ پھر واپس لینے میں شبہ رہتا ہے اس لیے بہتر ہے کہ مستحق سے کہا جائے کسی سے سو روپے قرض لے کر مدرسہ میں دیدے پھر سو روپیہ زکواۃ میں اس کو دیا جائے کہ اس سے قرض ادا کر دے یفعل بکذا امرۃ بعد مبرۃ اور میرے نزدیک ایک روپیہ کا نوٹ سکہ ہے رسید نہیں ۔ اس سے زکواۃ ادا ہو جاتی ہے ۔"

باب چھارم

تبلیغی جد وجہد دینی مواعظ اور مناظروں کے ذریعہ احقاق حق

حضرت مولانا مرحومؒ نے تصنیف و تالیف کے علاوہ مواعظ حسنہ اور زبانی مناظروں کے ذریعہ تبلیغ اور احقاق حق کی جد وجہد میں بھی بھرپور حصہ لیا ہے اور حضرت ممدوح کی دینی خدمات اس شعبہ میں بھی نمایاں طور پر واضح اور روشن ہیں ۔

حضرت مولانا مرحومؒ فرماتے ہیں کہ میری زبان میں روانگی نہیں تھی طلباء کے سامنے تو تقریر کر لیا کرتا تھا مگر مجھے عوام میں بیان کرنا مشکل تھا ایک دفعہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی کے سالانہ جلسے پر اپنے ہمراہ مولانا کو بھی لے گئے ۔ صوفی محمد علی گلاوٹھی والے اور صوفی محمد حسین سہارنپوری بھی ہمراہ تھے جلسہ صبح آٹھ بجے شروع ہونے والا تھا مگر مولانا کوثر علی صاحب محدث

رامپوری کے آنے میں دیر ہو گئی اس لیے مہتمم مدرسہ نے حضرت سہارنپوریؒ سے عرض کیا کہ حضرت خود وعظ فرمائیں یا اپنے کسی خادم کو حکم فرمائیں ۔ حضرت سہارنپوریؒ نے مولانا مرحوم کو فرمایا "مولوی ظفر جاؤ بیان کرو" یہ مولانا مرحوم کا پہلا وعظ مجمع عام میں تھا ۔ اب اس کو اس کے سوا کیا کہا جائے کہ یہ حضرت سہارنپوریؒ کی کرامت یا تصرف باطنی کا اثر تھا کہ اعجاز القرآن کے خالص علمی موضوع پر مولانا مرحوم نے ایک گھنٹہ مسلسل بیان فرمایا اور درمیان میں ذرا بھی رکاوٹ نہ ہوئی ۔ صوفی محمد علی صاحب پر اس وعظ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے روتے بے تاب ہو گئے اور وعظ کے بعد مولانا کو لپٹ گئے ۔ مگر اس واضح کرامت کے صدور پر بھی اخفاء تصرف کا یہ حال تھا کہ جب صوفی صاحب ممدوح نے مولانا مرحوم کے وعظ کی حضرت سہارنپوریؒ سے تعریف فرمائی تو حضرت سہارنپوری نے اس تصرف کو اپنی طرف منسوب ہوتے ہوئے دیکھ کر فوراً رخ موڑ دیا اور اس کو حضرت حکیم الامت کی طرف منسوب فرماتے ہوئے فرمایا کہ اپنے ماموں کا بھانجا ہے ان ہی کا رنگ ہے ۔

رڑکی چھاؤنی میں جہاد کی ترغیب ایک مرتبہ مولانا مرحوم نے حضرت سہارنپوریؒ کے حکم سے ضلع سہارنپور کی چھاؤنی رڑکی میں وعظ فرمایا اس زمانہ میں ترکوں کے لیے ہر طرف چندہ ہو رہا تھا مولانا مرحوم نے اسی موضوع پر وہاں تقریر کی اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی ۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا کہ موقع محل دیکھ کر تقریر کیا کرو ۔ یہ انگریزوں کی چھاؤنی ہے یہاں جہاد کی تقریر کو وہ اپنے خلاف بغاوت پر محمول کریں گے ۔ اس کے بعد تو حضرت مولانا مرحوم کی طبیعت وعظ عام اور

تقریروں میں خوب کھلنے لگی اور آپ بڑے بڑے مجمعوں میں وعظ و تقریر کرنے لگے یہاں تک کہ بعض مرتبہ مظاہر علوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ میں بھی حضرت حکیم الامت تھانوی کے وعظ سے پہلے مجمع عام میں مولانا مرحوم کا وعظ ہوا کرتا تھا اور حضرت حکیم الامت تھانوی کے سفر سے عذر پیش آجانے کے بعد تو اکثر مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سالانہ جلسہ پر مولانا مرحوم کا وعظ ہی ہوا کرتا تھا۔

حضرت مولانا مرحوم کا معمول حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ "مجھے اس کا برابر اہتمام ہے کہ وعظ و تقریر سے پہلے حق تعالےٰ سے اجازت حاصل کر کے یہ عرض کر لیتا ہوں کہ مجھے قول و عمل میں خلوص عطا فرمایا جاوے اور مجھے اور سب مسلمانوں کو جو مضمون نافع ہو وہ ہی مجھ سے بیان کرایا جائے"۔

حضرت مولانا مرحوم کے ان پُر خلوص مواعظ حسنہ کے بحمد اللہ ہر جگہ نہایت اچھے اثرات ظاہر ہوئے اور بہت سے بہتر ثمرات اور فوائد حاصل ہوتے تھے۔ چنانچہ ذیل میں درج شدہ چند واقعات سے حضرت مولانا مرحوم کے مواعظ کے اثرات و ثمرات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

مدرسہ راندیریہ رنگون میں مولانا مرحوم تعلیمی نگرانی کے علاوہ ہر جمعرات کو وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ وہاں کے ہیڈ ماسٹر کو علماء سے بہت بُعد تھا مگر مولانا مرحوم کے مخلصانہ طرزِ عمل سے متاثر ہو کر وہ خود بھی نماز کے پابند ہو گئے اور دوسرے ماسٹروں کو بھی اُنہوں نے نماز کا پابند بنا دیا۔

وعظ کی تاثیر کا نمونہ مولانا کے زمانہ قیام رنگون میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ہندو نے کلکتہ کے ایک اخبار میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخانہ مضمون شائع کر دیا۔ مسلمانانِ رنگون نے اس پر احتجاج کے لیے جارت ہال میں مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر "زمیندار" کی زیرِ صدارت جلسہ منعقد کیا۔

حضرت مولانا مرحوم نے اپنی جلسہ کی تقریر میں جب یہ فقرہ فرمایا کہ کفار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے رہیں گے اور مسلمان اسی طرح بیٹھے رہیں گے آخر آپ کو کس بات کا انتظار ہے" اس فقرہ پر ایک دم تمام جلسہ کھڑا ہو گیا اور نعرہ تکبیر سے ہال گونج اٹھا پھر جب مولانا نے فرمایا کہ الحمد للہ مسلمان زندہ ہیں اب آپ بیٹھ جائیں تب مجمع بیٹھا اور صدر جلسہ نے رزیرولیوشن پیش کیا جس کو بالاتفاق منظور کیا گیا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ اس ہندو نے اسی اخبار میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے مسلمانوں سے معافی مانگی۔ جلسہ کے بعد مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کہا کہ مجھے آج معلوم ہوا کہ خانقاہ والوں میں بھی ایسا جذبہ اور جوش ہے کہ اُن کے ایک فقرہ سے سارا جلسہ جوش میں آگیا اور ایکدم کھڑا ہو گیا۔ میں تو ڈر گیا تھا کہ مولانا کہیں اس وقت جہاد کا حکم نہ دے دیں۔

دُوسرا واقعہ رنگون میں پندرہ سولہ جوانوں کی ایک شیدی پارٹی بدعتی خیال کی تھی وہ علماء دیوبند کے جلسوں کو درہم برہم کر دیا کرتی تھی اس زمانے میں مشن ہائی سکول کے ایک پادری نے اپنے سکول کے ماہوار میگزین میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر رکیک حملے شائع کئے اور ہائی سکول کے طلبہ نے وہ پرچہ مولانا مرحوم کو دکھلایا۔ مولانا نے اس کے خلاف بطور احتجاج جلسہ بُلایا اور اس میں شیدی پارٹی کے سردار طلاء محمد خاں کو بھی انکی جماعت سمیت مولانا نے دعوت دی چنانچہ جلسہ منعقد ہوا اور ہر مکتب خیال کے مسلمان اس میں شریک ہوئے مگر مولوی حشمت علی لکھنوی بریلوی مکتب فکر کے مبلغ اور

مناظر اس میں شریک نہیں ہوئے حالانکہ وہ اس وقت رنگون میں ہی مجلس میلاد خوانی کر رہے تھے۔ اس جلسہ کا بہت اچھا اثر ہوا اور ہیڈ ماسٹر کو سکول بند کرنا پڑا اور یہ لکھنا پڑا کہ جب تک علمائے اسلام اجازت نہ دیں گے سکول بند رہیگا۔ تین دن کے بعد پرنسپل کا پرچہ سکول کھولنے کی اجازت طلب کرنے کے لیے آیا۔ علماء نے مشورہ کر کے چند شرائط کے بعد اجازت دے دی۔ ان میں ایک بڑی شرط یہ تھی کہ مسلمان بچے بائبل نہیں پڑھیں گے۔ بائبل کے گھنٹہ میں قرآن کریم، تاریخ اسلام اور سیرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم پڑھا کریں گے۔ دوسری بڑی شرط یہ تھی کہ ہیڈ ماسٹر عام مسلمانوں سے معافی مانگے اور معافی نامہ اپنے میگزین اور تمام اخبارات رنگون میں شائع کرے اور پہلے اپنے مضمون کے غلط ہونے کا اقرار کرے اور اقرار کرے کہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات وہ ہے جو اب شائع کی جاتی ہے۔"

یہ شرطیں منظور کی گئیں اور حضرت مولانا مرحوم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح سوانح حیات لکھ کر سید عنایت حسین صاحب مرحوم ہیڈ ماسٹر انڈین ہائی سکول کو اس کی انگریزی بنانے کے لیے دی اس کو ہیڈ ماسٹر مشن ہائی سکول نے معافی نامہ کے ساتھ اپنی طرف سے شائع کر دیا۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا اظہارِ خوشی

جب یہ مضمون خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے حضرت تھانویؒ کو سُنایا تو فرمایا کہ یہ پادری بڑا سمجھدار معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات اس خوبی سے بیان کر رہا ہے کہ انگریزی خوان مسلمان بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ مولانا مرحومؒ بھی تعطیل گرما میں رنگون سے تھانہ بھون تشریف لائے ہوئے

تھے مولانا نے عرض کیا کہ یہ مضمون تو میرا ہے اس نے اپنے نام سے اسکو شائع کیا ہے حضرت تھانویؒ نے خوش ہو کر فرمایا "تم نے تو اُس کو مسلمان ہی بنا دیا ہے۔

اس واقعہ کی برکت

اس واقعہ میں چونکہ سارا کام علمائے دیوبند نے ہی کیا تھا بدعتی علماء نے اُس میں کچھ حصہ نہیں لیا اس لیے شیدی پارٹی کے نوجوان بگڑ گئے کہ اللہ کے نام پر تحفظ ناموس رسول کے لیے جان دینے کو علماء دیوبند ہیں اور میلاد پڑھ کر روپیہ لینے کو یہ بدعتی علماء رہ گئے ہیں۔ اس ایک واقعہ سے یہ پوری جماعت بدعت سے تائب ہو گئی اور علماء دیوبند کا اعلانیہ ساتھ دینے لگی۔ جب کسی موقعہ پر حکومت برما شرعی مسائل میں مداخلت کرتی تو علمائے دیوبند اس کو دین میں مداخلت کرنے سے روک دیتے اور یہ پارٹی ہر موقع پر علماء دیوبند کا ساتھ دیتی۔

قربانی پر پابندی کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ گورنر برما نے یہ آرڈر دیا کہ بقر عید کی قربانی صرف پہلے دن اور وہ بھی گیارہ بجے دن تک ہو سکتی ہے اس کے بعد قربانی قانوناً منع ہے اس پر علمائے دیوبند نے احتجاج کیا تو حکومت کو اپنا حکم واپس لینا پڑا اور ہر موقع پر شیدی پارٹی نے بڑی جرأت اور ہمت سے کام لیا۔

فرقہ بہائیہ میں تبلیغ

رنگون سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک بستی وینڈو نام کی تھی وہاں کے سارے مسلمان بہائی مذہب قبول کر کے مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا مرحومؒ نے علماء کی ایک جماعت کے ساتھ اس بستی میں تبلیغ شروع کی۔ اللہ تعالےٰ نے کیا تو ایک ہی سال میں وہ سب تائب

ہو کر مسلمان ہو گئے صرف ایسے سترہ آدمی اس فرقہ بہائیہ کے رہ گئے جن کو مرکز بہائیت امریکہ سے بڑی بڑی تنخواہیں ملتی تھیں۔ مرکز بہائیت کو اس بستی پر بڑا ناز تھا کہ ساری بستی کو انہوں نے فتح کر لیا ہے۔ بحمد اللہ ان کا فخر خاک میں مل گیا۔ اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔

پادری سے مناظرہ

مولانا کے قیام رنگون کے زمانے میں ضلع ٹانگو میں ایک بڑا فاضل پادری رہتا تھا جس سے وہاں کے مسلمان مرعوب تھے۔ مولانا مرحوم نے وہاں پہنچ کر اپنے ایک انگریزی دان دوست مولانا ولی محمد صاحب کے واسطے سے اس کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ بحمد اللہ وہ پادری لاجواب ہو گیا۔

مولانا مرحوم رنگون ایک سال کے لیے تشریف لے گئے تھے مگر ایسی ہی تبلیغی ضرورتوں سے مولانا مرحوم کو وہاں اڑھائی سال قیام کرنا پڑا۔

ایک اور پادری سے مناظرہ

حضرت مولانا مرحوم کو زمانہ طالب علمی میں اپنے ماموں حضرت تھانوی کی طرح ہی مناظرہ کا بہت شوق تھا اور اوائل عمر سے ہی مولانا کو انگریزوں اور اُن کے مذہب سے بہت نفرت تھی۔ اسی لیے مولانا کو انگریزوں کی زبان انگریزی سے بُہت نفرت تھی، بچپن میں انگریزی کتاب کو پڑھ کر بوجہ نفرت کے اُسے پھاڑ ڈالنے کا واقعہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اور کانپور کے زمانۂ تعلیم میں جمعرات کے جلسہ میں طلباء میں مولانا نے جو عربی میں نظم پڑھ کر سُنائی تھی اس سے بھی انگریزوں سے بیزاری اور نفرت کا اظہار بڑے بلیغ انداز سے ہو رہا ہے۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :

ہے ساتر ان کل من عبد المسیحا   بحول اللہ مقتول المس یحیا

اس لیے مولانا کو اپنے طالب علمی کے زمانہ ہی میں انگریزوں سے مناظرہ کرنے کا شوق تھا چنانچہ کانپور میں ایک پادری نے جلسہ عام میں دین مسیحی کی فضیلت جملہ ادیان پر ثابت کرنے کا اعلان کیا تھا۔ مولانا اس زمانے میں جامع العلوم کانپور میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ پادری کا یہ اعلان سُن کر مولانا اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اُس کے جلسہ میں پہنچ گئے اور اس سے سوالات کر کے اُس کو لاجواب کر دیا۔

ایک سوال

مولانا نے اس پادری سے ایک سوال یہ بھی کیا تھا کہ اصلی انجیل تو آپ کے پاس ہے نہیں صرف اس کے ترجمے ہیں۔ اور مترجموں کا حال معلوم نہیں۔ نہ سلسلہ اسناد موجود ہے تو ان ترجموں کے صحیح ہونے کا یقین کیسے کیا جائے؟ پھر یہ گورکھ دھندا بھی عجیب ہے کہ خدا تین ہیں اور ایک بھی ہے۔ اس پر پادری لاجواب ہو کر کہنے لگا کہ اس کا جواب کل دیا جائے گا۔ اس کے لاجواب ہونے کا اثر یہ ہُوا کہ جس جاہل مسلمان کے اس جلسہ میں عیسائی ہونے کا اعلان کر نا طے ہُوا تھا پادری کے اس عجز کو دیکھ کر اُس مسلمان نے بھی عیسائی بننے سے جواب دے دیا اور کہا کہ

"جب ان سوالوں کے جواب سے میرا دل مطمئن ہو گا تب دیکھا جائے گا۔"

اس پر مولانا کے ساتھی طلباء نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور اس پادری کو بڑی ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

مرزا بشیر احمد قادیانی کو مناظرہ کا چیلنج

مرزا بشیر احمد قادیانی ایک مرتبہ سہارنپور آیا تو مولانا مرحوم اس سے گفتگو کرنے کے لیے اس کی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ مولانا کی طرف سے ابھی مولوی غلام سرور مرزائی مبلغ کے ذریعے ختم نبوت کے مسئلہ پر مناظرہ کا پیغام پہنچایا ہی جا رہا تھا کہ میاں بشیر صاحب بھی آ گئے۔ اب ان کو براہ راست مناظرہ کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی مگر انہوں نے مناظرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کسی طرح مناظرہ کے لیے آمادہ نہیں ہوئے اس پر مولانا کے ہمراہی نعرہ تکبیر کے ساتھ ساتھ ختم نبوت زندہ باد، منکر ختم نبوت مردہ باد کہتے ہوئے اُن کی قیام گاہ سے واپس آ گئے۔

حیات مسیح پر مناظرہ

مدرسہ مظاہر العلوم کی ضرورت سے مولانا کا کوہ منصوری پر جانا ہوا۔ وہاں سہارنپور کے ایک تاجر قادیانی ہو گئے تھے وہ مولانا سے کہنے لگے کہ مرزا غلام احمد قادیانی اپنے آپ کو مسیح موعود کہتے ہیں اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ مولانا نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ مسیح موعود آسمان سے نازل ہوں گے وہ بطن مریم سے پیدا ہوئے تھے۔ اور آسمان پر اُٹھا لیے گئے تھے۔ مرزا غلام احمد مسیح موعود کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہیں آسمان پر نہیں ہیں۔ اور جس مسیح کے ظہور کا وعدہ حدیثوں میں آیا ہے وہ مثیل مسیح ہو گا۔ مولانا نے فرمایا یہ تاویل سراسر غلط ہے کیونکہ عیسےٰ علیہ السلام کا آسمان پر اُٹھایا جانا قرآن سے بھی ثابت ہے۔ اور احادیث متواترہ سے بھی ثابت ہے اور اُمت کا اس پر اجماع ہے۔ اس کے خلاف جو تاویل ہو گی وہ رد ہو گی۔ دیر تک گفتگو ہوئی جس پر وہ تاجر لاجواب ہو گئے۔

اہل حدیث سے گفتگو اور وتروں کے قعدہ اولیٰ کا ثبوت

طالب علمی کے زمانہ میں ایک مرتبہ مولانا مرحوم بموقع تعطیل رمضان بنارس گئے وہاں عالمگیری مسجد اور دیگر مقامات کو بھی دیکھا پھر بنارس سے موضع اعظم گڑھ جانا ہوا وہاں پر جن صاحب کے گھر قیام ہوا کانپور میں انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا ہوا تھا مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ اہلحدیث ہیں۔ مولانا احناف کی مسجد میں اپنی نماز پڑھتے رہے ایک دن اتفاق سے حنفیوں کی مسجد میں تراویح ہو چکی تھی تو مولانا نے میزبان کے ساتھ اُن کی مسجد میں نماز عشاء پڑھ لی وہاں نماز عشاء دیر سے ہوتی تھی۔ یہ لوگ تراویح آٹھ رکعت پڑھتے ہیں۔ مولانا نے گھر پر آ کر بقیہ تراویح پوری کر لی اور نماز وتر کا اعادہ کیا۔ کیونکہ یہ لوگ وتر میں درمیان کا قعدہ نہیں کرتے اُن کے مولوی صاحب نے دیکھ کر مولانا سے پوچھا کہ کیا ہمارے پیچھے آپ کا وتر صحیح نہیں ہوا؟ مولانا نے کہا آپ نے درمیانی قعدہ نہیں کیا اور ہمارے یہاں درمیانی قعدہ واجب ہے اس لیے میں نے وتر کا اعادہ کیا ہے وہ کہنے لگے کہ اس کے وجوب کی کیا دلیل ہے؟ مولانا نے کہا کہ صبح کو اس پر گفتگو ہو گی۔

صبح کو دیکھا گیا کہ میزبان نے ایک بڑی میز پر بہت سی کتابیں جمع کر دیں کہ وتر میں قعدہ کے وجوب کی دلیل بتلانے کے لیے جس کتاب کی ضرورت ہو وہ موجود ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھے مسلم شریف دے دی جائے اس میں باب کیفیۃ الصلوٰۃ سے حضرت عائشہؓ کی روایت فی کل رکعتین التحیۃ (ہر دو رکعت پر التحیات ہے۔ دکھلا کر مولانا نے فرمایا کہ جب ہر دو رکعت کے بعد التحیات کا ضروری ہونا اس حدیث سے ثابت ہے اور التحیات قیام میں نہیں ہو سکتی قعود ہی میں ہوتی ہے

تو اس سے ثابت ہو گیا کہ وتر کے اندر بھی دو رکعت کے بعد قعدہ واجب ہے۔ اور حنفیہ کا طریقۂ وتر ہی صحیح ہے۔ بغیر دو رکعت پر قعدہ کئے تین رکعتیں مسلسل نہیں پڑھنی چاہییے۔ وہ کہنے لگے کہ نسائی کی روایت یہ ہے۔ فلاں روایت میں ہے لم یجلس الا فی آخرھن (یعنی آپ نے وتر کی تین رکعات پڑھیں اور بیچ میں قعدہ نہیں کیا) مولانا نے جواب میں فرمایا کہ یہ سب احادیث فعلیہ ہیں اور جو حدیث میں نے حنفیہ کے استدلال میں پیش کی ہے وہ قولی ہے اور قول کو فعل پر ترجیح ہوتی ہے اس لیے حدیث قولی مقدم ہے۔ اس پر وہ بہت زِچ ہوئے۔

مولانا اس سفر سے تھانہ بھون واپس آئے تو چونکہ حضرت حکیم الامتؒ کو وہاں کے احباب سے بذریعہ خطوط حالات معلوم ہو چکے تھے۔ اس لیے واپسی پر حضرت تھانویؒ نے اس بات پر اظہارِ خوشنودی فرمایا کہ وہاں جمعے کے دن مولانا نے تقریر بہت اچھی کی تھی۔

اطراف بنگال میں مواعظ

ڈھاکہ کے زمانہ قیام میں بھی مولانا کو اکثر اطراف بنگال سے وعظ و تقریر کے لیے بُلایا جاتا تھا۔ بنگال کے مدارس عربیہ ہاٹ ہزاری وغیرہ کے سالانہ جلسوں میں بھی مدعو کیا جاتا تھا ہر جگہ مولانا مرحوم کے وعظ و تقریر کا خاص اثر ہوتا تھا اور عوام و خواص سب مستفید ہوتے تھے۔

ڈھاکہ یونیورسٹی میں تبلیغ

ڈھاکہ یونیورسٹی میں بھی بعض پروفیسر باوجود مسلمان ہونے کے بعض عقائد اسلامیہ میں تذبذب کا شکار رہتے۔ حضرت مولانا کی تبلیغ سے اُن کی بھی بہت کچھ اصلاح ہوئی۔ اور

بعض ہندو پروفیسر جو تاریخ، فلسفہ اور سائنس پڑھاتے تھے۔ بعض دفعہ وہ تعلیماتِ اسلام پر اعتراضات کرتے تو طلباء کی شکایت پر حضرت مولانا اُن کے شُبہات کو بھی تقریر کے ذریعہ رفع کیا کرتے تھے۔

برما کے سکولوں میں قرآن کریم کی لازمی تعلیم کی تجویز

رنگون سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر ٹانگو بستی میں آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہونا طے پایا۔ اس کا سیکرٹری کانفرنس کے لیے چندہ جمع کرنے کے لیے رنگون آیا اور مولانا سے کانفرنس میں شرکت کی درخواست بھی کی۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر کانفرنس میں یہ تجویز پاس کر دی جائے کہ مسلم اسکولوں میں قرآن کریم اور تعلیم الاسلام پڑھانا لازمی ہو گا تو اس کانفرنس میں چندہ دینا اور شرکت کرنا مُفید ہے ورنہ کچھ فائدہ نہیں۔

سیکرٹری نے اس تجویز کے پاس کرانے کا وعدہ اس شرط پر کیا کہ اس کانفرنس میں شرکت کی جائے۔ چنانچہ مولانا مرحوم علیہ الرحمۃ برما کے چند دُوسرے علماء اور بعض تاجروں کو اپنے ہمراہ لے کر کانفرنس میں شرکت کے لیے وہاں پہنچ گئے۔

پہلے تو صدر کانفرنس کے قرآن کریم کی تعلیمات کے بارے میں نازیبا الفاظ کہنے کی وجہ سے مولانا کو جلسہ سے اُٹھ کھڑا ہونا پڑا۔ جس پر جلسے کے تقریباً دو تہائی آدمی اُٹھ کر جلسے باہر آ گئے اور جلسہ درہم برہم ہو گیا۔ مگر بعد میں سیکرٹری کے سمجھانے سے صدر جلسہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی چاہی اور مولانا مرحوم علیہ الرحمہ کی تجویز پیش ہوتے

ہی باتفاق رائے پاس ہوگئی۔ اس طرح حضرت مولانا مرحوم اور دوسرے علمائے حق کی کوششوں کی بدولت برما میں اسکولوں میں طلباء کے لیے قرآن اور دینیات کی تعلیم کی تجویز پاس ہوگئی۔

حضرت تھانویؒ کے مواعظ کو ضبط تحریر میں لانا

اس طرح زبانی مواعظ کے ذریعے تبلیغ احکام کے علاوہ مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت بڑا تبلیغی کارنامہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے صدہا مواعظ کو ضبط تحریر میں لانا اور قلمبند کرنا ہے جن سے مخلوق خدا کی بہت بڑی تعداد آج تک فیض یاب ہو رہی ہے اور ہزاروں گم گشتہ راہ لوگوں نے ان سے راہِ ہدایت اور رہنمائی حاصل کی ہے۔ مولانا مرحوم علیہ الرحمتہ کے لکھے ہوئے ان مواعظ کی صحیح تعداد کا معلوم کرنا تو بہت دشوار ہے مگر اتنی بات یقینی ہے کہ ان کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔

تبیض مواعظ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کے سلسلہ میں دُوسرا کام حضرت مولانا مرحوم نے مواعظ کی تبییض اور دوسرے حضرات کے لکھے ہوئے مواعظ کے مسودات کو صاف کرنے کی خدمت کا انجام دیا ہے۔ چنانچہ جب حاجی محمد یوسف صاحب رنگونی کی درخواست پر تبییض و وعظ کا انتظام کیا گیا تو اس کام کے لیے مولانا کا انتخاب کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مولانا کو "احسن الکاتبین" کے لقب سے نوازا تھا الفاظ یہ تھے:

"غور و مشورہ کے بعد مولوی ظفر احمد سلمۂ کو جو یہاں کی جماعت میں

اس وقت احسن الکاتبین ہیں تجویز کیا گیا۔"

(النور رجب و شعبان ۱۳۴۵ھ)

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کی تحریر و تبییض اور ان کو ضبطِ تحریر میں لانے کی یہ خدمت مولانا مرحومؒ نے جس حسن و خُوبی کے ساتھ انجام دی اُس کو ان مواعظ کے پڑھنے والے ہی اچھی طرح محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ حضرت مولانا مرحوم حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ کو صرف ضبط تحریر ہی میں نہیں لاتے بلکہ ساتھ ساتھ ان کے اجمال کی تشریح اور تفصیل بھی کرتے جاتے ہیں اور پیدا ہونے والے شبہات کو بھی حضرت تھانویؒ کی خدمت عالیہ میں پیش کر کے حل کرا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ حواشی میں جابجا دقیق و عمیق تحقیقات علمیہ اور سوال و جواب کا جو اضافہ کیا گیا ہے وہ مولانا کا بڑا قابل قدر کارنامہ ہے۔

غرض حضرت مولانا نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم کے شارح و مفسر کے منصب جلیلہ کی ذمہ داری کا پورا پورا حق ادا فرمایا ہے۔ اور اس طرح آپ کی یہ خصوصی حیثیت بھی نمایاں ہوتی ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ظاہری و باطنی کے آپ ہی بہترین شارح و مفسر تھے۔ اور آپ کے علوم و معارف کو دوسروں تک پہنچانے اور اُن کی اشاعتِ عام میں مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ صرف آپ ہی کا حصّہ تھیں۔

مسئلہ سُود پر گفتگو

مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر "زمیندار" جس زمانے میں رنگون گئے اور اُن کی تقریر سورتی جامع مسجد میں ہوئی۔ تقریر کے درمیان میں انہوں نے مسئلہ سود بھی چھیڑ دیا اور علمائے کرام کو اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے کہا کہ "امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دارالحرب میں کفار سے سُود لینا جائز ہے۔ توکیوں نہ اس پر فتوے دیا جائے۔" تقریر سے فارغ ہو کر وہ اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ کھانے پر مولانا مرحوم بھی مدعو تھے اس لیے مولانا بھی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ اس وقت بڑے سیٹھوں کا مجمع تھا وہ بھی کھانے پر مدعو تھے۔ مولانا مرحوم نے اس وقت مسئلہ سود پر گفتگو مناسب سمجھی۔ مولانا ظفر احمد خاں کو مخاطب فرما کر مولانا نے فرمایا:

"میں اس وقت دلائل سے بحث نہیں کروں گا۔ واقعات سے سُود کی بُرائی ثابت کروں گا۔ یہ رنگون کے تاجر آپ کے سامنے موجود ہیں ان سے معلوم کر لیا جائے کہ ایک سال رنگون کے بازار میں آگ لگی بہت سی دکانیں جل کر راکھ ہو گئیں جب ایک دین دار سیٹھ کی دکان کے پاس آگ پہنچی تو اُن کے لڑکے اور ملازمین سب دوڑے ہوئے سیٹھ کے پاس گئے وہ اس وقت نماز کے لیے مسجد میں گئے ہوئے تھے ان سے کہا بازار میں آگ لگ گئی ہے اور آپ کی دکان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ جلدی چلیے۔ سیٹھ نے بڑے اطمینان سے کہا میں نہ سُود لیتا ہوں اور نہ دیتا ہوں اور ہر سال زکوٰۃ برابر دیتا ہوں بے فکر رہو۔ انشاء اللہ تعالےٰ میری دُکان میں آگ نہ لگے گی۔"

ملازمین واپس آئے تو دیکھا کہ واقعی ان کی دُکان کو چھوڑ کر آگ دُوسری دکانوں میں لگ گئی ہے اور دونوں طرف دکانیں جل رہی تھیں مگر اُن کی دُکان محفوظ تھی۔

ایک دُوسرا واقعہ

دُوسرا واقعہ یہ ہے کہ رنگون میں بڑی شیئرز کمپنیاں دو ہیں ایک سورتی بڑا بازار ہے جس کا کاروبار سودی نہیں ہے دکانیں اور مکانات بناتا ہے اور کرائے پر دیتا ہے۔ شیئر پچیس روپے کا ہے منافع اس وقت دس روپیہ ماہوار ہے۔ اب اس نے شیئرز کی فروخت بند کر دی ہے جو شیئرز لینا چاہے وہ پہلے شیئرز ہولڈرز سے شیئرز خریدتا ہے۔ آج پچیس روپے کے شیئرز کی قیمت اڑھائی ہزار روپیہ سے بھی اُوپر ہے۔

دوسری آر اے ٹی کمپنی ہے جس کا شیئرز دس روپے کا ہے اور منافع سالانہ ایک روپیہ ہے اور کبھی بارہ آنے ہو جاتا ہے اور شیئرز کی قیمت وہی دس روپے ہے۔ سورتی بڑے بازار کے جس شیئرز ہولڈر کے پانچ سو شیئرز تھے آج وہ لکھ پتی ہے اور آر اے ٹی کمپنی کے شیئرز ہولڈر کے پاس اگر پانچ سو شیئرز ہیں وہ ہزار پتی سے اُوپر نہیں کیونکہ اس کا کاروبار سُودی ہے۔ پھر آپ تو صحافی ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ آج دُنیا کی اقتصادی حالت کے خراب ہوتے اور اشیاء کے گراں ہونے کا بڑا سبب امریکہ کا سُود ہے۔ دُنیا کی ساری حکومتیں امریکہ کی مقروض ہیں اور اس کو سُود دیتی رہتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر حکومت کی معیشت پر بڑا بار ہے اسی لیے گرانی بڑھتی ہے۔ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب مسلمانوں کا عروج تھا اس وقت مسلمان سودی کاروبار

نہیں کرتے تھے۔ بلکہ شرکت مضاربت سے کاروبار کرتے تھے۔ اور اس میں اتنی برکت تھی کہ آج کل اس کی نظیر ملنا محال نہیں ہے تو دشوار ضرور ہے۔

ایک تاریخی واقعہ

تاریخی واقعہ ہے کہ بغداد سے ایک تاجر بہت سے جہاز لے کر تجارت کو چلا تو اس کے دوستوں اور قرابت داروں نے اپنا اپنا مال بھی اس کو دے دیا کہ اس کو بھی اپنی تجارت میں شامل کر لو اور جو منافع ہو گا وہ آدھوں آدھا تقسیم کر لیا جائے گا۔

اس وقت ایک بڑھیا بھی کھڑی تھی جو اس تاجر کی قرابت دار تھی۔ تاجر نے ہنس کر کہا کہ اماں تم بھی کچھ تجارت میں لگا دو۔ اس نے پوچھا کتنا نفع ہونے کی اُمید ہے؟ اس نے کہا کہ ہر چھ مہینے میں دو گنا ہو جانے کی اُمید ہے۔ اُس بڑھیا نے ایک روپیہ نکال کر دے دیا کہ میری طرف سے یہ لگا دینا۔

تاجر نے روپیہ جیب میں ڈال لیا۔ بارہ سال کے بعد واپس آیا اور سب لوگوں کا حساب کر دیا۔ بڑھیا بھی پہنچی تو اس نے اپنے مُنشی سے کہا کہ:

"بڑی بی کو پانچ ہزار روپیہ دے دو۔"

بڑھیا نے کہا "یوں نہیں میں تو حساب سے لوں گی۔ حساب کر کے میرا نفع دو۔" تاجر نے مُنشی سے کہا:

"ان کو ڈھائی لاکھ روپیہ دے دو۔"

بڑھیا خوش ہو کر چلی گئی۔ مُنشی نے کہا "آپ نے بڑی بی کو بہت دیدیا۔" تاجر نے کہا "میں نے اُس کا روپیہ تجارت میں لگایا نہیں تھا، دوسری جیب میں پڑا رہا۔ اگر تجارت میں لگاتا تو حساب سے اس کا حق اس سے بھی زیادہ ہوتا۔"

کیا آج اس کی نظیر مل سکتی ہے کہ ایک روپیہ سے بارہ سال میں اڑھائی لاکھ روپے نفع ہو جائے۔ یہ اتباعِ شریعت کی برکت تھی اور سود سے بچنے کی۔

ظفر علی خاں صاحب نے مولانا مرحوم کی اس گفتگو کے بعد اپنی اگلی تقریر میں اعتراف کیا کہ مسلمانوں کو سود سے بچنا چاہیئے اور شریعت کے موافق شرکت مضاربت کرنا چاہیئے۔

(انوار النظر ص)

باب پنجم

مولانا مرحومؒ کی اصلاحات

حضرت مولانا مرحومؒ نے اپنے طویل تعلیمی تجربے اور مدت تک اصلاحی اور تبلیغی کام کرنے کے بعد ایک ماہر تعلیم و تبلیغ کی حیثیت سے تعلیمی اور تبلیغی شعبوں میں کام کرنے والوں کے لیے بعض مفید اور کارآمد اصلاحات اور مشورے بھی دیئے ہیں۔ اگر ان اصلاحات اور مشوروں کو پیش نظر رکھا جائے تو اُمید ہے کہ مدارس دینیہ اور تبلیغی اداروں کے فوائد اور ثمرات موجودہ حالت کی نسبت سے کہیں زیادہ بہتر صورت میں برآمد ہو سکتے ہیں اور جس طرح ان اصلاحات کو مدنظر رکھ کر اور اُن پر عمل پیرا ہو کر تعلیمی اداروں سے عمدہ اور قابل رجال کار یعنی اچھے مدرس و مبلغ اور ماہر مُفتی اور لائق مصنف مہیا ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح اصلاح معاشرہ کے لیے عمومی کام کرنے والوں کے کام کا فائدہ بھی زیادہ مُفید صورت میں سامنے آسکتا ہے۔ ذیل میں حضرت مولانا مرحوم کی تعلیمی اور تبلیغی شعبوں میں اصلاحات کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

تعلیمی اصلاحات

حضرت مولانا مرحومؒ کے نزدیک علوم شرعیہ میں قابلیت و مہارت پیدا کرنے کے لیے مدارس عربیہ میں مروجہ درس نظامی بہت کافی ہے اس لیے اس نصاب میں کوئی تبدیلی کرنے کی بجائے مدارس عربیہ کے موجودہ طریقہ تعلیم کو بدلنے کی ضرورت پر حضرت مولانا

زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مرحوم کی اصلاحات کا خلاصہ درج ذیل ہے :۔

۱۔ علم ادب کی کتابوں کو کافیہ اور شرح جامی کے بعد ہی پڑھا جایا کرے۔ ادب عربی کی کتابوں کو درس نظامی کے آخر میں پڑھانے کا جو دستور ہو گیا ہے یہ اچھا نہیں اس لیے کہ عربی زبان پر حاوی ہونا کُتب فقہ اور تفسیر و حدیث کی کتابیں پڑھنے سے پہلے ضروری ہے۔

۲۔ علم ادب پڑھانے کے ساتھ اُردو کی عربی، عربی کی اُردو بنانے کی مشق بھی کرانی ضروری ہے۔

۳۔ فقہ کی کتابوں کی تعلیم کے ساتھ فتوے نویسی کی اور علم حدیث پڑھانے کے ساتھ طلبہ کو وعظ و تبلیغ کی مشق بھی کرائی جائے۔

۴۔ علم منطق اور فلسفہ کی کتابیں زیادہ پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے ان کی اتنی مقدار پڑھائی جائے جس سے متقدمین کے علم کلام کو سمجھنے کے لیے قابلیت پیدا ہو جائے کیونکہ متقدمین کے علم کلام کو پڑھنا ضروری ہے اس میں فلسفہ یونان کا رد کیا گیا ہے اور منطقی اصلاحات سے بہت کام لیا گیا ہے اس لیے کسی قدر منطق و فلسفہ قدیم سے واقف ہونا ضروری ہے البتہ منطق و فلسفہ کی زائد کتابیں حذف کر کے علم تفسیر اور علم تاریخ کی کتابوں کا اضافہ کیا جانا چاہیئے۔

۵۔ قرآن کریم کا ترجمہ جلالین سے پہلے ضرور پڑھایا جائے۔

۶۔ چونکہ سرکاری مدارس کی تعلیم سے دنیوی منافع کا حاصل کرنا مقصود ہے اگر درس نظامی کے ساتھ طلبہ کو سرکاری مدارس کی تعلیم بھی دی جائے

تو تجربہ ہے کہ وہ درس نظامی پر توجہ نہیں کرتے ۔ مدرسہ عالیہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے اس لیے درس نظامی پڑھانے کے زمانہ میں انگریزی کی تعلیم نہ دی جائے ۔ البتہ درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد جو طلباء سرکاری تعلیم حاصل کرنا چاہیں حاصل کر لیں ۔ اگرچہ تجربہ یہ ہے کہ بعد میں سرکاری امتحان دینے والے بھی علوم شرعیہ میں ترقی نہیں کرتے ۔ الا ماشاء اللہ اکثر وہ بھی سرکاری مدارس کے حکم میں ہی رہتے ہیں اور اس طرح ان کا علمی نفع محدود اور علمی ترقی بند ہو جاتی ہے ۔

۷ــــ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "بغیر تدریس کے علم مستحکم نہیں ہوتا ۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی کو بھی چاہیئے کہ عہدہ قضا کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھے تاکہ علم پختہ ہو جائے " (انوار النظر)

۸ــــ مشکوٰۃ شریف کے طلباء اور حضرات مدرسین کے لیے حضرت مولانا مرحوم کا ایک مفید مشورہ یہ بھی تھا کہ مشکوٰۃ شریف کے ہر باب کے ساتھ بطور فصل رابع کے اعلاء السنن کے متن سے لے کر احادیث مؤیدہ حنفیہ کو جمع کر کے ان کو سبقاً سبقاً پڑھایا جایا کرے ۔ اس طرح مشکوٰۃ شریف پڑھنے والے طلباء کو ہر بات میں حنفیہ کے دلائل کا بھی ساتھ ساتھ علم ہوتا رہے گا اور احادیث متن کی شرح کو حضرات علماء ، مدرسین اعلاء السنن سے معلوم کر سکتے ہیں ۔ اعلاء السنن سے طلباء اور علماء کے لیے استفادہ کرنے اور اس کے فائدہ کو

عام کرنے کی یہ بہترین صورت ہے اُمید ہے کہ ارباب مدارس عربیہ اس پر توجہ فرمائیں گے ۔

۹ــــ حضرت مولانا مرحوم کا خیال تھا کہ دلائل حدیثیہ کے بعد دلائل قرآنیہ جمع ہو جائیں اور اس کے بعد مسائل اجماعیہ بھی جمع ہو جائیں تو مذہب حنفی میں قیاسی مسائل کی تعداد بہت کم رہ جاتی ہے اور محدث ابن المنذر کی کتاب الاشراف طبع ہو جائے تو مسائل اجماعیہ کا بڑا ذخیرہ جمع ہو جائے گا ورنہ المغنی لابن ابی قدامہ سے ہر بات میں مسائل اجماعیہ معلوم ہو سکتے ہیں "۔

ذیل میں مولانا کے مضمون " دینی مدارس کے انحطاط کے اسباب " سے چند اقتباسات درج کئے جاتے ہیں :-

۱۰ــــ افسوس کہ اب مذہبی قومی مدارس عربیہ کے طلبہ بھی مولوی فاضل پاس کرنے اور سکولوں کالجوں میں معلم دینیات بننے کے لیے علم حاصل کرتے ہیں ۔ علم کو علم کے لیے اور اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل والے کم ہیں "۔

۱۱ــــ "العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک " آج کل طلبہ میں یہ جذبہ نہیں رہا ۔ زیادہ وقت فضول قصوں میں ضائع کرتے ہیں اور مطالعہ تکرار اور کتب بینی بہت کم ہے ۔

۱۲ــــ ہمارے بزرگوں کو طلباء کی صرف درسی تعلیم کا اہتمام نہ تھا بلکہ دینی و اخلاقی اصلاح کا بھی اہتمام تھا " بزرگوں کو اس کا اہتمام ہو طلبہ اہل اللہ کی زیارت و صحبت سے مستفید ہوں ۔ طلبہ ایام تعطیل

رمضان وغیرہ میں کسی اہل اللہ کی صحبت میں گزاریں۔ آج کل طلبہ نے صحبت اولیاء اللہ کا اہتمام چھوڑ دیا۔

۱۳۔ ہمارے اسلاف طلبہ کو محض درس دے کر نہیں چھوڑتے تھے بلکہ ایک وقت ان کی نصیحت و اصلاح کا بھی مقرر کرتے تھے کہ اس وقت طلبہ اپنے اساتذہ کے ملفوظات سے مستفید ہوں یا اُن کے ارشاد سے بزرگوں کے مواعظ و ملفوظات ان کے سامنے پڑھیں۔"

(۲۸ رجب ۱۳۹۱ھ البلاغ ماہ شوال ۱۳۹۱ھ)

تبلیغی اصلاحات

عمومی اصلاح معاشرہ کے لیے حضرت مولانا مرحوم کے نزدیک جماعت تبلیغی میں شامل ہونا بہتر اور مفید ہے۔ جیسا کہ انوار النظر میں فرمایا ہے کہ "اصلاح معاشرہ کے لیے میرے نزدیک جماعت تبلیغی میں شامل ہونا بہت مفید ہے" انوار النظر میں اپنے اس خیال کا اظہار فرمانے کے علاوہ حضرت مولانا نے اپنے شجرہ طیبہ میں بھی اس جماعت کے بارے میں حسب ذیل الفاظ میں اپنے متوسلین کو نصیحت فرمائی ہے۔

"جماعت تبلیغی جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے بہترین جماعت ہے بشرطیکہ اصول کے موافق خلوص سے کام کرتی رہے۔ میرے سفر نامہ حجاز حصہ دوم میں اس جماعت کے کام کی تفصیل اور اس کا تعارف اچھی طرح کر دیا گیا ہے اور جن خامیوں پر تنبیہ کی ضرورت تھی ان پر تنبیہ بھی کر دی گئی ہے۔ یہ مضمون لاہور کی کسی جماعت نے مستقل بھی شائع کر دیا ہے۔ اس کو دیکھ لیا جائے اور اس جماعت کے ساتھ مل کر کام کیا جائے۔

(شجرہ طیبہ ص۴۵ و ص۴۶)

مگر تبلیغی جماعت میں شامل ہونے اور اس کے ساتھ مل کر کام کرنے ہی کو اصلاح کے لیے حضرت مولانا نے کبھی کافی نہیں سمجھا اور اسی پر اکتفا کرنے کی ہدایت نہیں فرمائی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کسی عالم و عارف کی صحبت کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ جیسا کہ مولانا مرحوم نے اپنی خود نوشت سوانح "انوار النظر" میں تحریر فرمایا ہے کہ "کسی اہل دل عالم عارف کی صحبت میں گاہے گاہے حاضر ہونا بھی ضروری ہے"

ایک مرتبہ بیرون آباد سے ایک صاحب نے اپنے خط میں تبلیغی جماعت کے بعض متشدد حضرات کی شکایت حضرت مولانا سے کی تو حضرت مولانا نے تبلیغی جماعت کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے اس جماعت کے بعض لوگوں کے غلو اور تشدد نیز جماعت کی قابل اصلاح غلطیوں پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی:

"میں نے اپنے سفر نامہ حجاز حصہ دوم میں تبلیغی جماعت کی بعض غلطیوں پر تنبیہ کر دی ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ چلہ وغیرہ پر زور دینا غلو اور تشدد ہے۔ (البلاغ)

مذکورہ شکایت نامہ میں جماعت تبلیغ کے اس طرز عمل کا ذکر کیا گیا تھا کہ حقوق العباد میں کوتاہی اور حق تلفی کا خطرہ ہونے بلکہ بعض اوقات فوت ہونے کے باوجود چلہ دینے اور باہر جانے کے لیے زور دیا جاتا ہے اور بیوی بچوں کے حقوق واجبہ نان نفقہ کی پرواہ کئے بغیر چلہ دینے پر مجبور کیا جاتا ہے تو حضرت مولانا مرحوم نے جماعت کے اس طرز عمل کو غلو اور تشدد سے تعبیر کیا مگر اس کے ساتھ ہی آپ کی حد درجہ احتیاط اور انصاف پسند طبیعت نے پوری جماعت کی طرف اس غلو اور تشدد کو منسوب نہیں فرمایا او

یہ فرما کر کہ "بہرحال سب لوگ ایسی غلطی نہیں کرتے بلکہ جماعت کے سرپرست ایسی غلطیوں کی اصلاح کرتے رہتے ہیں عوام کا اعتبار نہیں" (البلاغ)

جماعت کی طرف سے حق دفاع ادا فرمادیا اور پوری جماعت کی طرف اس غلو اور تشدد کے انتساب کی نفی فرمادی۔ حضرت مولانا مرحوم نے اسی طرح حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو بھی تبلیغی جماعت کے بارے میں اطمینان دلانے کی کوشش فرمائی تھی جس کا ذکر مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب "حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت میں اسطرح کیا ہے :۔

" مولانا تھانویؒ کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ لوگ فریضۂ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے ؛ لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب نے بتایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے سوا جن کا ان کو حکم ہے اور کسی چیز کا ذکر نہیں کرتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔ (ص ۱۰۹)

لیکن اگر کسی وقت یہ جماعت اپنے اصولوں سے ہٹ جائے اور ان خامیوں کی اصلاح کی طرف بھی توجہ نہ دے جن پر اس کو متنبہ کیا گیا ہے تو پھر اس سے وہ مقاصد اور فائدے کیسے حاصل کئے جاسکتے ہیں جن کا تذکرہ مولانا مرحوم نے اپنی تحریروں میں فرمایا ہے اسی طرح جب یہ جماعت اور اس کے مبلغین تبلیغ کے بنیادی امور کے علاوہ جن کا اُن کو حکم دیا جاتا ہے دُوسری چیزوں کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت تھانویؒ کو جس بنیاد پر جماعت اور اہلِ جماعت پر اطمینان حاصل ہُوا تھا وہ بُنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے جیسا کہ آج کل بکثرت دیکھنے میں آرہا ہے کہ گشت کرنے والی عام جماعتوں نے اس اصول کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور کم علم مبلغین اِدھر اُدھر کی

غیر متعلق باتیں اور قصے کہانیاں بیان کرتے رہتے ہیں اور اکثر و بیشتر اپنے علم کی حد سے گزر جاتے ہیں چنانچہ جماعت کے سربرآوردہ حضرات کو بھی اس کا احساس ہے اور حضرت مولانا کے اس ارشاد گرامی کی تائید کہ "جماعت کے سرپرست ان غلطیوں کی اصلاح کرتے رہتے ہیں" اس سے بھی ہوتی ہے کہ جماعت تبلیغ کے موجودہ سرپرست حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ نے بھی اپنی کتاب "جماعت تبلیغی پر اعتراضات کے جوابات میں" بعض افراد جماعت کی ایسی غلطیوں پر جابجا تنبیہ فرمائی ہے چنانچہ آپ مقروض کو چلے پر جانے کی اجازت نہیں دیتے اور لکھتے ہیں :

" جو لوگ اپنے مقروض ہونے کا عُذر کرتے ہیں اگرچہ یہ ناکارہ خُود بھی ایسے لوگوں کو جو مقروض ہوں یا قرض لے کر جائیں جانے کی اجازت نہیں دیتا تاوقتیکہ ادائیگی قرض کا کوئی با اعتماد ذریعہ معلوم نہ ہو جائے"

(ص ۱۲۷)

ایک صاحب کے خط کے جواب میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا :۔

" آپ نے جو حالات لکھے ان کے لحاظ سے میرے نزدیک چلہ پر جانا ہرگز مناسب نہیں بلکہ گھر والوں کی معاشی خبرگیری اور قرض والوں کا قرض ادا کرنا بہت ضروری ہے۔" (ص ۱۲۹)

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کے نزدیک حقوق العباد کی ادائیگی تبلیغی چلہ میں جانے سے اہم اور مقدم ہے آگے چلکر آپ نے بالکل واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ :

" مجھے دو چیزوں میں خاص تعلب ہے ایک یہ کہ جن کے ذمہ حقوق العباد

ہوں وہ مقدم ہیں ۔ دوسرے یہ جو کسی شیخ سے منسلک ہوں اور شیخ کی طرف سے ممانعت ہو وہ ہرگز بغیر اجازت کے شریک نہ ہوں "۔ (ص ۱۳۵)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :-

" یہ ناکارہ تو والد صاحب کی اجازت کے بغیر جانے کی اجازت نہیں دیتا "۔ (ص ۱۲۵)

حضرت شیخ کے ارشادات گرامی کی روشنی میں دینی درسگاہوں سے منسلک مدرسین و طلباء کے لیے بھی واضح ہدایت موجود ہے کہ دینی درسگاہ یا اُستاد کی طرف سے اجازت نہ ہو تو ہرگز چلّہ میں شریک نہیں ہونا چاہیئے ۔ اب جو لوگ گھر والوں کی معاش یا اداءِ قرض کا انتظام کئے بغیر بلکہ قرض لے کر چلّہ دینے کی ترغیب دیتے ہیں اور خانقاہوں یا دینی درس گاہوں کے اندر ذکر و شغل میں مصروف اور تعلیم و تعلم میں مشغول ذاکرین و طالبین کو اپنے دینی مشاغل ترک یا مؤخر کر کے چلّہ میں لے جانے پر زور دیتے ہیں ایسے لوگ یقیناً جماعت کے سرپرستوں کی مرضی اور منشاء کی صراحتاً خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں ۔

اسی طرح مولانا منظور احمد نعمانی نے بھی تبلیغی جماعت کے اس طرز عمل کو کہ ہر کس و ناکس کو بات کرنے کے لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے فکر و توجہ کے لائق قرار دیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں :-

" یہ غلطی عام طور پر ہوتی ہے کہ عام مجمعوں میں ایسے لوگوں کو بات کرنے کے لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے بلکہ اس کام سے اچھی طرح واقف بھی نہیں ہوتے اور وہ بات کرنے میں اپنے علم کی حد کی پابندی

بھی نہیں کرتے ۔ واقعہ یہی ہے کہ ایسی غلطیاں بکثرت ہوتی ہیں اور یہ بات کام کے ذمہ داروں کے لیے بلاشبہ بہت فکر و توجہ کے لائق ہے ۔

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۱۲۱)

غرض حضرت مولانا مرحوم نے جماعت تبلیغی کے ساتھ وابستہ لوگوں اور معترضین دونوں گروہوں کو راہ اعتدال و توازن پر گامزن رہنے کی تلقین کا فرض ادا کرنے کے ساتھ جماعت کے قابل اصلاح پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا اور اس کے افادی پہلو سے بھی صرف نظر نہیں فرمایا ۔

تبلیغ عام مسلمانوں پر تبلیغ عام کا ضروری ہونا ثابت کرتے ہوئے ایک مقام پر مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ :-

" تبلیغ احکام صرف علماء ہی کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے جس شخص کو جتنا علم جس کام کا حاصل ہے اس کو دوسروں تک پہنچانا اس کے ذمہ فرض ہے اسی طرح جن کاموں کا گناہ ہونا معلوم ہے انکا گناہ ہونا اس شخص کو بتلایا جائے جو ان میں مُبتلا ہے "۔ (رحمت القدوس)

لیکن علماء اور عوام کی تبلیغ کا طریقہ ایک ہی طرح کا نہیں ہے اور علماء کی طرح ہر شخص کو وعظ کہنے کے لیے کھڑا کر دینے کا طریقہ قابلِ اصلاح ہے حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

" البتہ عام لوگوں کو وعظ کی صورت سے تبلیغ نہ کرنا چاہیئے کہ یہ منصب اہل علم کا ہے ۔ جاہل جب وعظ کہنا شروع کرتا ہے تو غلط یا صحیح جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے جس سے گمراہی کا اندیشہ ہے اس لیے عوام کو وعظ نہ کہنا چاہیئے بلکہ گفت و شنید اور نصیحت کے طور پر ایک دوسرے کو ضروری احکام سے مطلع کرنا

کرنا چاہیئے کیونکہ تبلیغ احکام فرض بھی ہے اور اس کو اصلاح حال میں بھی بڑا دخل ہے۔"

(رحمت القدوس صـ ۲۹۳)

مجلس صیانتہ المسلمین

حضرت مولانا مرحومؒ نے اصلاح معاشرہ کے لیے تبلیغی جماعت کو جس طرح مُفید سمجھا ہے اسی طرح حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی منظورِ نظر مجلس صیانتہ المسلمین سے بھی حضرت مولانا کو دلی لگاؤ اور قلبی تعلق رہا ہے اور اپنی اس دلی وابستگی کا اظہار بھی حضرت مولانا ہمیشہ فرماتے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک والا نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" مجلس صیانتہ المسلمین سے مجھے قلبی تعلق ہے حکیم الامت قدس سرہٗ کے بتائے ہوئے نسخے سب نسخوں سے زیادہ مفید اور مؤثر ہیں ضرورت ہے کہ حضرت حکیم الامت کے خلفاء اور متوسلین ان پر عمل پیرا ہوں۔"

(مجلس صیانتہ المسلمین ممتاز علماء کی نظر میں صـ ۱۴)

مجلس صیانتہ المسلمین کی جامعیت

مجلس صیانتہ المسلمین کا نظامِ عمل چونکہ پُوری شریعت پر حاوی ہے اور جامع ہے جیسا کہ اس کے نظام عمل کے دیکھنے سے واضح ہے اس لیے اس مجلس کی برتری اور جامعیت کا اظہار بھی مولانا مرحوم نے وضاحت کے ساتھ فرما دیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔

" آخر میں یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس مجلس کو اس تبلیغ سے جس کا مرکز ہندوستان میں نظام الدین دہلی اور پاکستان میں رائے ونڈ ہے پورا اتفاق اور تعاون حاصل ہے کیونکہ دونوں کا مقصد خدمت اسلام اور اصلاح المسلمین ہے۔ صرف طریق کار کا فرق ہے۔ پہلی تبلیغ چند اصول پر منحصر ہے اور

صیانتہ المسلمین پُوری شریعت پر حاوی ہے۔ جیسا کہ صیانتہ المسلمین کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ صیانتہ المسلمین میں پہلی تبلیغ کے اصول بھی شامل ہیں جیسا کہ تفہیم المسلمین سے بخوبی معلوم ہو جائے گا۔" (انوار النظر)

حضرت مولانا مرحومؒ نے دونوں جماعتوں میں طریق کار کے فرق و اختلاف کے پائے جانے کے باوجود ان کے اتحاد مقصد یعنی خدمت اسلام اور اصلاح مسلمین پر نظر فرماتے ہوئے دونوں جماعتوں کے اندر پُورے اتفاق اور تعاون کا اظہار فرما کر درحقیقت دونوں جماعتوں میں کام کرنے والوں کو اصل مقصد خدمت اسلام اور اصلاح مسلمین کو پیش نظر رکھنے اور آپس میں متحد اور متفق ہو کر کام کرنے کی تلقین اور ایک کو دُوسری کے ساتھ وابستہ ہونے کا سبق دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی دونوں جماعتوں کی افادیت اور حیثیت پر تبصرہ فرما کر دونوں جماعتوں کے بُنیادی اور جوہری فرق کو بھی واضح فرما دیا۔ ان دونوں کے کام میں جزء اور کل کی نسبت ہے۔ پہلی تبلیغ چند اصول میں منحصر ہونے کی وجہ سے جزدی امور اور محدود اصولوں کی تبلیغ ہے اور صیانتہ المسلمین کیونکہ پُوری شریعت پر حاوی ہے اس وجہ سے اُس کا نظام جامع اور کلی ہے اور ظاہر ہے کہ محدود اور جُزدی امور کی تبلیغ خواہ کتنے ہی وسیع طریقہ اور ہمہ گیر انداز پر کی جائے پھر بھی اس کا نفع عام ہونے کے باوجود تام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ محدود اور ناقص ہی رہے گا بخلاف جامع طرز تبلیغ کے کہ وہ اگرچہ محدود حلقے میں کیوں نہ ہو اسکا فائدہ اور نفع عام ہو گا مقصد یہ ہے کہ پہلی تبلیغ کا نفع عام ہے تام نہیں۔ اور صیانتہ المسلمین کا نفع تام ہے گو عام نہ ہو۔ اور اگر اس پر پوری طرح توجہ دی جائے تو اس کو

عام بھی کیا جا سکتا ہے۔

مجلس دعوۃ الحق

انوار النظر میں اس جگہ حیات المسلمین اور تفہیم المسلمین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مگر رحمۃ القدوس میں حضرت مولانا مرحوم نے تبلیغ کی ضرورت اور اُس کے نظام عمل سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے حیات المسلمین کے ساتھ حضرت تھانویؒ کے دوسرے رسالہ دعوۃ الداعی کے مطالعہ کرنے کی ہدایت بھی فرمائی ہے جس میں حضرت حکیم الامت کی تصدیق شدہ ایک دوسری مجلس دعوت الحق کے طریق تبلیغ کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

انجمن تبلیغ القرآن ڈھاکہ

حضرت مولانا مرحوم کو جس طرح مسلمانوں میں اصلاح معاشرہ کے لیے تبلیغ کا اہتمام تھا اور اس پر آپ زور دیتے رہتے تھے اسی طرح غیر مسلموں عیسائیوں وغیرہ میں بھی اسلام کی تبلیغ کرنے کی ضرورت پر اظہار خیال فرماتے رہتے تھے۔ ایسے واقعات کا ذکر حضرت مولانا کی تبلیغی جد وجہد کے عنوان میں آپ پڑھ چکے ہوں گے چونکہ مذکورہ انجمن اسی ضرورت کے ماتحت کام کر رہی تھی اس لیے اسی کے بارے میں بھی حضرت مولانا مرحوم نے اپنے شجرہ طیبہ میں حسب ذیل نصیحت فرمائی ہے:۔

”جامع مسجد لال باغ ڈھاکہ میں انجمن تبلیغ القرآن قائم ہے جس کا مقصود عیسائیت کی تبلیغ کو روکنا اور پہاڑی علاقہ کے مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ کرنا ہے کہ اس علاقہ میں عیسائی مشنری بہت زہر پھیلاتے ہیں جو احباب اہل وسعت ہیں وہ اس انجمن کی امداد مالی میں دل کھول کر حصہ لیں اور جو اہل علم ہیں وہ کچھ وقت تبلیغ میں دیں۔ اگر وہ کسی مدرسے سے متعلق ہیں تو ایام تعطیل

میں لوجہ اللہ اس انجمن کے صدر اور ناظم کے مشورہ سے تبلیغ کریں اور اگر فارغ البال ہیں تو جتنا بھی وقت دے سکیں تبلیغ میں ضرور دیں مگر انجمن کے صدر ناظم سے مشورہ کر کے کام کریں۔“ (شجرہ ص۴۷)

مدارس دینیہ کے اصل تعلیمی مشاغل میں خلل آئے بغیر ایام تعطیل میں اہل علم کو تبلیغ اسلام کے لیے کام کرنے کی ہدایت فرمانا اسی اعتدال و توازن کو قائم رکھنے کی مثال ہے جو تعلیم و تبلیغ کے دونوں شعبوں میں ہمیشہ حضرات اکابر کے پیش نظر رہا ہے اور جس کو آج یکطرفہ ذہن سے کام لیتے ہوئے عام طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام کے بقاء اور تحفظ کے لیے دونوں شعبوں میں کام کرنے کی ضرورت ہے اور دونوں کی ہی افادیت و نافعیت اپنے اپنے دائرہ عمل میں مسلم اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک شعبہ کی بھی ضرورت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اسی لیے حضرت مولانا مرحوم مدارس عربیہ کو بھی تعلیمی نظام کے ساتھ تبلیغ کے لیے مبلغین کے انتظام کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے اور اہل مدارس کے صرف درس و تدریس کے لیے معلمین کے انتظام پر ہی اکتفاء کر لینے کو کافی نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا ارقام فرماتے ہیں کہ ”ضرورت ہے کہ ہر اسلامی مدرسہ میں جہاں درس و تدریس کے لیے دس پندرہ مدرس مقرر کئے جاتے ہیں وہاں تبلیغ احکام کے لیے بھی کم از کم تین چار مبلغ رکھے جائیں مگر ان سے تحصیل چندہ کا کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ محصل چندہ مبلغ احکام نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر تبلیغ احکام بھی کرتا ہے تو اس کا معین پر اثر نہیں ہوتا۔“

(رحمۃ القدوس ص۲۷۲)

اس میں کہاں تک شک ہے کہ مدارس اسلامیہ میں درس و تدریس کے تعلیمی مشاغل کو قائم رکھتے ہوئے اگر تبلیغ احکام کی طرف بھی توجہ دی جائے تو مدارس کی نافعیت کا حلقہ وسیع ہو کر نفع خاص کے ساتھ نفع عام بھی حاصل ہو جائے اور دین کے دونوں شعبوں کے امتزاج سے یقیناً مدارس کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے لیکن مدارس اسلامیہ کے اصلی تعلیمی مشاغل کو ترک کر کے یا ان میں حرج و نقصان کر کے محض تبلیغ عام پر ہی زور دینا یا درس و تدریس اور تعلیمی مشاغل کو ثانوی درجہ پر رکھنا، یہ طریقہ غیر مفید ہی نہیں ہے بلکہ مقاصد دینیہ کے لیے مضرت رساں بھی ہے. کیونکہ تبلیغ عام چاہے جس قدر بھی عام ہو جائے اور اصلاح معاشرہ کے لیے خواہ وہ کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ مدارس دینیہ کے موجودہ نظام کے ذریعہ جو دینی مقاصد حاصل ہو رہے ہیں اور حدیث و تفسیر اور فقہ وغیرہ دینی تعلیم کے مختلف شعبوں میں ان مدارس سے جس قدر علوم دینیہ کے ماہرین تیار ہوتے ہیں تبلیغ عام کے ذریعے وہ مقاصد کبھی بھی حاصل نہیں کئے جا سکتے اور اس طریقہ سے دینی شعبوں کے لیے کسی طرح بھی رجال کار اور ماہرین کا مہیا کیا جانا ممکن نہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ یہ بات درست ہے کہ قرون اولٰی کے مسلمانوں میں درس و تدریس اور تربیت و اصلاح کا یہ موجودہ طریقہ اور نظام نہیں تھا اور مدارس یا خانقاہوں کا سلسلہ اس طرز پر قائم نہ تھا بلکہ زمانے کے بدلے ہوئے حالات کے تحت علماء اور صلحاء امت نے بتقاضائے ضرورت اس نظام کو اختیار فرمایا تھا لیکن مدارس اور خانقاہوں کے موجودہ نظام کو علماء و صلحاء نے زمانے کے جن تقاضوں اور ضرورتوں کی بناء پر اختیار فرما کر

اپنایا تھا اب بھی وہ تمام تقاضے اور ضرورتیں جوں کی توں بدستور موجود اور قائم ہیں بلکہ اس زمانے میں پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ وہ تمام کے تمام تقاضے پائے جاتے ہیں اس لیے درس و تدریس اور اصلاح و تربیت کے موجودہ طریقے اور نظام کے بقاء و تحفظ کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔
اور یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ اگر علم دین کی تحصیل اور تزکیۂ نفس کے لیے مدارس اور خانقاہوں کے نظام کی ضرورت نہ ہوتی تو ہمارے اکابر اس طرز کو ہرگز اختیار نہ فرماتے۔ لہٰذا اب یہ تصور کر لینا کہ چونکہ قرون اولٰی میں تعلیم و تربیت کی موجودہ صورت اپنے اس طرز خاص کے ساتھ نہیں تھی اس لیے مدارس اور خانقاہوں کے نظام کو ترک کر کے محض قرون اولٰی کے تعلیمی اور تربیتی نظام پر عمل پیرا ہونے سے آج بھی دین کے مطلوبہ مقاصد و نتائج پیدا ہو سکتے ہیں اور تمام دینی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے ہرگز درست نہیں کیونکہ موجودہ دور میں قدیم نظام تعلیم و تربیت کے ذریعے علوم دینیہ کے ماہرین اور خصوصی تربیت یافتہ علماء و صلحاء کا پیدا ہونا ہرگز ممکن نہیں۔

اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ علوم دینیہ کے تمام مذکورہ شعبوں میں کمال اور مہارت کا حاصل کرنا پوری امت پر فرض کفایہ ہے اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مدارس دینیہ کا موجودہ طرزِ خاص ہی اس کی تحصیل میں ازبس مفید بلکہ اس طرز پر ہی اس کا حصول موقوف ہے لہٰذا فرض کفایہ کے موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے اس نظم خاص کا باقی رکھنا اور اس کا تحفظ کرنا بھی فرض کفایہ میں داخل ہے اور یہی حکم تزکیۂ نفس اور نسبت احسان کے حصول کے لیے خانقاہوں کے بقاء اور تحفظ پر عائد ہوتا ہے کہ یہ بھی امت

پر فرض کفایہ ہے کیونکہ اس زمانے میں تزکیۂ نفس اور نسبت احسان کا حصول بھی اسی طرز خاص (طریق خانقاہی) پہ موقوف ہوگیا ہے۔ عمومی تبلیغ کے موجودہ طریق کار کے ذریعے اگر وہ صحیح اصول کے ساتھ ہو تب بھی عام مسلمانوں میں صرف دین کی طلب اور دین کی ضرورت کا احساس پیدا کر کے محدود طور پر ان کو دینی ضروریات سے روشناس ہی کرایا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد بھی ان کو ضروریات دین کا علم حاصل کرنے کے لیے مدارس عربیہ اور علوم دینیہ کے جاننے والے علماء کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے جیسا کہ بانی تحریک تبلیغ کا ارشاد ہے کہ:۔

"علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں صرف دین کی طلب و قدر ہی پیدا کی جاسکتی ہے اور ان کو دین سیکھنے پہ آمادہ بھی کیا جاسکتا ہے آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء و صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہوسکتا ہے۔ اس لیے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔" (ملفوظات حضرت مولانا الیاس ص ۲۳)

الغرض عوامی تبلیغ کا موجودہ طریق کار علوم دینیہ میں مہارت حاصل کرنے اور دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے کی اہلیت پیدا کرنے سے بالکل قاصر ہے۔ اس لیے علوم دینیہ کے بقاء اور تحفظ کے لیے مدارس دینیہ اور عمومی طور پر اصلاح معاشرہ کے لیے تبلیغ عام دونوں ہی کے انتظام کی ضرورت ہے۔ ان میں سے کوئی ایک صورت بھی دوسری صورت کی قائم مقام اور اس کے مقاصد کے حصول کے لیے کافی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس زمانہ میں مدارس دینیہ کی ضرورت اور ان کا سنت ہونا ثابت کرتے ہوتے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی فرماتے ہیں:۔

"پہلے زمانے میں صحابہ و تابعین کو تدریس متعارف کی کوئی حاجت نہیں تھی ان کا تو بغیر اس کے کام چلتا تھا۔ ان کے حافظے اور اذہان کافی تھے اور تدین بھی تھا اور اس وقت اس کی ضرورت اس لیے ہے کہ اگر کتابیں مدون نہ ہوں اور آج کل لوگوں کا نہ حافظہ ویسا ہے نہ تدین ہے نہ ان کے قول پر ان جیسا وثوق ہے۔ پھر زبانی کوئی مضمون حدیث و فقہ کا بیان کیا جاتا تو پھر سامعین کو ہرگز تسلی نہ ہوتی اور خیال ہوتا کہ نہیں معلوم یہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک بھی ہے یا نہیں اور یونہی الٹ پلٹ کر رہے ہیں۔ اگر کتابیں مدون نہ ہوتیں تو بڑا غلط بحث ہوتا دین میں بڑا فساد پھیلتا۔ خدا کا بڑا احسان ہے کہ اپنی عنایت و رحمت سے اس نے کتابیں مدون کرادیں۔ مدرسے قائم کرادیئے اسکے سامان مہیا کر دیئے اگر کتابیں نہ ہوں تو سلف کی باتیں ہم تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں اور بغیر مدارس قائم کئے تعلیم کتب ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ بدعت نہیں بلکہ سنت ہے۔ چونکہ اس درس و تدریس سے بھی مقصود تبلیغ ہی ہے خواہ بلاواسطہ یا بالواسطہ چنانچہ بلاواسطہ تو تبلیغ مخاطب اول کو ہے یعنی طلباء کو اور بالواسطہ مخاطب ثانی کو یعنی عوام کو۔ سو یہ درس و تدریس تبلیغ کا اتنا بڑا فرد ہے۔" (آداب تبلیغ)

اور فرماتے ہیں:۔

"میں یہ رنگ دیکھ رہا ہوں کہ آج کل وہ طلبا بھی جو علم سے فارغ نہیں ہوئے تبلیغ میں مشغول ہونا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کے لیے تکمیل علم اول ضروری ہے کیونکہ اگر یہ پڑھنا پڑھانا نہ ہوتا تو تصنیف و تبلیغ وغیرہ بھی سب بیکار ہے کیونکہ ناقص کی تبلیغ وغیرہ قابل اعتبار نہیں بلکہ اس طرح تو چند روز میں علم بالکل ہی معدوم ہو جائیگا۔" (آداب تبلیغ)

حالانکہ تعمیر پاکستان کے لیے علماء ربانی نے جو بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کے لیے جو جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ اظہر من الشمس ہیں یہاں تک کہ ان کے یہ کارنامے قائداعظم وغیرہ کی سوانح عمریوں کی زینت بنے ہوتے ہیں۔

(دیکھو حیات محمد علی جناح)

پھر حضرت تھانویؒ کے سامنے ۱۸۵۷ء کا تجربہ بھی تھا کہ اس وقت مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا مگر نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ مسلمانوں کو مجرم بنایا اور خود انگریزوں سے مل گئے اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ہندوستان سے انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جمانے والے صرف ہندو لیڈر ہی تھے۔

بعض لوگوں کو حضرت حکیم الامتؒ تھانوی کے اس حکیمانہ، عاقلانہ اور حدودِ شریعت کے جامع سیاسی مسلک کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت تھانویؒ کی تحریک خلافت سے علیحدگی کو اصل مقصد کے خلاف سمجھ کر حضرتؒ کے خلاف بڑی شورش پیدا کر دی نوبت یہاں تک پہنچی کہ تھانہ بھون کے بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ حضرت تھانویؒ سے خانقاہ امدادیہ کو خالی کرا لیا جائے مگر اللہ تعالٰی نے اپنی غیبی نصرت وحمایت کا ایسا اظہار فرمایا کہ مخالفین ہی کو شرمندہ ہو کر حضرتؒ کے سامنے جھکنا پڑا۔

حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کے بارہ میں غلط فہمی بلکہ بدگمانی کا شکار ہونے والوں میں خلافت کمیٹی کے رکن اور مولانا محمد علی جوہر کے اخبار "ہمدرد" کے ڈائرکٹر مولانا عبدالماجد دریا آبادی بھی شامل ہیں جس کا اعتراف خود موصوف نے

حضرت تھانویؒ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ہمراہ اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا ہے لکھتے ہیں:۔

"۱۹۲۸ء تھا اور مخاطب روزنامہ "ہمدرد" کا ڈائرکٹر تھا، صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آ جانا ناگزیر سا تھا گفتگو آئی حضرت نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کافور ہو کر رہیں، کون کہتا ہے کہ حضرت "گورنمنٹی" آدمی ہیں لاحول ولاقوۃ۔ جس نے بھی ایسا کہا جان کر یا انجانے بہرحال جھوٹ ہی کہا، یہ تو خالص مسلمان کی گفتگو تھی مسلمان بھی ایسا جو جوش دینی اور غیرت ملی میں کسی خلافتی سے ہرگز کم نہیں۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں پہلے پہل اس قسم کی آواز یہیں کان میں پڑی بس صرف حضرت کو ہم لوگوں کے اس وقت کے طریق کار سے پورا اختلاف تھا لیکن یہ اختلاف کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں"۔

(نقوش صـ۲۲)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا سیاسی مسلک اور آپ کی سیاسی خدمات

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحومؒ کا سیاسی مسلک بالکل وہی تھا جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا تھا حضرت مولانا مرحوم تحریک خلافت کے طریق کار اور کانگریس کی متحدہ قومیت کے ساتھ اختلاف کرنے میں نہ صرف یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے ساتھ تھے بلکہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ کے دستِ راست اور علمی اور تحریری خدمات میں پیش پیش اور شریک کار ہو کر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مسلک کی توضیح اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر مولانا مرحومؒ ہی

اور مرجوح کیا ہے مگر اتنی بات واضح ہے کہ ہر جماعت کو کسی ایک ہی کام پر نہیں لگ جانا چاہیئے بلکہ تقسیم کار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مختلف شعبوں میں مختلف خدمات انجام دینی چاہئیں۔ اگر ہم اس حکیمانہ ہدایت پر عمل پیرا ہوں اور دین کے تمام شعبوں میں مل جل کر کام کریں تو ان میں کیسی ہم آہنگی پیدا ہو سکتی ہے حق تعالےٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا کا مثالی اعتدال

جماعتی تعصب اور تحزب کا ظہور اچھے اچھے خلوص سے کام کرنے والوں میں بھی کسی ایک جماعت سے وابستہ ہو جانے کے بعد ہونے لگتا ہے اور اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کسی کی ذاتی یا جماعتی موافقت اور مخالفت میں یکطرفہ ذہن سے ہی کام لیا جانے لگتا ہے۔ مگر حضرت مولانا مرحوم کی کسی تحریر یا آپ کے طرزِ عمل میں اس طرح کا گمرہی تعصب و غلو کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ بلکہ آپ کی طبیعت اور مزاج میں حد درجہ مثالی اعتدال اور انصاف پایا جاتا ہے جو قابلِ تقلید اور لائق عمل ہے۔ چنانچہ تبلیغی کام کرنے والوں کی مختلف جماعتوں کے ساتھ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے آپ کا طرزِ عمل اور ان کے بارے میں آپ کی تحریرات اس پر شاہد عدل ہیں۔ اس کی ایک مثال مودودی صاحب کے ساتھ آپکا طرزِ عمل بھی ہے۔ مودودی صاحب کو ۱۹۵۳ء میں فوجی عدالت نے گرفتار کر کے پہلے پھانسی کی سزا تجویز کی پھر اسکو ۱۴ سال کی قید میں تبدیل کر دیا۔ حضرت مولانا مرحوم کو باوجودیکہ مودودی صاحب کے ساتھ اُن کے بہت سے نظریات میں اختلافات تھے۔ اور ان کے طرزِ عمل سے حضرت مولانا متفق نہیں تھے جس کا اظہار بھی مولانا برملا فرما رہے تھے مگر پھر بھی حضرت مولانا مرحوم نے جو اس وقت ڈھاکہ میں تشریف فرما تھے فوجی عدالت کے اس حکم پر جلسہ عام میں کڑی نکتہ چینی فرمائی۔ اگرچہ مودودی صاحب کے اس وقت کے بعض غالی مخالفین کے دلوں میں حضرت مولانا مرحوم کے اس طرزِ عمل سے شکایت پیدا ہوئی اور اُنہوں نے اس کو پسند نہیں کیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مولانا مرحوم نے کسی کی شخصی حمایت اور ذاتی نظریات سے قطع نظر اسلام کے متفقہ مسئلہ ختم نبوت اور مسئلہ قادیانی کی تائید کے لیے اس طرزِ عمل کو اختیار فرمایا تھا اس سے نہ تو مودودی صاحب کے نظریات اور اُن کی شخصیت کی حمایت مقصود ہو سکتی تھی اور نہ ہی کسی کی ذاتی وجاہت اور علمیت سے بے جا تاثر کا یہ نتیجہ تھا۔ چونکہ مودودی صاحب کی علمی حیثیت کا اظہار تو حضرت مولانا مرحوم نے براءۃ عثمان کے مقدمہ میں اپنے ان الفاظ سے فرما دیا ہے کہ:۔

"معلوم ہوا کہ بعض صحافی علماء نے ان کی شان رفیع میں ایسے کلمات استعمال کئے ہیں جو نازیبا ہیں" (براءۃ عثمان ص ۱۰)

اور جب مولانا کے اس طرزِ عمل کے بارہ میں خود مولانا کے سامنے ہی انوار النظر ص ۴۲ کے حوالہ سے اس اندیشہ کا اظہار کیا گیا کہ بعد کے لوگ اسے مودودی صاحب کے عظمت پر دلیل بنانا چاہیں گے کہ حضرت مولانا بھی اُن کے تبحر علمی کے قائل تھے تو اس کے جواب میں حضرت مولانا مرحوم نے مودودی صاحب کے علمی مقام کو بڑے واضح الفاظ میں متعین فرما دیا ہے وہ الفاظ یہ ہیں "انوار النظر کے کسی لفظ سے بھی مولانا مودودی کے تبحر علمی پر استدلال نہیں ہو سکتا وہ محض صحافی مولانا ہیں جیسے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علیخاں ایڈیٹر زمیندار تھے۔" (البلاغ)

اس سے واضح ہے کہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا مودودی صاحب کو مولانا لکھ دینا جیسا کہ اُن کے لیے علمیت کی سند عطا کر دینے کی دلیل نہیں ہے اسی طرح اس پر چیں بچیں ہونا بھی حقیقت فہمی سے دُور ہے۔ اس لیے کہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو مودودی صاحب کے لیے معمول کے مطابق اسی طرح استعمال کیا ہے جیسا کہ عام طور پر محمد علی جوہر وغیرہ غیر علماء کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس پر نہ تو کسی کو اعتراض ہی ہوتا ہے اور نہ اس لفظ کو ان کی عظمت کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔

اسی طرح مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے جب محمود احمد عباسی صاحب کی تحریرات میں حد سے تجاوز اور اہلسنت والجماعت کے مسلک سے خروج محسوس فرمایا تو ایسے لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو عباسی صاحب کی تحریرات کی مدح سرائی میں لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ مولانا علی محمد صاحب مرحوم ٹوبہ ٹیک سنگھ کے نام اپنے ایک مکتوب میں حضرت مولانا مرحوم ارقام فرماتے ہیں:۔

"مولانا سلطان احمد صاحب سے کہہ دیجئے کہ محمود عباسی کی کتاب کی شان میں قصیدہ خوانی مناسب نہیں ہے اس سے لوگ پوری کتاب کو اسلام کی رُوح سمجھیں گے حالانکہ اس کی بعض باتیں غلط ہیں"

غرضیکہ حضرت مولانا مرحومؒ کے مزاج مبارک میں حد درجہ انصاف اور مثالی اعتدال و توازن پایا جاتا تھا۔ ہر جماعت اور ہر شخص کو اس کے درجہ پر رکھ کر اس کے ساتھ وہی معاملہ فرماتے تھے جس کا وہ ازرُوئے

انصاف حق دار ہوتا تھا۔ کسی کی حمایت اور مخالفت میں حدود سے تجاوز نہیں فرماتے تھے جیسا کہ عام طور پر آج کل دیکھا جا رہا ہے۔ کسی کی حمایت اور مخالفت کرنے میں حدود انصاف کو پامال کر دیا جاتا ہے۔ جس کی مخالفت کی جاتی ہے اس کے محاسن بھی معائب کر کے دکھلائے جاتے ہیں۔ اور جس شخص کی حمایت مقصود ہوتی ہے اور اس کے معائب پر بھی طرح طرح سے تاویلیں کر کے پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلکہ ان معائب کو محاسن بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالےٰ نے اس افراط و تفریط سے بالکل محفوظ رکھا تھا۔ وہ حمایت اور مخالفت میں حدود انصاف کو پوری طرح ملحوظ رکھتے تھے اور خدا ناصعاد ۶ ماکد دپر پوری طرح عامل تھے۔ آپ کی پوری زندگی اور بے شمار تحریرات اس کا ثبوت اور اس پر گواہ ہیں۔

باب ششم

سلوک و تصوّف اور تربیّتِ باطن

درسیات سے فارغ ہو کر ۱۳۲۸ھ میں مولانا نے جب حج کا ارادہ کیا تو حج سے پہلے اپنی تربیتِ باطنی کے لیے بیعت ہونا مناسب سمجھا۔ اس وقت حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حکیم الامت تھانویؒ دو بزرگ ایسے تھے جن سے بیعت ہونے کا خیال مولانا کو ہوتا تھا مگر اس بارہ میں فیصلہ کرنے کے لیے مولانا نے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ "تم دیکھتے ہو کہ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے بعد مولانا خلیل احمد کا دروازہ پکڑا ہوا ہے اور میاں ظفر یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ اُن کے یہاں بڑا کون ہے؛ مگر طریق سلوک میں آج حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سب سے بڑھے ہوئے ہیں"۔

اس پر حضرت مولانا نے حضرت سہارنپوریؒ سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا تمہارے گھر میں پیر موجود ہیں ان سے بیعت ہو جاؤ اور کسی دوسرے سے بیعت ہونا چاہو تو اُن سے اجازت حاصل کر کے بیعت ہونا۔ مولانا نے اپنے استاد عبداللہ گنگوہی کے واسطہ سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں اپنے قلبی میلان کا تذکرہ کر کے دریافت کیا کہ حضرت کے

نزدیک جہاں میرا حصّہ ہو بتلا دیا جائے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ تم مولانا خلیل احمد سے بیعت ہو جاؤ اس صورت میں مجھ سے بھی نفع پہنچتا رہے گا۔

حضرت مولانا سہارنپوریؒ سے بیعت

مولانا نے سہارنپور حاضر ہو کر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے صورتِ حال عرض کر کے دوبارہ بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے بیعت فرما کر ذکر و شغل اور ادعیہ ماثورہ متعلقہ اوقات مختلفہ کی پابندی کا حکم فرمایا۔ اس بیعت کا مختصر حال خود مولانا مرحوم کا بیان فرمودہ تذکرۃ الخلیل سے نقل کیا جاتا ہے۔

"اس کے بعد آپ نے اپنے دستِ مبارک میں میرا ہاتھ لے کر حسب معمول بیعت فرمایا اور پھر دو سو بار ذکر نفی اثبات اور دو ہزار مرتبہ اسم ذات کی تلقین فرمائی اور خود باقاعدہ کر کے دکھلایا کہ چار زانو بیٹھ کر آنکھیں بند کر کے لا الٰہ کو کامل حد کے ساتھ گردن کی دائیں طرف لے جا کر الا اللہ کو قلب پر ہلکی ضرب کے ساتھ ختم کیا۔ دو تین بار اس طرح کر کے دکھلایا اور فرمایا مشائخ کا معمول یونہی ہے اور اسی طرح سکھلاتے آئے ہیں۔ اسی طرح نفع زیادہ اور جلدی ہوتا ہے اس کے بعد ذکر اسم ذات بھی خود کر کے دکھلایا اور پھر فرمایا حصن حصین سے ادعیہ ماثورہ متعلقہ اوقات و حالات مختلفہ معلوم کر کے ان کا بھی ورد کیا جائے اور چلتے پھرتے تسبیح ہاتھ میں رکھ کر شغل پاس انفاس کی مشق کیجائے۔ اوپر کے سانس اور نیچے کے سانس میں ہُو کا تصور کیا جائے۔ یہ بہت ثمر انوار و برکات ہے۔ نیز اسم ذات میں یہ تصور کیا جائے کہ لفظ اللہ کے ساتھ ایک نُور مُنہ سے

نکلتا ہے جو میرے سارے جسم کو محیط ہے اور پھر احاطہ کو اس قدر وسیع کیا جائے گویا تمام عالم کو محیط ہے اور تم اس میں فانی ولاشئی ہو۔ اور لاالٰہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب سے میں تمام ظلمات علائق ماسوا اللہ کو پس پشت پھینک رہا ہوں اور الا اللہ میں یہ تصور کیا جائے کہ قلب انوار محبت وعظمت حق سے پر ہو گیا۔ (تذکرہ صہ ۴۲۱)

سفر حج کے بعد مولانا کا تقرر بطور مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ہی میں ہو گیا تھا اس طرح مولانا کو اپنے شیخ ومربی کا قرب جسمانی بھی سالہا سال تک نصیب رہا اور درس وتدریس کے ساتھ حسب ہدایت حضرت شیخ ذکر وشغل کا سلسلہ بھی مولانا نے جاری کیا۔ شب کو مولانا کا قیام مدرسہ قدیم کی سب سے بلند عمارت میں رہتا تھا اس لیے مدرسہ قدیم کی مسجد میں صبح کی اذان بھی مولانا کے سپرد تھی اور اسی مسجد میں نماز بھی مولانا مرحوم ہی پڑھایا کرتے تھے۔

مولانا کو حضرت سہارنپوری کی تاکید تھی کہ تہجد کے بعد ذکر اللہ اتنی بلند آواز سے کیا کریں کہ حضرت کو ذکر اللہ کی آواز پہنچتی رہے۔ حضرت کا مکان مدرسہ کے قریب ہی تھا۔

حضرت سہارنپوری کا دستور تھا کہ فجر کی سنتیں گھر پڑھ کر جماعت فجر سے پندرہ بیس منٹ پہلے مدرسہ میں تشریف لاتے اور اپنے حجرے کی دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ جاتے خدام حاضر خدمت ہو جاتے، اس وقت حضرت کی توجہ خدام کے حال پر بہت زیادہ ہوتی تھی۔ مولانا اپنا حال خود فرماتے ہیں کہ: مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دل کو دبا لیا ہے کہ اِدھر اُدھر توجہ نہ رہے

اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہمہ تن متوجہ رہوں۔"

حضرت سہارنپوری مولانا کے حال پر خصوصی توجہ اور ذکر اللہ کی نگرانی بھی فرماتے تھے اور ذکر کے اثرات کا اظہار بھی فرماتے رہتے تھے ایک مرتبہ فرمایا "ماشاء اللہ مولوی ظفر کا ذکر نفی اثبات کامل ہو گیا ہے۔"

یہ ارشاد حضرت شیخ سہارنپوری کی طرف سے مولانا کے ذکر اللہ میں کامل ہونے کی شہادت اور کمال رسوخ کی دلیل ہے۔

شیخ سہارنپوری سے قلبی ربط

بارہا کا واقعہ ہے کہ مولانا اپنے اسی بالائی حجرہ میں مشغول ذکر ہوتے اور دفعتہً مولانا کے دل کو حضرت شیخ سہارنپوری کی کشش ہوتی۔ مولانا نیچے اتر کر آتے تو دیکھتے کہ حضرت شیخ ٹہل رہے ہیں۔ مولانا پوچھتے کہ کچھ مجھے فرمانا ہے تو حضرت فرماتے کہ ہاں پلنگ پر بستر بچھا دو ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا فوراً بستر بچھا دیتے اور حضرت شیخ کے پاؤں دبانے لگتے۔ کبھی کسی اور کام کے لیے ارشاد فرماتے۔ غرضیکہ حضرت شیخ کو مولانا مرحوم کے حال پر بہت ہی توجہ تھی اور مولانا کو بھی حضرت شیخ کے ساتھ بڑا قلبی تعلق اور ربط کامل تھا۔ اور محبت شیخ اور عقیدتِ مرشد میں فناء کے درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔ ایک خط میں اپنے باطنی حالات لکھتے ہوئے مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تاثرات کا ایک فارسی نظم میں اظہار کیا تھا۔ اس نظم کا ایک شعر یہ ہے ؎

بیا بیاؤ تماشائے خود نظارہ کن
چہ گل شگفتہ بدل از نسیم کوئے خلیل

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ

مولانا کی تربیت باطنی میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کی توجہ کا بھی بڑا دخل ہے۔ حضرت مولانا کاندھلوی مرحوم بعض مرتبہ مسجد قدیم کی مسجد کے بالائی حجرہ میں مولانا کے ساتھ مل کر ذکر اسم ذات دو ضربی اللہ اللہ دیر تک کیا کرتے تھے مولانا خود فرماتے ہیں کہ :-

"اس کی حلاوت مجھے آج تک یاد ہے"۔

آخری توجہ

مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے اس رات کو جس کی صبح کو اشراق کے وقت آپ کا انتقال ہونے والا تھا، بڑی تاکید سے مجھے اپنے مکان پر سونے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حسب الحکم مولانا شب بھر مولانا موصوف کے قریب ہی رہے۔ آخری وقت میں بھی سامنے ہی حاضر تھے۔ سورہ یٰسین شریف پڑھتے تھے۔ اور قلب کی طرف متوجہ تھے۔ حضرت مولانا کاندھلویؒ سے ایک خاتون مسماۃ حاجرہ بیعت تھیں اور بڑی صاحب احوال تھیں۔ انہوں نے حضرت مولانا کاندھلویؒ کو ان کے انتقال کے بعد عالم واقعہ میں دیکھا اور شکایت کی کہ آپ نے آخری نظر مولوی ظفر پر ڈالی مجھ پر نہ ڈالی۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے فرمایا کہ :-

"یہ میرے اختیار کی بات نہ تھی"

یہ روایت مولانا نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے سُنی تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف رجوع

تربیت باطنی کے سلسلہ میں مولانا کو عالم رویا میں بعض بزرگوں کی طرف سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ

ہو رہا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا نے خواب میں دیکھا کہ قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ فرما رہے ہیں کہ :-

"تم کو نسبت تو حاصل ہے لیکن اپنے اخلاق کی اصلاح کے لیے مولانا اشرف علی سے رجوع کرو" (اشرف السوانح)

اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آگیا کہ شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا شیخ خلیل احمد سہارنپوریؒ نے سفر حج کا ارادہ فرمایا اور بظاہر ہجرت کا خیال معلوم ہو رہا تھا اس زمانہ میں مولانا نے اپنے ماموں حکیم الامت تھانویؒ کی طرف تربیت باطنی کے لیے رجوع کیا۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف رجوع کرنے کے بعد مولانا کو جو حالات باطنہ اور مدارج روحانیہ پیش آتے رہے وہ حضرت تھانویؒ کے معمول کے موافق ضبط تحریر میں آتے گئے۔ کیونکہ حضرت تھانوی کے یہاں ذاکرین و شاغلین کی خط و کتابت، تربیت السالک میں محفوظ کر لی جاتی تھی۔ اس طریقہ کے موافق حضرت تھانویؒ نے مولانا کے خطوط متعلقہ تربیت کو انوار النظر فی آثار الظفر کے نام سے موسوم کر کے تربیت السالک میں شائع فرمایا تھا۔ مولانا کے یہ خطوط تربیت السالک کے مطبوعہ مجموعہ جو کہ بڑی تقطیع کے ۱۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے اس کے ص ۱۹۰ سے ص ۲۱۰ تک تو مسلسل درج ہیں اس کے بعد بھی ص ۷۶۹، ص ۸۳۰، ص ۸۴۲، ص ۸۵۰، ص ۹۰۳، ص ۹۲۲، ص ۹۲۳، ص ۹۳۶، ص ۹۵۵، ص ۹۵۷، ص ۹۵۸، ص ۹۶۰، ص ۹۸۲، ص ۹۸۳، ص ۹۹۸، ص ۱۰۰۱، ص ۱۰۰۶، ص ۱۰۱۲، ص ۱۰۷۵ پر درج ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم نے ان تمام خطوط کو تربیت السالک سے نقل فرما کر اپنے سوانح انوار النظر حصہ دوم کا جز بنا کر شائع کر دیا ہے۔ تربیت السالک

میں شائع شدہ ان خطوط کے پڑھنے سے واضح ہے کہ حضرت مولانا کو راہ سلوک میں بڑے بڑے احوال رفیعہ پیش آئے تھے اور بہت ہی اُونچے اُونچے مقامات کی سیر کرانے کے بعد حضرت تھانویؒ نے آپ کو اجازت و خلافت عطا فرمائی تھی۔ اس کی تفصیل ان خطوط کے پڑھنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ حضرت مولانا مرحوم ارقام فرماتے ہیں:۔

"ان خطوط میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ حضرت حکیم الامتؒ نے مجھے سلسلہ چشتیہ میں اجازت (اور خلافت) سے بھی نوازا ہے۔" (انوار النظر صـ۴۶ ج ۲)

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ دونوں درباروں سے استفادہ کرنے اور فیض یاب ہونے کے بعد حضرت مولانا مرحوم کا باطن دو آتشہ بن گیا تھا۔ اور حق تعالےٰ شانہٗ نے آپ کو نسبت نبوت اور نسبت ولایت دونوں رنگوں سے رنگین کر کے نسبت رشیدیہ، خلیلیہ، نقشبندیہ اور نسبت اشرفیہ چشتیہ دونوں نسبتوں کا جامع بنایا تھا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں:۔

"اگرچہ میں کچھ نہیں اور واللہ کسی قابل نہیں مگر الحمد للہ کہ حق تعالےٰ نے مجھے جامع نسبتین (نسبت رشیدیہ، حنفیہ، نقشبندیہ نسبت امدادیہ، اشرفیہ چشتیہ بنایا تھا۔ الحمد للہ والشکر۔

یک جہاں بار امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

نسبت تمکین و انتہا نسبت تمکین و انتہا جس کی طلب میں ایک عالم حیران و پریشان ہے اور دولت وصال اور

نعمت حضوری کے حصول پر مولانا کو حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے خطوط میں مبارک باد بھی دی ہے اور سالک و واصل کو جو جو ملکات فاضلہ اور مقامات عالیہ حاصل ہوتے ہیں جا بجا اُن کے تمکن پر مسرت کا اظہار بھی فرمایا ہے یہاں تک کہ انتہاء عروج کے بعد نزول کے عطا ہونے پر بھی حضرت مُرشد تھانویؒ نے حضرت مولانا کو مبارک بادی سے نوازا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ یہی وہ نزول ہے جس کو شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے "ما النھایہ" انتہا کیا ہے؟ کے جواب میں "العود الی البدایہ" شروع کی طرف لوٹنا ہے سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ مولانا مرحومؒ کے عرض حال پر ایک والا نامہ میں حکیم الامتؒ نے ارقام فرمایا ہے:۔

"میرے وجدان میں یہ نسبت تمکین ہے جو بعد تلوین عطا ہوتی ہے مبارک ہو۔" (انوار النظر صـ۶۹)

خلافت و اجازت بیعت چونکہ حضرت مولاناؒ کے اصل پیر طریقت اور پہلے شیخ ارشاد و تربیت حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تھے اس لیے مولانا کو ذکر و اذکار کی تعلیم اور تربیت باطنی کا سلسلہ ابتداء سے ہی حضرت سہارنپوریؒ سے ہی وابستہ تھا اس کے بعد حضرت سہارنپوری کے سفر حجاز کے زمانہ میں حضرت مولانا نے اپنی باطنی تربیت اور تکمیل سلوک کے لیے حضرت مُرشد تھانویؒ کی طرف رجوع فرمایا تھا۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نظر بصیرت میں باوجودیکہ مولاناؒ کو مقامات سلوک میں رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور ایسے احوال رفیعہ کے حصول سے آپ مشرف ہو چکے تھے جن کے حصول پر کوئی سالک طریق خلافت و اجازت بیعت دیئے جانے کا اہل قرار پاتا ہے اور مقام ارشاد و ہدایت پر متمکن ہو سکتا ہے مگر حضرت مُرشد تھانویؒ

پر عبدیت اور تواضع کے غلبہ کے ساتھ اپنے اکابر کے ساتھ ادب کا غلبہ بھی قابل تقلید تھا۔ اس لیے حضرت سہارنپوریؒ کے تربیت یافتہ مسترشد اور روحانی فرزند کو خلافت و اجازتِ بیعت دینے میں تامل فرماتے رہے چنانچہ ایک والانامہ میں حضرت مُرشد تھانویؒ نے اس کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا:۔

"میرے نزدیک تم اس کے اہل ہو کہ تم کو تلقین و تعلیم اور بیعت لینے کی اجازت دیدی جائے، اگر یہ اجازت دینا موہم تصرف فی ملک الاکابر نہ ہوتا تو میں اجازت دے دیتا۔" (انوار النظر ص ۲۹)

مگر اس راہ کی مشکلات کے حل تلاش کر لینے اور الجھے ہوئے معاملات اور پیچیدہ گتھیوں کے سلجھانے کے تو حضرت مُرشد تھانویؒ بادشاہ تھے۔ چنانچہ اپنی طرف سے اجازتِ بیعت دینے اور استخلاف کی بھی ایسی صورت حضرت تھانویؒ نے نکال ڈھونڈی جس میں ادب طریق کی بھی پوری رعایت ملحوظ تھی اور وہ صورت یہ تھی کہ سلسلۂ چشتیہ میں اپنی طرف سے خلافت و اجازت بیعت سے نواز دیا۔ اور دوسری نسبت میں تصرف نہیں فرمایا چنانچہ حضرت تھانویؒ کے گرامی نامہ کے الفاظ ذیل سے واضح ہے:

"رہا قصہ استخلاف کا جس میں تصرف فی ملک الاکابر کا مجھ کو وہم تھا اب یوں سمجھ میں آیا کہ ایک نسبت کا استخلاف میں نافذ کر دوں اور دوسری نسبت میں تصرف نہ کروں۔" فانفذته توکلا علی اللہ و افوض امری و امری الی اللہ۔" (انوار النظر ص۳۰)

اس کے بعد حضرت تھانویؒ نے حضرت مولانا کا اسم گرامی اپنے خلفاء کی فہرست میں شامل فرمالیا اور حسب معمول تتمہ رابعہ تنبیہات وصیت بابت ۱۳۳۴ھ

میں بالفاظ ذیل آپ کے نام کا اعلان فرمادیا:"

(۳۰۔ مولوی ظفر احمد دیوبندی سابق و تھانوی حال ہمشیرہ زادہ احقر بتخصیص سلسلہ علیہ چشتیہ)

اس وقت تک حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سفر حرمین سے واپس تشریف نہیں لائے تھے جب حضرت مولانا شوال ۱۳۳۴ھ میں تھانہ بھون سے حسب معمول مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اپنی جگہ پر پہنچے تو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے مولانا کو اس پر مبارک باد دی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کی طرف سے اجازت و خلافت سے نواز دیا ہے۔

مولانا نے عرض کیا کہ پوری مبارک باد تو جب ہوگی کہ حضرت مولانا خلیل احمد بھی اس کی تصدیق فرمادیں۔ مولانا کاندھلوی نے فرمایا کہ وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ فرمادیں گے اور تمہارا شیخ تو میں بھی ہوں۔ میں تم کو اپنی طرف سے اجازت و خلافت دیتا ہوں۔ مولانا نے عرض کیا واقعی آپ بھی میرے شیخ ہیں آپ کی طرف سے اجازت و خلافت بھی میرے لیے بڑی نعمت ہے جس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ ہمارے مولانا مرحوم کو اس کا افسوس رہا کہ حضرت مولانا خلیل احمد کی سفر حرمین سے واپس تشریف آوری اس وقت ہوئی جب مولانا محمد یحییٰ صاحب کی وفات ہوگئی تھی۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی تصدیق — حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کے سفر حرمین سے واپسی

پر حسب ارشاد حضرت حکیم الامت تھانویؒ مولانا مرحوم نے وہ خطوط جن میں سلسلہ چشتیہ میں خلافت و اجازت بیعت دی گئی تھی حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں

پیش کر دیئے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے اس وقت تو اس اجازت کو قبل از وقت فرمایا اور برابر ذکر و اذکار اور کام میں لگے رہنے کی ہدایت فرمائی۔ پھر ایک سال کے بعد حضرت مولانا سہارنپوری نے بھی اس کی تصدیق فرمادی اور فرمایا کہ میں اس وقت سفر حجاز سے آیا تھا تمہارے حالات میں غور کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اب میں نے غور کر لیا ہے۔ مبارک ہو اللہ تعالےٰ نے نسبت باطنہ سے نواز دیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی اجازت کو صحیح سمجھو۔ اللہ تعالےٰ مزید برکت اور ترقی عطا فرمائیں۔

اس طرح حضرت مولانا مرحوم کو بارگاہِ اشرفی اور دربار خلیلی دونوں سے فیض روحانی حاصل ہو کر نسبت چشتیہ اور نقشبندیہ دونوں نسبتوں کی جامعیت کا شرف حاصل تھا مگر اس پر بھی حضرت مولانا مرحوم کی انکساری اور بے نفسی کی یہ حالت تھی کہ نہ تو ان نسبتوں کے حصول کو کبھی اپنی قابلیت کا ثمرہ سمجھا اور نہ اجازت بیعت و خلافت کے عطا ہونے کو اپنی اہلیت پر معمول فرمایا۔

چنانچہ اس اجازت و خلافت کے عطا ہونے کے بعد اپنی اس دلی کیفیت کا جو حال مولانا مرحوم نے اپنے پیر و مرشد حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا تھا وہ یہ تھا:۔

" دل کی عجیب کیفیت ہوئی ندامت و خجالت سے آنسو آگئے، چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا؛ نا چیز اور یہ بار امانت خدا کی شان اور اسکا فضل و احسان میں اور کیا عرض کروں میں تو کچھ تھا نہ ہوں البتہ ؎

جمال ہمنشیں در من اثر کرد　　　وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

عجز و انکسار کے ساتھ اس فضل خداوندی کا شکریہ ادا کرتا ہوں"۔ انوار النظر ص۹۰

حضرت مرشد کی طرف سے عطیہ اور نعمت کے حصول پر عجز و انکسار کے ساتھ شکریہ ادا کرنا بڑی خوش بختی اور سعادت مندی کی دلیل ہونے کے علاوہ دولت باطنی میں رسوخ اور مدارج سلوک میں ترقی اور کمال کا سبب بھی ہوتا ہے۔

عبدیت و فنا اور غلبۂ تواضع

عبدیت و فناء اور تواضع میں حضرت مولانا مرحوم کا خاص مقام تھا۔ چنانچہ مولانا کے حالات پر مشتمل ایک خط کے جواب میں حضرت مرشد تھانویؒ نے اس مقام کے حصول کی ان الفاظ میں تصدیق فرمائی ہے:۔

" یہ غلبہ تھا تواضع کا مرتبہ فنا تک پہنچا ہوا "

ایک والا نامہ میں حضرت مرشد تھانویؒ نے یوں ارقام فرمایا ہے:۔

" یہ غلبہ ہے عبدیت و فناء کا "

مولانا نے گوناگوں مقامات عالیہ پر فائز ہونے اور رنگا رنگ نسبتوں سے رنگین ہونے کو ہمیشہ فضل خداوندی سمجھا اور اپنے مشائخ کرام کے برکات اور توجہ خلیل و اشرفی کا فیضان تصور کیا اس لیے اس پر نہ تو کبھی فرحاں ہو کر عجب و پندار میں ابتلاء کی نوبت آئی اور نہ ہی ان کمالات کو اپنی ذاتی قابلیت کا ثمرہ سمجھ کر اس پر فخر و مباہات سے سر بلند کیا بلکہ تواضع و انکسار اور عجز و نیاز کو ہمیشہ بنائے رکھا اور ہمیشہ اپنی عدم قابلیت اور نا اہلیت پیشِ نظر رہی۔ خود حضرت مولاناؒ نے اپنی جس دلی حالت اور قلبی کیفیت کا اظہار حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حسبِ ذیل اشعار کے ذریعے کیا ہے اس سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہے کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ خودی کو بالکل مٹائے ہوئے تھے اور اپنے کو ان کمالات کا مستحق اور قابل نہیں سمجھتے تھے بلکہ لطف اور رحمتِ خداوندی

کاثمرہ عطا فرماتے تھے۔ وہ اشعار یہ ہیں ؎

مجھ پہ یہ لطفِ فراواں میں تو اس قابل نہ تھا
تیری اس رحمت کے قرباں میں تو اس قابل نہ تھا
یہ تہی دست ازل بھی تیرے در سے اے کریم!
لے چلا ہے بھر کے داماں میں تو اس قابل نہ تھا

واقعہ عُذر از اخذ بیعت

ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ حضرت مولانا پر اس تواضع اور فنائیت کا اس قدر شدت کے ساتھ غلبہ ہُوا کہ آپ نے اپنے پیر و مُرشد حضرت تھانویؒ کے خدمت میں بیعت لینے سے بھی عُذر کر دیا۔ اس حقیقت کا اظہار خود حضرت حکیم الامّت تھانویؒ نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ اعلان فرما کر کیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اعلان کے الفاظ یہ ہیں :۔

" مولوی ظفر احمد صاحب نے غلبہ تواضع سے اس خدمت سے عذر کر دیا ہے۔" (النور بابت ماہ صفر ۱۳۵۹ھ)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے خصوصی تربیت یافتہ اور مسترشد خاص کے حالات سے واقفیت کی بنا، پر اپنی باطنی بصیرت سے مولانا کے اس عذر بیعت کے جس سبب کی تشخیص غلبۂ تواضع سے کی ہے یہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا وہی مقام خاص عبدیت و فناء اور حال رفیع "غلبہ تواضع" تھا جس کا اظہار حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والا ناموں میں ہمیشہ سے ہی فرماتے رہے ہیں۔

مولانا کا ایک خواب

اس مقام کے مناسب حضرت مولانا مرحوم کا ایک خواب اور حضرت تھانویؒ کی طرف سے اس کی تعبیر کا تذکرہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا نے خواب میں دیکھا کہ حکیم الامت تھانویؒ کے خلفاء کی فہرست ایک کاغذ پر لکھی ہُوئی دیکھی تھی۔ اس میں دو درجے مقرر کئے گئے تھے۔ اُوپر کے درجہ پر خلفاء ذلت اور نیچے کے درجہ میں خلفاء دیوانگی کا عنوان تھا اور مولانا مرحوم نے اپنا نام خلفاء ذلت میں دیکھا تھا۔ اس کی تعبیر میں حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا کو مقام عبدیت کے حصول پر جو کہ خاص مذاق نبوّت ہے بڑی مسّرت کے ساتھ مبارک باد دی۔ حضرت مُرشد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا :۔

" ماشاء اللہ مبارک ہو، واللہ بڑی مُسّرت ہوئی ذلت ٹھیک ترجمہ ہے، عبدیت کا یقال طریق معبداء مذلل والتعبد والتذلل وھو معروف اور ظاہر ہے کہ عبدیت خاص مذاق ہے نبوّت کا وہ طریق شورش سے کہ مراد ہے دیوانگی سے افضل ہے فطوبیٰ لکم ثم طوبیٰ لکم "

جب جناب حسام اللہ صاحب شریفی نے حضرت مولانا مرحوم کے حالات معلوم کرنے کے لیے چند سوالات ارسال کئے تو اُن کے جوابات شروع فرمانے سے پہلے بھی اسی تواضع اور عبدیت کا اظہار ان الفاظ سے ہو رہا ہے فرماتے ہیں :۔

" اپنے حالات کیا لکھوں ؟ جس کو فناء کا سبق پڑھایا گیا ہو وہ اپنے وجُود ہی کو گناہ سمجھتا ہے حالات کا کیا ذکر ؟ وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب ؎

تو در دگم شو وصال این است و بس
گم شدن گم کن کمال این است و بس

مگر آپ کی طلب اور حسن ظن کی خاطر کچھ لکھے دیتا ہوں "۔

(انوار النظر ص۳)

علوم و معارف کا القاء

مولانا مرحوم کو ذکر کے وقت غنودگی میں اور خواب میں بھی بڑے بڑے حقائق و معارف کا القاء ہوتا تھا اور علوم صحیحہ کا ادراک کرایا جاتا تھا اور آپ کو بڑی ہی عجیب و غریب تحقیقات سے نوازا جاتا تھا۔

صوفیائے کرام کے نزدیک ایسے علوم صحیحہ اور معارف دقیقہ کا ادراک و کشف ذکر اللہ کے نتائج اور صفائے قلب کے آثار مبارکہ اور تزکیہ باطن کے ثمرات قرار پاتے ہیں۔

ایک دفعہ مولانا ذکر اللہ میں مشغول تھے کہ خود بخود حالت غنودگی طاری ہو گئی اور اسی حالت میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ مولانا کے دل کے اندر دو ستون قائم کر دیئے اور فرمایا :-

" یہ ایک ستون مولانا رشید احمد گنگوہی کا ہے اور ایک ستون مولانا محمد قاسم صاحب کا ہے "

اس حالت کا ذکر جب مولانا نے حضرت حکیم الامت سے کیا تو حضرت موصوف نے اس پر یہ لکھ کر مبارک باد دی کہ :-

" اول نسبت نبوت ہے ثانی نسبت ولایت۔ مولانا گنگوہیؒ پر اول غالب تھی اور مولانا نانوتوی پر ثانی کا غلبہ تھا "

عجیب تحقیق

مقامات انبیاء علیہم السلام کی سیر کے متعلق ایک عالم سے مولانا کی خواب میں عجیب و غریب گفتگو ہوئی جس کو حضرت حکیم الامتؒ نے عجیب تحقیق قرار دیا ہے، وہ عالم فرماتے تھے کہ مقامات انبیاء علیہم السلام میں کسی کو ہوا بھی نہیں لگی، مولانا نے فرمایا کہ مقامات انبیاء علیہم السلام میں رسوخ تو غیر نبی کو نہیں ہو سکتا۔ لیکن محض ان مقامات کی سیر کر لینا اور ان کو جان لینا ممکن ہے۔ اور الحمد للہ میں نے مقامات انبیاء علیہم السلام کی سیر کی ہے۔ صعود تو بہت سہل تھا مگر نزول کے وقت دشواری معلوم ہوتی تھی "۔

خواب کی اس گفتگو کو جب حضرت مولانا نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے اس پر تحریر فرمایا :-

" مقامات انبیاء علیہم السلام کے متعلق عجیب تحقیق معلوم کرائی گئی جو مجموعہ قولین سے ثابت ہوئی یعنی حصول قوی تو ان مقامات کا غیر نبی کو نہیں ہو سکتا مگر سیر نظری ہو سکتی ہے فاجمتعا " حضرت تھانویؒ کی اس تحریر سے بعینہٖ اسی تحقیق کا حق اور عجیب ہونا ثابت ہوا جس کا ذکر مولانا نے خواب میں فرمایا تھا۔

ایک آیت کے متعلق عجیب و غریب ایک الہامی نکتہ

مولانا نے خواب میں دیکھا کہ ایک مجمع میں ممبر رکھا ہوا ہے اور حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد پر مولانا نے اس آیت کا وعظ شروع کیا : اللہ الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف قوۃ ثم جعل من بعد قوۃ ضعفا و شیبۃ " اور اسکی تشریح میں فرمایا کہ " حق تعالٰے شانہٗ کی عجیب قدرت ہے کہ اول بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر وہ اول ہی سے مضبوط اور قوی ہوتا تو ماں کے

پیٹ سے پیدا نہ ہوسکتا۔ بچہ اول اول ایسا نرم ہوتا ہے کہ اگر اس کے عضو کو موڑنا چاہیں تو مڑسکتا ہے۔ ہوا لگنے سے اس میں قوت آتی ہے۔ پھر جوانی کے بعد کمزوری پیدا ہوتی ہے اس میں یہ راز ہے کہ روح نکلنے سے تکلیف ہوتی ہے اس لیے موت سے پہلے بڑھاپا آتا ہے کہ روح کو نکلنے میں سہولت ہو اور جس کو بڑھاپے میں بھی روح کے نکلنے کے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے یہ محض اظہار قدرت ہے کہ حق تعالےٰ شانہٗ ضعف میں بھی خروج روح سے تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔"

حضرت حکیم الامتؒ نے اس پر تحریر فرمایا:۔

"خواب میں آیت کے متعلق عجیب وغریب نکتہ ظاہر ہوا ایسے منامات بشارت ہوتے ہیں علوم موہوبہ کی حق تعالیٰ مبارک فرمادیں۔"

اسی طرح ایک اور خواب کے جواب میں بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے مولانا کو اعطائے علوم واحوال کی بشارت کے ساتھ مبارک باد دی ہے چنانچہ مرشد تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"تعبیر کا کیا پوچھنا مثالی شکل کے لیے تعبیر کی حاجت ہوتی ہے یہ تو صریح بشارتیں ہیں اعطائے علوم واعمال واحوال کی مبارک ہو۔"

عطائے علوم موہوبہ کی بشارتیں اور اعمال واحوال پر مبارکبادیاں دینے کے ساتھ حضرت مولانا سے لوگوں کو روحانی اور علمی فیض کے پہنچنے کی بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے حضرت مولانا کو بشارتیں دی ہیں اور اس فیضان میں اپنی وراثت کی طرف اشارہ کی بھی نشاندہی فرمائی ہے چنانچہ ایک اور والا نامہ میں حضرت تھانویؒ نے مولانا سے حال اور علمی فیض کے جاری ہونے

کی ان لفظوں میں بشارت دی تھی:۔

"انشاء اللہ اس عزیز سے فیض حالی وعلمی پہنچنے والا ہے۔"

وراثت کی طرف اشارہ

مولانا مرحومؒ نے حالت غنودگی میں دیکھا کہ خواجہ صاحب، حکیم مصطفےٰ صاحب، حضرت حکیم الامتؒ کے مکان میں دسترخوان پر بیٹھے چاول کھا رہے ہیں۔ مولانا بھی ایک رکابی پر بیٹھ گئے جس میں حضرت والا نے کچھ تناول فرما کر کچھ حصہ بچا دیا تھا۔ مولانا کی شکایت پر خواجہ صاحب ہنس کر بولے اور کیا چاہتے ہو؟ تم نے تو حضرت شیخ کے سامنے کا کھانا کھایا۔"

حالت غنودگی کے اس واقعہ پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنی وراثت کی طرف اشارہ کی بشارت سے مولانا کو نوازتے ہوئے اپنی رائے گرامی کا ان الفاظ سے اظہار فرمایا:۔

"وراثت کی طرف اشارہ ہے۔"

خواب میں مولاناؒ کا امامت کرانا اور حضرت تھانویؒ کی نگرانی

ایک مرتبہ مولانا نے خواب میں دیکھا کہ وہ خود نماز کی امامت کر رہے ہیں قرأت جہر سے کر رہے ہیں اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ نماز سے علیحدہ تشریف فرما ہیں۔ حضرت مرشد تھانویؒ نے اس خواب کے جواب میں درج ذیل تفصیلی تحریر سپرد قلم فرمائی اور اپنی نگرانی میں مولانا کے سلوک کی رہبری کرنے کے واقعہ کو اس کی تعبیر قرار دیا۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"امامت رہبری ہے سلوک کی جو کہ بوجہ ذریعہ قرب ہونے کے نماز کی

صورت میں متمثل ہوا۔ اور چونکہ اس رہبری کے لیے اسماع طریق کا مخاطب کو لازم ہے اس لیے قرأت کو بالجہر دیکھا اور چونکہ اس رہبری میں میرا تعلق تم سے متبوعیت کا ہے نہ کہ تابعیت کا اس لیے مجھ کو شریک یعنی مقتدی نہیں دیکھا بلکہ نگرانی کرتے ہوئے پایا چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے۔"

حضرت حکیم الامت تھانوی کی طرف سے مولانا مرحوم کے بارے میں یہ تمام بشرات منامیہ اور عالم واقعات کی تعبیری بشارتیں اللہ کے فضل وکرم سے ایک ایک کر کے ہو بہو ظاہر و نمودار ہوئیں اور سب کی سب حقیقت بن کر رونما ہوئیں اور حضرت تھانوی اپنے اس تربیت یافتہ روحانی وجسمانی فرزند کے علوم ومعارف سے اپنی نگرانی میں لوگوں کو فیضیاب وسیراب ہوتا ہوا دیکھ کر ہمیشہ مسرور ہوتے اور خوشی کا اظہار فرماتے رہے۔

افاضہ باطنی اور طریق تربیت

حسب بشارت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بفضلہ تعالیٰ مولانا مرحوم سے حضرت تھانوی کی حیات میں ہی افاضہ باطنی اور تعلیم وتربیت سلوک کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا آپ کے چشمہ فیض سے صدہا لوگوں کو روحانی اور علمی فیض پہنچا اور اس دریا علم ومعرفت سے ہزارہا خلق خدا فیض یاب اور سیراب ہوئی۔

حضرت مولانا مرحوم کا طریقہ تربیت اور سلوک وتصوف بہت سادہ اور سنت کے موافق سہل اور آسان تھا۔ ساتھ ہی حضرت مرشد تھانوی قدس سرہ کے اصول تعلیم وتربیت کی مطابقت کا اس میں ہر طرح سے لحاظ رکھا جاتا تھا۔ آپ کا طریقہ تعلیم وتربیت معلوم کرنے کے لیے حضرت مولانا کی تعلیمات متعلقہ تربیت کے اس مجموعہ کا ملاحظہ کرنا ہی کافی ہے جو حضرت مولانا کے مسترشد خاص اور خلیفہ مولوی

علی محمد صاحب مدچوری مرحوم کے خطوط متعلقہ اصلاح باطنی کے جوابات میں حضرت مولانا نے ارقام فرمایا ہے اور وہ مجموعہ تربیت حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی نظر انور میں قبولیت کا شرف حاصل کر کے حضرت والا رحمۃ اللہ کی حیات مبارکہ میں الظفر الجلی بالشرف العلی کے نام سے شائع ہوا تھا۔ یہ مجموعہ اول اس بات کی قوی شہادت اور حضرت تھانوی کی طرف سے تصدیق ہے کہ حضرت مولانا مرحوم کا افاضہ باطنی اور تربیت سالکین کا طریقہ حضرت مرشد تھانوی کے بالکل موافق تھا اور آپ کی تربیت باطن اور اصلاح نفس کا طرز حضرت تھانوی کا پسند فرمودہ تھا۔

جس تربیت یافتہ کو ایک عرصہ تک اپنے مرشد ومربی کی زیر نگرانی اپنے متعلقین کی تعلیم وتربیت اور اصلاح نفس کا کام انجام دینے کا موقع میسر آگیا ہو اور اس کو خود مصلح نے اسی راستہ کے نشیب وفراز سے واقف بنا دیا ہو اور تربیت وسلوک کے مشکلات کا حل کا طریقہ عملی طور پر سکھلا دیا ہو تو پھر اس کے طریق اصلاح وتربیت کے قابل اعتماد اور پرثمرات ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ اس کی مثال بعینہ یہ ہے کہ جس طرح کسی طبیب حاذق کے شاگرد رشید کو اپنے استاذ کے مطب میں بیٹھ کر اس کی زیر نگرانی مریضوں کا علاج کرنے اور تجربہ حاصل کرنے کا موقع میسر آگیا ہو تو اس خوش قسمت شاگرد کے لیے جہاں یہ بہت بڑی سعادت مندی کی دلیل ہے اس کے ساتھ ہی یہ بات اسکے طریق معالجہ پر اعتماد اور اس کی تشخیص وتجویز کے لائق اعتبار ہونے کی بھی ماہر استاذ کی طرف سے بڑی وزنی شہادت ہے۔

حقیقت سلوک اور ضرورت تصوف

بعض علماء ظاہر تصوف وسلوک کی حقیقت سے ناواقفیت کی وجہ سے اسمیں کلام کیا کرتے ہیں بلکہ بعض تو اس کو بدعت بتلاتے ہیں۔ حضرت مولانا مرحوم نے ایسے

علماء ظاہر کو سمجھانے کے لیے سلوک و تصوف کی حقیقت کو ظاہر فرما کر اس کے ضروری ہونے پر جو تقریر فرمائی ہے اس کو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے :۔

"حقیقت یہ ہے تصوف نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا یعنی اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ اور معمور کرنا، ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے اور باطن کو عقائد و اعمال باطنہ سے مثل اخلاص و شکر و زہد و تواضع وغیرہ جن کے ضروری ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ آیات قرآنیہ و احادیث نبویہ سے ان کی ضرورت ثابت ہے ان کا حاصل کرنا تو ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔ آج کل بڑی غلطی یہ ہو رہی ہے کہ لوگوں نے شریعت کو صرف اعمال ظاہرہ کا مجموعہ سمجھ لیا ہے۔ اخلاق باطنی کا حاصل کرنا ضروری نہیں جانتے حالانکہ تمام قرآن مجید اخلاص، صبر و شکر اور رضا وغیرہ اخلاق حمیدہ کے حاصل کرنے کا امر اور حسد و تکبر و ریا اور عجب وغیرہ اخلاق رذیلہ کی ممانعت بکثرت وارد ہوئی ہے۔ جب قرآن مجید میں ان چیزوں کے احکام بھی مذکور ہیں تو یہ شریعت سے باہر کیونکر ہو سکتی ہے؟ انہی چیزوں کے حاصل کرنے کا طریقہ تصوف کہلاتا ہے۔ اور اس قدر تصوف تو ہر شخص کے ذمہ فرض ہے۔"

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی عہود محمدیہ کی عبارت کو نقل فرمانے کے بعد پھر فرماتے ہیں :

"تصوف کا ایک درجہ یعنی بُرے اخلاق کی اصلاح اور اچھے اخلاق کی تحصیل یہ تو ضروری اور فرض ہے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ ہے وہ مستحب ہے وہ یہ کہ ظاہری اعضاء کو علاوہ ضروری طاعات کے غیر ضروری طاعات نوافل وغیرہ میں مشغول کرنا اور باطن کو دوام ذکر اللہ میں منہمک کر دینا یہ مرتبہ

در حقیقت مستحب ہے مگر بعض وجوہ سے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے۔"

اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کے رسالہ تکشف سے حقیقت طریقت کو واضح کر کے تحریر فرماتے ہیں :۔

"اب اس بیان کے بعد کوئی بتلائے کہ تصوف ضروری چیز ہے یا نہیں اور جو لوگ اس کو بدعت سمجھتے ہیں انہوں نے ذکر وغیرہ کی خاص ہیئت اور ترکیب کو تصوف کا مقصود سمجھ لیا ہے۔ یا بعض مسائل مثلاً وحدت الوجود کی تحقیق میں تصوف کو منحصر خیال کر رکھا ہے۔ حالانکہ طریقہ ذکر و شغل وغیرہ مثل طبی معالجات کے بتلائے جاتے ہیں۔ نہ وہ عبادت سمجھے جاتے ہیں نہ مقصود اور مسائل زبانی تحقیق کو تصوف سے کوئی بھی تعلق نہیں بلکہ دراصل وہ حالات ہیں جو سالک کو پیش آتے ہیں۔ کبھی سالک کی تسلی کے لیے زبانی بھی ان کو بتلا دیا جاتا ہے۔ تصوف کے تمام اصول و فروع قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ تصوف کی ضرورت اور اس کا ہر طریق مطابق سنت ہونا معلوم کر کے ہر مسلمان پر اس کے ضروری حصہ کا حاصل کرنا واجب ہے۔" (الدر المنضور)

مودودی صاحب کو تصوف کی طرف متوجہ کرتے ہوئے حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں :۔

"نسبت صوفیہ غنیمت کبریٰ اما رسوم ایشان ہیچ نیرزد، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولہ کو پیش نظر رکھ کر نسبت صوفیہ کے حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ کیونکہ اس کے بغیر درجہ احسان حاصل نہیں ہوتا۔ جس پر کمال ایمان موقوف ہے اور اس نسبت کے لیے رسوم صوفیہ یا اُنکے اشغال مروجہ کی اصلاً ضرورت نہیں۔ مگر اہل نسبت کی صحبت از بس

ضروری ہے ؎

قال را بگذار مرد حال شو　　　پیش مرد کامل پامال شو

نیز تصورِ شیخ، معمولہ بعض مشائخ کی حقیقت کا اظہار مولانا مرحومؒ نے ان الفاظ سے فرمایا کہ :-

"تصورِ شیخ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے قلب کو حبِّ دنیا اور علائق ماسوا اللہ سے پاک وصاف کرنا ضروری ہے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ہر چیز کی محبت کو ایک ایک کر کے الگ الگ نکالا جائے یہ راستہ طویل بھی ہے اور بعض کے لیے دشوار بھی۔ اس لیے بعض محققین نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان سب پر کسی ایک کی محبت کو غالب کر دیا جاتے۔ اس کے غلبے سے دوسری اشیاء کی محبت مغلوب و مضمحل ہو کر معدوم یا کالعدم ہو جائیگی۔ پھر اس ایک محبت کا مغلوب کرنا یا نکالنا زیادہ دشوار نہ ہوگا۔ اس کے لیے محبت شیخ کو تجویز کیا گیا کہ اس سے طالب کو فی الجملہ محبت ہوتی ہے اور چونکہ یہ محبت لوجہ اللہ ہے اس لیے اس کا غلبہ محبت حق میں معین ہوگا اس سے مانع نہ ہوگا۔ جب غلبہ شیخ سے دوسری اشیاء کی محبت مغلوب ہو جائے تو حب شیخ کو مغلوب کرنے کے لیے تصور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دی جاتی ہے اس کے بعد فنا فی اللہ کا راستہ شروع کر دیا جاتا ہے۔"

(رسائل وسائل ص ۱۵۲ ج ۲)

فیض ظاہری کی طرح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا فیض باطنی بھی ملک کے گوشہ گوشہ میں عام تھا اور سلہٹ، ڈھاکہ، جیسور اور رنگون وغیرہ دور دراز تک کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔ مشرقی اور مغربی حصوں میں حضرت مولاناؒ کے

تربیت یافتہ لوگوں کی کثیر تعداد ہے۔ آپ سے سینکڑوں بلکہ ہزارہا بندگان خدا نے تعلیم و تربیت حاصل کی اور فیض پایا اور منازل سلوک طے کر کے مقصود تک پہنچے۔

ڈھاکہ اور اس کے اطراف میں خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا مرحومؒ کا فیض بہت لوگوں کو پہنچا۔ ڈھاکہ میں آپ کا عرصہ تک قیام رہا اور ترک ملازمت کے بعد بھی ڈھاکہ سے آپ کا تعلق خاطر ہمیشہ قائم رہا اور تقریباً ہر سال ہی ماہ شعبان اور رمضان المبارک میں آپ کا قیام ڈھاکہ میں ہوتا تھا۔ وہاں کے متوسلین کا تقاضہ رہتا تھا کہ سال میں کم سے کم دو ماہ ہمارے یہاں تربیت و تعلیم کے لیے تشریف لایا کریں۔ اس لیے ہر سال آپ ڈھاکہ کا سفر فرماتے تھے۔ اور ہزاروں متوسلین وہاں کے قیام میں باطنی تربیت حاصل کیا کرتے اور بہت سے تشنگان علوم علمی استفادہ کرتے تھے۔ ایک والا نامہ بنام احقر میں ارقام ہے :

"میں شعبان کے آخر میں ڈھاکہ اور رنگون کے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ ۲ر ذی قعدہ کو یہاں پہنچا ہوں۔"

والا نامہ سے ظاہر ہے کہ اس سفر ڈھاکہ اور رنگون میں آپ کے مسلسل دو ماہ سے بھی زیادہ کا عرصہ صرف ہوا تھا۔

دوسرے والا نامہ میں ہے :-

"الحمد للہ! سفر ڈھاکہ سے واپسی بخیریت ہوئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ڈھاکہ میں جا کر درد وغیرہ کی تکلیف میں کمی ہو جاتی ہے۔ شاید مجھے وہاں کی آب و ہوا موافق ہے۔" ۲ر رمضان ۱۳۸۷ھ۔

مجازین بیعت اور خلفاء

حضرت مولانا سے تربیت باطنی حاصل کرنیوالوں اور روحانی فیض پانے والوں میں بعض ایسے خوش نصیب حضرات بھی ہیں جن کو حضرت مولانا نے اصلاح نفس اور تربیت باطنی کے بعد مشائخ کرام کے معمول کے موافق بقاء سلسلہ اور فیض باطنی کے مسلسل جاری رہنے نیز نسبت باطنیہ مسلسلہ کے تحفظ کی خاطر۔ اجازت بیعت سے بھی نوازا ہے۔ اور اس بار امانت کا مستحق اور متحمل دیکھ کر خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے فیض یافتہ مجازین کی فہرست میں جہاں عربی مدارس کے فیض یافتہ بڑے بڑے علماء شیخ الحدیث اور مشہور خطیب و مدرس نظر آئیں گے وہاں سرکاری مدارس میں تعلیم پانے والے اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ بھی حضرت مولانا کے افاضہ باطنی سے محروم نہیں رہا اور اس طبقہ میں سے بھی متعدد حضرات نے تعلیم و تربیت حاصل کر کے گوہر مقصود کو پالیا اور وہ فائز المرام ہو کر مجاز بیعت اور شیخ طریقت قرار پائے۔

حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے اجازت یافتہ حضرات میں سے بعض حضرات تو حضرت مولانا کی حیات میں وفات پاکر واصل بحق ہو چکے ہیں اور متعدد حضرات اب بھی بقید حیات ہیں۔

وفات یافتہ اور بقید حیات حضرت مولانا مرحوم کے تمام خلفاء اور اجازت یافتہ حضرات کے ناموں کی فہرست آگے آرہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام بقید حیات حضرات کو اصلاح و تربیت کے کام میں مشغول رہنے اور تشنگان معرفت کو سیراب کرنے کی توفیق عنایت فرماتے رہیں اور ان سب حضرات کے ظاہری و باطنی فیوض کو عام و تام فرمائیں۔ آمین۔

اُمید ہے کہ ان حضرات کی تعلیم و تربیت اور اصلاحی خدمات کو بھی حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کی باقیات صالحات میں شمار کیا جائے گا اور ان حضرات کی اس راہ میں سعی اور کوشش کو واسطہ اور وسیلہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے حق میں بلندی درجات کا سبب اور ذخیرۂ آخرت بنا دیا جائے گا۔

طالبین کی خدمت میں احقر کی گذارش

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں نے بڑوں کو دیکھ لیا ہوتا ہے اور ان کو بزرگوں کی صحبت میسر آجاتی ہے تو اُن کی نظروں میں ان کے جانشینوں اور بعد والوں کی کچھ زیادہ قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ مگر طالبین و مقتدین اور اس راستہ میں کام کرنے والوں کے لیے یہ بات ہر وقت پیش نظر رکھنے کی ہے کہ اصل مربی اور ہادی حق سبحانہ و تعالےٰ کی ذات حق ہے۔ شیوخ تربیت اور مرشدین اسم ہادی کے صرف مظاہر اور محض وسائط تربیت و وسائل ہدایت ہوتے ہیں۔ جب کوئی اللہ کا طالب اپنے مولےٰ کی طلب و تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا اور طریق سلوک میں قدم رکھتا ہے تو اللہ تعالےٰ جل شانہ حسب وعدہ ویھدی الیہ من ینیب۔ خود اس کی دستگیری اور رہنمائی کرتے اور اس کی ہدایت کا سامان پیدا فرما دیتے ہیں۔ اور جس طرح وہ ہادیٔ مطلق شیوخ کاملین کو قطع راہ سلوک اور منزل مقصود تک پہنچانے میں ذریعہ اور واسطہ بناتے ہیں اسی طرح اگر حضرت حق سبحانہ کو منظور ہوتا ہے تو ان سے کم درجہ اور فرو مرتبہ بعد والوں کو بھی واسطہ بنا کر اپنا فیض ہدایت طالبین تک پہنچا کر ان کو بامراد بنا دیتے ہیں اور جس طرح بڑے کنوئیں سے پیاسوں کو سیرابی حاصل

ہوتی ہے۔ چھوٹا کنواں بھی پیاسے کی پیاس کے بجھانے کے لیے کافی ہو جاتا ہے اس لیے طالبانِ حق اور تشنگانِ معرفتِ الٰہیہ کے لیے چھوٹے بڑے کسی بھی چشمۂ معرفت سے استغناء اور بے پرواہی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اس کی پیاس بجھانے اور سیرابی کے لیے ہر قسم کے چھوٹے بڑے چشمہ ہدایت اور ہر زمانہ کے شیوخ اور مربی انشاء اللہ تعالیٰ کافی وافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ یہ ارشاد و ہدایت اور فیض رسانی کا یہ سلسلہ زمانہ خیر القرون سے ہمارے زمانے تک اسی طرح چلا آرہا ہے۔ ایک کے بعد دوسرا اُس کی جگہ سنبھالتا رہا ہے لیکن ہر جانے والے کے بعد اس درجے اور مرتبے کا شخص اس کے قائم مقام ہو یہ بہت کم دیکھنے میں آتا ہے پھر بھی استفاضہ اور افاضہ باطنی کا یہ سلسلہ برابر اور مسلسل قائم ہے اور فیاضِ حقیقی کی فیض رسانی کا تسلسل بغیر انقطاع کے ہمیشہ سے دائم ہے۔ اس لیے طالبین سلوک کو یہ سمجھ کر کہ ہماری تعلیم و تربیت کے لیے ان شاء اللہ موجودہ حضرات ہی کافی ہیں۔ جس صاحبِ اجازت سے بھی طبعی انس اور مناسبت پائیں ان کی طرف رجوع کرنے میں دریغ نہ کرنا چاہیئے انشاء اللہ محروم نہ رہیں گے۔

اگر بعد والا مربی اور معلم زیادہ کامل نہیں ہے تو اُوپر والے حضرات تو کاملین میں سے ہیں۔ اس لیے اگر سلسلہ صحیح ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اُوپر والوں کی برکت سے حصہ ملے گا اور ضرور فیض پہنچے گا۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ زمانہ انحطاط اور قحط الرجال کا ہے جن حضرات کو آج کم تر اور کم مرتبہ سمجھ کر ان کے ساتھ بے اعتنائی اور بے توجہی کی جارہی ہے۔ شاید پھر آگے چل کر ایسے حضرات بھی نصیب نہ ہوں اور سوائے کفِ افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ

نہ آئے اس لیے وقت اور موجودہ حضرات کو غنیمت سمجھ کر اپنی اصلاح کے کام میں لگ جانے کی ضرورت ہے۔

معیارِ اجازت و خلافت

اس جگہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلافت دینے اور مجازِ طریقت بنانے کے معیار کا تذکرہ اشرف السوانح سے کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے اس معیار کو سامنے رکھ کر ہر شخص اپنے لیے مصلح اور مربی کی تعیین و تجویز بھی کر سکتا ہے اور خود حضرات مجازین کو بھی اپنی حالت کو ہر وقت اس معیار پر جانچنے اور پرکھتے رہنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ حضرات مجازین کے متعلق دوسرے لوگوں کے حسنِ ظن میں افراط اور غلو کرنے کا بھی اس معیار کو سامنے رکھنے سے اچھی طرح انسداد ہو جاتا ہے جن اوصاف کی بناء پر کسی سالک کو اجازت بیعت دی جاتی ہے اور مجازِ طریقت بنایا جاتا ہے اس کا معیار حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نزدیک سالک میں حسبِ ذیل چند اوصاف کا پایا جانا ہے:۔

" وصفِ اوّلؔ یہ ہے کہ وہ متقی ہو اور وصفِ دوؔم یہ ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کئے ہوئے ہو۔ وصفِ سوؔم یہ ہے کہ اس کو طریق سے محض علمی نہیں بلکہ حالی مناسبت پیدا ہو چکی ہو اور وصفِ چہارؔم یہ ہے کہ اس میں دوسروں کے اصلاح کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی ہو۔ وصفِ پنجؔم یہ ہے کہ اوصافِ مذکورہ میں اس کو بقدرِ ضرورت رسوخ حاصل ہو گیا ہو اور وصفِ ششؔم یہ ہے کہ اس سے یہ توقع بھی ہو کہ گو فی الحال اس کو اوصافِ مذکورہ میں رسوخ کا صرف درجہ ضروریہ حاصل ہوا ہے لیکن وہ آئندہ ترقی کر کے اس رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل کر لے گا۔"

(اشرف السوانح صـ ۲۰۸ جـ ۲)

اور چونکہ کسی کو مجازین میں داخل کرنے کی بناء اوصاف مذکورہ کے درجہ ضروریہ کے تحقق کا شیخ ومربی کو صرف ظن غالب ہی حاصل ہوتا ہے۔ ان اوصاف کے حصول کا یقینی علم نہیں ہوتا اور نہ ایسا یقینی علم ہونے کی کوئی صورت ممکن ہے۔ موجودہ اوصاف کے حصول کے ظن اور درجہ کاملہ کے حصول کی توقع پر اجازت بیعت دے دی جاتی ہے اور اکثر وبیشتر شیخ کا یہ گمان واقع کے مطابق بھی ہوتا ہے اور اس کی یہ توقع صحیح ثابت ہوتی ہے۔

اس معیار کے علم کے بعد جس طرح کسی اجازت یافتہ کو اپنے بارے میں اس غلط فہمی کا کوئی موقع نہیں رہتا کہ ان کو صفت تقوےٰ وصلاح وغیرہ میں اسی وقت رسوخ کا درجہ کاملہ بھی حاصل ہو گیا ہے اور شیخ کی طرف سے اجازت بیعت کمال رسوخ کی شہادت ہے جس سے اپنی اس موجودہ حالت پر قناعت کر کے فکر اصلاح سے غفلت اور باطنی ترقی سے رکاوٹ پیدا ہونے کا امکان تھا۔ بلکہ درجہ کمال کے حصول کی توقع نے اپنے نفس کی نگرانی اور اس کی اصلاح کی فکر میں پہلے سے بھی زیادہ منہمک اور مشغول کر دیا۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ فکر اصلاح سے زندگی کے کسی حصہ اور لمحہ میں بھی نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ صلاح وتقوےٰ کے حصول کے تیقن کی اب کوئی صورت ہی ممکن نہیں ہے۔ اس لیے زندگی کے آخری لمحہ تک ہر لمحہ اپنی اصلاح کی فکر اور دھن میں لگے رہنے کی ضرورت ہے اور حصول مقصود کے لیے ہر وقت کوشاں اور ساعی رہنا چاہیئے۔

اسی طرح خدانخواستہ اگر کسی اجازت یافتہ کی موجودہ حالت میں آئندہ چل کر تغیر محسوس ہونے لگے اور موجودہ حالت باقی نہ رہے یا شیخ

کی توقع کے برخلاف کسی کو متوقع درجے کا رسوخ حاصل نہ ہو تو اجازت دینے والے شیخ کی نگاہ بصیرت اور اس کے کمال معرفت میں کسی قسم کے نقص کا شبہ کرنے اور بدگمانی کے کرنے کا بھی اس معیار کے ملحوظ رکھنے سے پوری طرح سد باب ہو جاتا ہے۔

اس معیار اجازت وخلافت کی بڑی عجیب وغریب تحقیق حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ انکشاف الحقیقۃ عن استخلاف الطریقۃ میں بڑی تفصیل اور پورے بسط کے ساتھ فرمائی ہے اسی رسالہ کا تذکرہ زیر عنوان تالیفات اوپر آچکا ہے۔

اس رسالہ میں حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں:-

" اجازت واستخلاف کی یہ حقیقت زمانہ سابق کے موافق ہے۔ آج کل مشائخ نے بوجہ کوتاہی عمر وقلت فراغ وغیرہ کے کسی قدر توسیع کر لیا ہے۔ یعنی پہلے زمانے میں تو اجازت وخلافت اس وقت دی جاتی تھی جبکہ طالب شیخ کے وجدان یا کشف میں فانی اور واصل ہو چکا ہو اور متاخرین نے یہ دیکھ کر کہ فناء کامل اور وصول کامل حاصل ہونے کے لیے عرصہ دراز کی ضرورت ہے۔ اگر اس درجہ کا انتظار کر کے اجازت دی جایا کرے تو تعلیم وتلقین اذکار کا کام بند ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اس وقت اجازت دے دیتے ہیں۔ جبکہ طالب کو تلون ابتدائی کے مقابل ایک درجہ تمکین کا عطا ہو جاوے اور ذکر اللہ کا غلبہ ایسا ہو جاوے کہ اکثر اوقات ذہول نہ ہوتا ہو اور مقام فناء اور دیگر مقامات سلوک سے کچھ کچھ مناسبت حاصل ہو جاوے گو ابھی رسوخ حاصل نہ ہوا ہو۔ اس درجہ میں پہنچ کر طالب فانی واصل تو نہیں ہوتا مگر وصول

کی قابلیت قریبہ ایسی حاصل ہو جاتی ہے کہ اگر طالب اپنے نفس کی نگہداشت رذائل کبر و عجب وغیرہ تمام معاصی سے اسی طرح کرتا رہے جیسے ابتداءِ سلوک و مجاہدہ کے وقت کرتا تھا اور ذکر و معمولات پر دوام رکھے اور شیخ سے شل سابق تعلق قائم رکھے تو ایک وقت میں ضرور واصل و فانی ہو جائے گا اور اس درجے میں طالب سے ان امور کی امید غالب ہوتی ہے کہ وہ ایسا ضرور کرتا رہے گا۔ اور چونکہ اس وقت طالب کو طریق سے مناسبت معتد بہا حاصل ہو چکتی ہے تو وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ دوسروں کو وصول کا راستہ بتلا سکے اجازت دے دی جاتی ہے۔"

جس طرح ایک طالب علم سند یافتہ مدرسہ سے نکل کر کتب بینی و تعلیم و تدریس کا کام کر کے دس پندرہ سال کے بعد عالم متبحر ہو جاتا ہے اسی طرح وہ طالب بھی جس کو مقاماتِ سلوک سے کچھ مناسبت حاصل ہو چکی ہے اور شیخ نے اس کو اجازت دی دے ہے اگر برابر کام میں لگا رہا۔ اور نگہداشت نفس سے غافل نہ ہوا تو کچھ عرصے کے بعد فانی کامل راسخ و واصل ہو جاتا ہے اور جس طرح کہ وہ طالب علم جو مدرسے سے نکل کر جوتوں کی دکان لے بیٹھے اور دنیا کے دھندوں میں پڑ کر کتب بینی، تدریس وغیرہ سے بالکل جدا ہو جائے تو چند سال میں اس کی وہ استعداد و مناسبت علمیہ بالکل زائل ہو جاتی ہے جو مدرسے سے فارغ ہوتے وقت حاصل تھی۔ اسی طرح وہ طالب جو مقامات سلوک سے قدرے مناسبت حاصل کرنے کے بعد اپنے نفس کی نگہداشت سے غافل ہو جائے اور تمکین کے بعد معاصی کا ارتکاب کرنے لگے اس کی مناسبت مذکورہ زائل اور قابلیت قریبہ مفقود ہو جاتی ہے۔

صاحب نسبت اور صاحب مناسبت کا فرق

ان دونوں کی علامتوں کو حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت واضح الفاظ میں ظاہر فرما دیا ہے جو ہر مجاز کے ہر وقت پیش نظر رکھنے کے قابل ہے۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں:-

فرق "مجازین کو جان لینا چاہیئے کہ صاحب نسبت اور صاحب مناسبت میں بڑا فرق ہے۔ صاحب نسبت سے حق تعالےٰ کو تعلق ہو جاتا ہے اور صاحب مناسبت کو صرف طریق معلوم ہو جاتا ہے۔

صاحب نسبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ حق تعالےٰ ہی کو ہر چیز کا فاعل مشاہدہ کرے۔ مخلوق کے فعل سے نظر بالکل اٹھ جاوے۔ کسی فعل میں مخلوق کو خدا کا شریک نہ پاوے اور یہ مضمون درجہ اعتقاد میں نہ ہو بلکہ ہر وقت وجداناً اس کا مشاہدہ ہوتا ہو۔"

بلکہ وما ھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ۔ جس کا اثر یہ ہو گا کہ مخلوق سے خوف و طمع بالکل ہی منعدم ہو جانے گا (یعنی عقلاً) نیز جب کسی سے حق تعالےٰ کو تعلق ہو گا اور وہ فانی و واصل ہو گا تو اس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اس شخص کا ارادہ اور خواہش بالکل فنا ہو جاوے کہ اپنے واسطے کوئی حالت تجویز نہ کرے جس حالت میں حق تعالےٰ شانہٗ رکھیں اس پر راضی رہے۔ کبر و عجب و حب جاہ وغیرہ سے بالکل بری ہو۔ اگر تکبر و عجب وغیرہ باقی ہیں تو سمجھ لو کہ تم صاحب نسبت اور واصل و فانی نہیں ہو بلکہ تم کو صرف طریق کا علم ہو گیا ہے اور تم

محض صاحب مناسبت ہو۔"

مجازین کے لیے دستور العمل

اجازت کے بعد مجازین کو جن باتوں کا ہر وقت لحاظ رکھنا چاہیئے اور ترقی دائم اور مناسبت طریق کے باقی اور محفوظ رکھنے کے لیے جن باتوں کی رعایت کرنا اور ان پر کاربند رہنا ضروری ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے رسالہ مذکورہ سے انتخاب کرکے ان کا مختصر طور پر تذکرہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ امور حضرت مولانا مرحوم کے متوسلین ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر سلسلہ والوں کے لیے مفید اور اس قابل ہیں کہ ان کو ہر سلسلہ کے مجازین اپنے لیے بطور دستور العمل کے تجویز فرمالیں:

حضرت مولانا مرحوم ارشاد فرماتے ہیں:

"(۱) شیخ سے اپنے کو مستغنی اور مستقل نہ سمجھے بلکہ ہمیشہ اپنے کو اس کا محتاج سمجھے۔ سال بھر میں دو، چار دفعہ کم از کم اُس کی زیارت سے مستفید ہو اور ہر مہینہ خط و کتابت سے اپنے احوال کی اطلاع دیتا رہے۔ اجازت کے بعد اپنے کو شیخ سے مستغنی سمجھ لینا سدِّ راہ اور سم قاتل ہے اور باعث سلب مناسبت ہے۔" اس کے بعد علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المبین والاخلاق کے ص۱۰۵ کی عبارت نقل فرمانے کے بعد حضرت مولانا ارشاد فرماتے ہیں:

"اس عبارت سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ مرید جب شیخ کے مقام پر پہنچ جائے اس وقت تو اس کا دودھ چھوٹتا ہے جس کے بعد شیخ کی احتیاج تربیت میں نہیں رہتی ہے (گو غذی میں نہ رہے) تو جو مرید شیخ کے مقام پر بھی ابھی تک نہیں پہنچا اس کا تو ابھی دودھ بھی نہیں چھوٹا وہ شیخ سے کیونکر مستغنی ہوسکتا ہے اور

آج کل اکثر مجازین کو قبل از وصول مقام شیخ اجازت دے دی جاتی ہے جس کی وجہ اُوپر مذکور ہوچکی ہے۔

(۲) اجازت کے بعد مجاز کو نفس کی نگہداشت اور مجاہدہ سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ مجاہدہ کی اب بھی ضرورت ہے اور ہر وقت رہے گی۔ حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ تمکین کے بعد مجاہدہ کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس وقت طبعی ذوق و شوق اور جوش کا غلبہ نہیں رہتا جس سے قوی نفسانیہ پہلے مغلوب تھے۔ اس وقت قوی نفسانیہ پھر ابھرنا شروع ہوتے ہیں مگر تھوڑی سی توجہ سے نفس درست ہوجاتا ہے۔ جیسے تعلیم یافتہ اور شائستہ گھوڑے بھی کبھی شرارت کرنے لگتے ہیں مگر ذرا سے اشارے سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً کبر و عجب و حب جاہ سے اجازت کے بعد نفس کی نگہداشت پہلے سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ علوم و واردات و رجوع خلق سے ان امراض کا عود کرنا شروع ہوتا ہے۔

(۳) ذکر لسانی کا اجازت کے بعد بھی پابند رہے۔ صرف مراقبات پر اکتفاء نہ کرے۔ معمولات حسب فرصت مناسب مقدار میں مقرر کرکے ان پر ہمت سے دوام کرے۔ معمولات میں تلاوت قرآن اور درود شریف استغفار کی بھی معتد بہ مقدار ہونی چاہیئے۔

(۴) حق تعالےٰ سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہے اور اس نعمت کے حصول پر نازاں و مطمئن نہ ہو، استدراج و مکر سے ڈرتا رہے اور یہ دُعا کرتا رہے کہ خداوندا! اس نعمت کو سلب نہ کیجیو بلکہ روز بروز اس میں ترقی عطا ہو۔ ان مقدمات اربعہ کی اگر مجازین پابندی کرتے رہیں تو انشاء اللہ سلب نعمت سے

ہمیشہ محفوظ رہیں گے "

(النور ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ از ص ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴)

شیخ کے مقام پر مُرید کے پہنچنے کا جو ذکر اُوپر کی عبارت میں آیا ہے اُس کی تشریح خود حضرت مولانا مرحوم نے رسالہ مذکورہ کے حاشیہ میں ان الفاظ سے فرمادی ہے کہ:

"شیخ کے مقام پر پہنچنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شیخ کے برابر ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب مرید کو اپنے شیخ سے خاص تعلق معلوم ہوتا ہے تو بس تعلق و مناسبت کی وجہ سے مرید کو شیخ کے خاص مقام سے بھی تعلق اور مناسبت اور اس کا ذوق حاصل ہوتا ہے گو دونوں کے تعلق و ذوق میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے "

شیخ کی وفات کے بعد اس کے فیوض و برکات کے حاصل کرنے اور اس کی تعلیمات سے استفادہ کرنے کے لیے شیخ کی تالیفات و تصنیفات کا مطالعہ میں رکھنا بہت مفید ہے اور شیخ کے سوانح اور حالات زندگی اور طریق تربیت کا تذکرہ کرتے رہنا اور اس پر عمل پیرا رہنا حضرت شیخ کے ساتھ بقاء تعلق کا باعث اور ازدیاد محبت و انس کا سبب ہوتا ہے اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ارشاد کے موافق بھی حب شیخ کلید سعادت اور مفتاح خیر ہے۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ:

"جس کے اندر دو چیزیں ہیں اتباع سنّت اور حب شیخ اس کو سب کچھ حاصل ہے ان دو چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر ظلمات بھی نظر آتے ہوں تو وہ بھی سب

انوار ہیں اور ان میں سے کسی میں کمی ہے تو پھر اگر انوار بھی نظر آتے ہوں تو وہ بھی سب ظلمات ہیں "

اللہ تعالیٰ یہ دونوں دولتیں علی وجہ الکمال ہم سب خدام کو حضرت اقدسؒ کی تعلیمات و ہدایات کی برکت سے عطا فرمائیں۔ آمین۔

(از خاتمہ السوانح)

یہ تو واضح ہو گیا کہ مرید کو اپنے شیخ کے خاص مقام سے کسی قدر مناسبت اور اس کا کچھ ذوق ہی حاصل ہوتا ہے اُس کی پوری پوری قائم مقامی اور ہر طرح سے اُس کے ساتھ کامل مناسبت کا پیدا ہو جانا تو یہ بہت ہی شاذ و نادر بات ہے ورنہ خاص سے خاص متوسل منتسب اور خلیفہ مجاز کو بھی شیخ کے خاص مقام اور خصوصی ذوق کا ادنیٰ حصہ ہی نصیب ہوتا ہے اور پھر بھی دونوں کے تعلق و ذوق میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

اشرف السوانح کی حسب ذیل عبارت میں بھی حضرت تھانویؒ نے اس چیز کا اظہار فرمایا ہے۔ خواجہ عزیز الحسنؒ تحریر فرماتے ہیں:-

"حضرت والا کے خواہر زادہ اور مجاز خاص جناب مولانا مولوی ظفر احمد صاحب مدت فیوضہم نے بنا بر خصوصیت تعلق اپنے ایک عریضہ میں نہایت ہی اشتیاق کے ساتھ اور کسی حدیث شریف کا حوالہ دے کر حضرت والا سے پوچھا کہ اپنے خدام یعنی منتسبین میں سب سے زیادہ محبوب آپ کو کون ہے؟ اس پر حضرت والا نے بے تکلف تحریر فرمایا کہ میں کبھی بتلانے میں پس و پیش نہ کرتا اگر کوئی اس کا مصداق ہوتا۔ برخوردار من سچ بات تو یہ ہے کہ اب تک ؂

ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درون من نجست اسرار من

پُوری مناسبت کسی کو نہیں ہوتی اور اجنبیت کا مدار وہی ہے"

(اشرف السوانح صفحہ ۹۸ ج ۲)

اس عبارت میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنے تمام منتسبین سے پُوری مناسبت کی نفی فرمائی ہے مگر حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ پر حق تعالےٰ کا یہ خصوصی فضل و احسان تھا کہ حضرت مُرشد تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے حضرت مولانا کے عرض حال کے جواب میں مولانا کو قلبی کمال تناسب کی خبر سے نوازا ہے۔ مولانا مرحوم نے اپنا یہ حال لکھا تھا کہ:

"کل ذکر کے وقت صاف یہ معلوم ہو رہا تھا کہ غالباً آج کل حضرت کے قلب میں کوئی نئی بات پیدا ہو رہی ہے جس کا اثر بوجہ ضبط کامل کے حضرت پر ظاہر نہیں ہوتا اور احقر پر اس کا اثر پڑ رہا ہے کہ دل لقاء اللہ کے اشتیاق میں بے چین ہے"

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"ماشاء اللہ نہایت صحیح ادراک ہے۔ مجمل عنوان اس حالت کا مشاہدہ عجز و ضعف و غلبہ انکسار و افتقار و فناء دعوےٰ حالاً ہے جو اسباب و نیز آثار ہیں عبدیت کے لیکن مفصل حقیقت و حکمت اس کی بہت نازک ہے کہ ہر شخص اس کے سمجھنے بلکہ سُننے کے بھی قابل نہیں۔ تم کو اپنا محرم سمجھ کر تم سے خود کہنے کو تھا مگر بعد رمضان۔ لیکن چونکہ تُمہارے قلب کو بوجہ کمال تناسب کے اس کا ادراک منجانب اللہ ہو گیا۔ اس لیے اب جلدی ہی کہہ دوں گا۔ اگر تم سے احتمال غلط فہمی کا ہوتا تو تم سے بھی نہ کہتا مگر ایسا احتمال نہیں بلکہ اس نازک حالت میں جو بعض عوائل محتمل ہیں تم سے ظاہر کرنے میں ان کا ارتفاع بھی متوقع ہے کہ تم اس ارتفاع کا واسطہ بن

سکتے ہو" فالتقم فیہ مفتاح الخیر۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کا مولانا کے اس قلبی کمال تناسب اور خصوصی تعلق کی خبر دیتے ہوئے مولانا کو مفتاح الخیر قرار دینا حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ کے حق میں فضل و کمال کی شہادت اور باعث شرف ہونے کے ساتھ حضرت مولانا موصوف کے متوسلین اور منتسبین کے لیے بھی بڑا ہی سرمایہ سکون اور موجب اطمینان ہے۔

فہرست مجازین

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جن حضرات سالکین کو مجاز بیعت قرار دیا یا اجازت بیعت دے کر مجاز بیعت بنایا ہے اور اُن کے ناموں کو اپنی خود نوشت سوانح میں جس ترتیب سے ذکر فرمایا ہے اسی ترتیب سے ذیل میں اس فہرست مجازین کو درج کیا جاتا ہے تاکہ طالبین کو حضرات اہلِ اجازت کا علم ہو جائے اور وہ موجودہ حضرات سے استفادہ کر سکیں اور جو حضرات وفات پا چکے ہیں اُن کے حق میں دعائے مغفرت و رفع درجات کرتے رہیں۔ فہرست مجازین یہ ہے:-

۱۔ مولانا شمس الحق فریدپوری صدر جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ ماہ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ میں ان کا اپنے وطن میں انتقال ہو گیا۔

۲۔ مولوی حبیب اللہ صاحب میمن سنگھ جو ۱۳۸۸ھ میں سراج گنج کے سرکاری سکول میں تعلیم دیتے تھے۔

۳۔ صوفی صدیق الرحمٰن مدرس جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ۔

۴۔ مولوی احمد حسین صاحب سلہٹی

۵۔ مولوی نذیر حسین صاحب سلہٹی۔

۶۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی جیکب لائن کراچی، موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل، پاکستان کے جید اور ممتاز عالم دین اور مشہور خطیب ہیں۔ ٹنڈوالٰہیار کا مدرسہ دارالعلوم مولانا کی نگرانی میں ہی اپنے تعلیمی فیض سے لوگوں کو فیض یاب کر رہا ہے۔

۷۔ منشی علی محمد صاحب اسلام پورہ ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور، یہ حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے پہلے مجاز ہیں جن کے خطوط متعلقہ تربیت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے نظر استحسان کے بعد الظفر الجلی بالشرف العلی کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتابوں سے متفرق مضامین کو جمع کر کے اشرف الجواب وغیرہ مختلف ناموں سے شائع کرا کے بڑی خدمت انجام دی ہے جس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوا۔ مرحوم کے بعض ایسے مسودات بھی ہیں جو طبع نہیں ہو سکے۔ ۱۱ر ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ بمطابق ۱۳ر جنوری ۱۹۷۳ء کو وفات پا گئے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ کے محلہ اسلام پورہ بھلیر کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

۸۔ مولوی حافظ عباس علی صاحب معرفت قمر الزمان سیکنڈ اسسٹنٹ ٹیچر ایم ای بی سکول پوسٹ تنڈی گرام ضلع بوگرہ (برائے عوام)

۹۔ مولوی عبدالشکور صاحب ترمذی مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا۔

۱۰۔ مولوی طیب اللہ صاحب مہتمم مدرسہ حافظیہ ضلع ڈھاکہ (برائے عوام)

ل آپکو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کیطرف سے بھی خلافت و اجازت حاصل ہے۔ (قمر عثمانی)

۱۱۔ مولوی محمود داؤد ہاشم مفتی برما باٹرسٹی سورتی، جامع مسجد رنگون۔ یہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مجاز صحبت تھے، حضرت تھانویؒ کے بعد انھوں نے حضرت مولانا کی طرف رجوع کیا اور تکمیل کے بعد حضرت مولانا نے ان کو اپنا مجاز بیعت بنا دیا۔

۱۲۔ مولانا محمد شفیع صاحب مضافات ڈھاکہ۔

۱۳۔ مولانا محمد عبدالرزاق صاحب ظفری کملائی شیخ الحدیث مدرسہ دارالعلوم شاہ آباد جیسور (سابق مشرقی پاکستان)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بعض حضرات کو صرف عوام کے لیے بیعت و تلقین کی اجازت فرمائی تھی اسی طریقہ کے موافق حضرت مولانا مرحوم کے خلفاء کی فہرست میں بھی بعض ایسے حضرات کے نام ہیں جن کو صرف عوام کے لیے بیعت و تلقین کی اجازت ہے اس لیے ان کے ناموں کے سامنے (برائے عوام) لکھا ہوا ہے۔

(ف) حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خصوصیت تربیت میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ علاوہ مجازین بیعت کے بعض اصحاب کو جن میں تلقین کی کافی صلاحیت ہوتی تھی مگر اجتماع شرائط بیعت میں بعض خاص حالات کا انتظار ہوتا تھا۔ مجاز تلقین بواسطہ صحبت یعنی تلقین بغیر بیعت کی اجازت دے کر ان کا لقب مجاز بالصحبت تجویز کیا تھا۔ یعنی ان کو صرف بواسطہ صحبت کے نفع پہنچانے کی اجازت دی گئی تھی۔ بیعت کرنے کی اجازت ایسے اصحاب کو نہیں دی گئی تھی اور مقصد اس سے یہ تھا کہ جب ان اصحاب میں تعلیم و تلقین کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے تو اُن کے بعض حالات خاصہ کے حصول کے انتظار میں لوگوں کو اُن سے

فائدہ اُٹھانے اور ان کے اتنے فیض سے بھی کیوں محروم رکھا جائے کہ جتنا وہ اپنی حالت موجودہ ہی میں پہنچانے کے اہل ہیں اور خود ان حضرات کو بھی اپنی کمی کا علم ہو کر اپنی ہر قسم کی اصلاح اور تکمیل کی فکر دامن گیر ہو جائے۔ ان میں سے بعض حضرات کو بعد میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی جب ان میں حالات منتظرہ برونما ہو گئے مجاز بیعت بنا کر اجازت بیعت عطا فرمائی ہے۔ (ماخوذ از اشرف السوانح)

ان میں سے ایسے حضرات جن کو حضرت حکیم الامتؒ نے اجازتِ بیعت عطا فرمائی تھی وہ تو حضرت حکیم الامت کی طرف سے ہی مجاز بیعت ہو گئے۔ اور خلفاء اشرفیہ میں ان کا شمار ہو گیا۔ لیکن بعض حضرات نے حضرت تھانویؒ کے بعد حضرت مولانا کے کسی مجاز بیعت کی طرف رجوع کر لیا اور اس مجاز بیعت نے ان کو مجاز بیعت کر دیا تو وہ ان مجاز بیعت کے مجاز بیعت کہلائیں گے۔ جیسا کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کے مجازین میں سے ندمت۱ کی یہی حالت ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اپنے خلیفہ اور مسترشد خاص جناب منشی علی محمد صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے عریضہ کے جواب میں اسباب کی وضاحت فرمائی ہے۔"

(ف) اجازت بیعت دینے میں حضرت حکیم الامتؒ کی ایک یہ بھی خصوصیت تھی کہ جو غیر اہل علم قابل اجازت ہوتے تو اکثر ان کو صرف عوام کی بیعت کرنے کی اجازت فرمائی جاتی تھی جیسا کہ اُوپر گزرا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر اہل علم سے بظاہر حالات اہل علم کی تسلی ہونی مشکل ہوتی ہے ایسے اجازت یافتگان کے نام کے ساتھ اس بات کو ظاہر کرنے کے

لیے اُن کے نام کے آگے (للعوام) کا اضافہ فرما دیا جاتا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم کے مجازین کی فہرست میں بھی نمبر ، نمبر کا یہی حال ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی اس تحریر کا اس جگہ نقل کر دینا تربیت سالکین کا کام کرنے والوں کے لیے مفید معلوم ہوتا ہے جو صوفی علی محمد صاحب مرحوم کے غیر مطبوعہ مجموعہ پر ثبت ہے۔ اس سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خاص طرز تربیت کا علم ہوتا ہے۔ جس کا پیش نظر رکھنا اصلاح کا کام کرنے والوں خصوصیت کے ساتھ سلسلہ اشرفیہ کے مشائخ و سالکین کے لیے بہت ہی نافع ہے۔

حضرت مولانا مرحومؒ کی غیر مطبوعہ تحریر

"بندہ ناچیز ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات میں بعض وہ خاص چیزیں ہیں جن سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارنامے اچھی طرح واضح ہو جاتے ہیں منجملہ ان کے خاص طرز تربیت بھی ہے جو عرصہ سے مفقود تھا۔ الا ماشاء اللہ معدودے چند مشائخ ہی کے یہاں یہ طرز احتساب و تنبیہ و زجر و توبیخ باقی تھا ورنہ یہ طریقہ باقی نہ رہا تھا۔

اس رسالہ میں اس طرز کے ملفوظات کو یک جا جمع کر دیا گیا ہے جو ذخیرہ ملفوظات میں منتشر پھیلے ہوئے تھے۔ امید ہے کہ سالکین و عارفین کو یہ مجموعہ یک جا ہونے کی وجہ سے بہت نافع ہو گا۔ اللہ تعالےٰ صوفی علی محمد صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائیں اور عام و خاص کے لیے نافع بنائیں۔ آمین۔ والسلام۔"

سنہ ۱۳۸۰ھ ۱۲۵ ۔

حقیقت بیعت

حضرت حکیم الامت تھانوی کے طرز تربیت کی یہی خصوصیت تھی کہ اس میں اصلاح اخلاق و اعمال پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اور بیعت کی ظاہری صورت اور رسمی طریقہ (ہاتھ پر ہاتھ رکھنے) کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ بلکہ بغیر اسی ظاہری صورت بیعت کے بھی تعلیم و تربیت اور تلقین کا سلسلہ جاری رہتا تھا اس سے حضرت تھانویؒ کا مقصد اس غلطی کی اصلاح تھی جو بیعت کے مقصد اور اس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عام لوگوں میں پھیل گئی تھی کہ وہ اس ظاہری صورت ہی کو بیعت کی حقیقت سمجھنے لگے تھے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ نے بھی حقیقت بیعت کو واضح فرماتے ہوئے اس غلطی کی اصلاح واضح طور پر فرمائی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک مسترشد مولانا حکیم انیس احمد صدیقی کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:-

"مکرمی عزیزم حکیم انیس احمد صدیقی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'!

بیعت ہاتھ میں ہاتھ دینے کا نام نہیں ہے عقیدت محبت اور اتباع کا نام ہے۔ وہ آپ کے والد ماجد کو حاصل ہے اس لیے کہ وہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف رکھتے ہیں آپ کو اپنے والد صاحب کے ساتھ کمال عقیدت و محبت حاصل ہے تو آپ ان سے بیعت کا تعلق رکھتے ہیں اس طرح آپ بھی سلسلۂ اشرفیہ سے منسلک ہیں، ہاتھ در ہاتھ بیعت کی ضرورت نہیں۔"

فقط والسلام ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ

[illegible] رجب [illegible]
[illegible] اکتوبر [illegible]

چونکہ اپنی اصلاح و تربیت بھی پوری توجہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ مرشد کو مرشد و مربی کے ساتھ دلی تعلق مضبوط اور اس پر کامل اعتماد حاصل ہو کسی کے کہنے سننے سے جو تعلق ہوتا ہے وہ اتنا مضبوط اور پختہ نہیں ہوتا اس لیے ہمارے اکابر بالخصوص حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ طریقہ پسند نہیں تھا کہ دوسروں کے کہنے اور تلقین کرنے سے اصلاح و تربیت کا تعلق قائم کیا جائے۔ بلکہ یہ تعلق خلوص نیت اور طلب صادق کے ساتھ براہِ راست ہر شخص کو خود ہی قائم کرنا چاہیے۔

چنانچہ جب مولانا انیس احمد صدیقی نے اپنے بعض دوستوں کی درخواستیں بیعت کے لیے مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھجوانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت مرحمت نہیں فرمائی بلکہ ارقام فرمایا:-

"آپ جن حضرات کی درخواستیں بھجوانا چاہتے ہیں یہ طریقت کے خلاف ہے جس کو از خود مجھ سے تعلق ہو گا اس کی درخواست قبول کروں گا کسی کے تعلق پیدا کرنے سے وہ بات پیدا نہیں ہوتی۔"

والسلام ظفر احمد عثمانی

حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کا یہ طریقہ ہمارے زمانے کے تربیت و مسلک کا کام کرنے والوں کے لیے لائق تقلید ہے جن کو اپنی طرف سے لوگوں کی اجتماعات اور کثرت مریدین کا ہی خیال ہر وقت رہتا ہے۔ حالانکہ اس راستہ میں خلوص و طلب اور صدق و اخلاص قابل قدر اور لائق لحاظ ہے۔

سالکین کے لئے خاص ھدایت اور نصائح

حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ نے اپنے شجرہ طیبہ میں سالکین طریقت کے لیے ضروری اعمال اور خاص دستور العمل اور خاص نصائح بھی تحریر فرمائی ہیں۔ ان میں سے انتخاب کر کے ایسے بعض اعمال اور نصائح کا ذیل میں بقدرِ ضرورت ذکر کیا جاتا ہے جن کا نفع عام اور سالکین کے لیے ان کا دستور العمل بنانا بہت مفید ہے۔

نماز: - تہجد، اشراق، چاشت، صلوۃ الاوابین، صلوۃ التسبیح، عصر اور عشاء سے پہلے ۴ رکعت نفل۔

روزہ: - ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو اور ہر دوشنبہ کو اور ۶ روزے شوال کے اور یکم ذی الحجہ سے ۹ تک نو روزے اور محرم کی دسویں اور شعبان کی ۱۵ تاریخ کو روزہ رکھا جائے۔

وظائف: - صبح کو تلاوت قرآن مجید جتنی ہو سکے پابندی کے ساتھ اور ایک منزل مناجات مقبول کی عربی یا اردو اور سورہ فاتحہ ۴۱ بار سورہ یٰسین ایک بار استغفار سو بار کلمہ توحید سو بار درود شریف سو بار۔

بعد ظہر: - کلمہ توحید سو بار، درود شریف سو بار، سورہ فتح ایک بار، دلائل الخیرات کی منزل، اللہ الصمد ۵۰۰ بار۔

بعد عصر: - عم یتساءلون، ایک بار، آیت کریمہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین سو بار۔

بعد مغرب: - سورہ واقعہ ایکبار کلمہ توحید سو بار، درود شریف سو بار۔

بعد عشاء: - سورہ الم سجدہ ایکبار، سورۃ الملک ایک بار، کلمہ توحید سو بار، درود شریف سو بار استغفار سو بار۔

ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار، الحمد للہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کریں۔

تفرقات

کھانے کے بعد

سوتے ہوئے سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورہ اخلاص اور معوذتین تین بار، جاگتے ہوئے کلمہ توحید اور یہ دعا پڑھ لیا کریں۔

پیشاب پاخانہ: کو جاتے وقت فارغ ہونے کے بعد غفرانک پڑھیں۔

ہر وقت اللھم انی اسئلک رضاک والعفو والعافیہ پڑھتے رہا کریں اس سے زیادہ کا شوق ہو تو تتمہ مناجات مقبول سے اوقات مختلفہ کی دعائیں معلوم کر کے اُن کی پابندی کر لے۔

عامی، فارغ اور مشغول اور اسی طرح عالم فارغ اور مشغول سب کے لیے دستور العمل معلوم کرنے کا شوق ہو تو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا رسالہ قصد السبیل کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

حضرت مولاناؒ نے اپنے شجرہ طیبہ میں اسی رسالہ سے چاروں دستور العمل نقل فرما کر ان پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی ہے تطویل کے خوف سے ان کو اجگہ نقل نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ عام مردوں اور عورتوں کے لیے بعض نصیحتوں کو اس جگہ نقل کیا جاتا ہے۔

عام مردوں کو نصیحت

علماء سے بکثرت ملتے رہو۔ ان سے مسائل پوچھتے رہو، اگر پڑھے ہوئے ہو تو بہشتی زیور، بہشتی گوہر اور صفائی معاملات دیکھتے رہو۔ اور اس پر عمل کرو۔ تعلیم الدین کے چار حصے پہلے بھی دیکھ لو۔ لباس خلافِ شرع مت پہنو جیسے ٹخنوں سے نیچے پاجامہ یا کوٹ پتلون یا ریشمی یا زردوزی کا کپڑا یا چار انگل سے زیادہ چوڑی لیس دار ٹوپی یا اتنے ہی کام کا سچا کامدار جوتا، ڈاڑھی مت کٹاؤ اور نہ اس کو منڈاؤ البتہ مٹھی سے جتنی زائد ہو اس کا اختیار ہے، جتنی رسمیں سنت کے خلاف رائج ہو رہی ہیں سب کو چھوڑ دو۔ جیسے مولود، فاتحہ، عرس اور شادی بیاہ عقیقہ، ختنہ، بسم اللہ کی رسمیں اور تیجا دسواں، چالیسواں وغیرہ، شب برات کا حلوہ، محرم کا تہوار منانا، میلوں ٹھیلوں میں جانا ان سب کو ترک کرنے کے علاوہ آتش بازی، تصویر دار کھلونے وغیرہ سے بچو۔ زبان کو غیبت اور گالی گلوچ سے بچاؤ۔

جماعت کے ساتھ نماز پڑھو، گانا بجانا مت سنو، پیر سے ہر کام کے لیے تعویز گنڈے مت مانگا کرو۔ بلکہ اس سے دین سیکھو۔ البتہ دعا کرانے کا مضائقہ نہیں۔ ایسا مت سمجھو کہ اگر نذرانہ موجود نہ ہو تو پیر کے پاس کیا جاویں۔ یہ مت سمجھو کہ پیر کو سب خبر ہوتی ہے ان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ خواب پر بدون مسئلہ پوچھے عمل مت کرو۔

عام عورتوں کو نصیحت

شرک کی باتوں کے پاس مت جاؤ۔ اولاد کے ہونے یا زندہ رہنے کے لیے ٹونے ٹوٹکے مت کرو۔ فال مت کھولو۔ جس سے شرع میں پردہ

ہے چاہے وہ پیر ہو چاہے اور کیسا ہی نزدیک کا ناتہ دار ہو سب سے خوب پردہ کرو۔ خلافِ شرع لباس مت پہنو جیسے کلیوں دار پاجامہ یا ایسا کرتا جس میں پیٹ یا کلائی یا بازو کھلے ہوں یا ایسا باریک کپڑا جس میں بدن یا سر کے بال جھلکتے ہوں یہ سب چھوڑ دو۔ کسی کو جھانک تاک کر مت دیکھو۔ کوئی کام نام کے واسطے مت کرو۔ کوسنے، طعنے دینے اور غیبت سے زبان کو بچاؤ۔ پانچوں وقت نماز اول وقت پڑھو۔ ایام سے جب پاک ہو خوب خیال رکھو، کسی وقت کی نماز ایام بند ہونے کے بعد نہ رہ جائے۔ خاوند کی تابعداری کرو۔ اس کا مال اس سے چھپا کر خرچ مت کرو۔ جہاں رسم رسوم کی مٹھائی وغیرہ تقسیم ہوتی ہو وہاں مت جاؤ۔

خاص ذاکر شاغل لوگوں کو وصیت

ہر امر میں سنت پر عمل کرنے کا اہتمام کرو۔ اگر کسی سے کوئی بات خلاف مزاج پیش آوے صبر و تحمل کیا کرو۔ کبھی اپنے کو صاحب کمال مت سمجھو جو بات زبان سے کہنا چاہو پہلے خوب سوچ لیا کرو۔ مال وجاہ کی طمع وحرص مت کرو تعویذ گنڈوں کا شغل مت رکھو۔

دنیوی تعلقات مت بڑھاؤ۔ بے ضرورت بہت سا سامان مت جمع کرو حتی الامکان خلوت میں رہ کر بدون ضرورت و مصلحت لوگوں سے زیادہ مت ملو۔ اگر قلب پر کچھ احوال یا علوم وارد ہوں شیخ سے اطلاع کرو۔ اگر تصوف کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہو تو پہلے تعلیم الدین کا حصہ پنجم اور کلید مثنوی کا مطالعہ کر لو جبکہ تم معقول و منقول کے جامع عالم ہو، سخن پروری مت کرو۔ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھو اسی سے التجا رکھو اور استقامت کی درخواست کرو۔

معمولات

حضرت مولانا مرحوم خود بھی معمولات اور اوراد مسنونہ کے پابند تھے اور آخر عمر تک اُن پر کاربند رہے۔ اُن کی تو ہوس کبریٰ بھی ہم جیسے کوتاہ عملوں کے لیے ہوس خام ہی میں شمار ہوگی۔ حضرت مرحوم کا سفر میں بھی تہجد کا ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ ہمیں حضرت مولانا مرحوم کے بتلائے ہوئے ان ہی مختصر اوراد و معمولات اور نصائح پر عمل کرنے کی توفیق عنایت ہو جائے تو بڑی غنیمت ہے۔

اعتکاف:۔ حضرت مولانا مرحوم کا عشرہ اخیرہ میں اعتکاف مسنون پر بڑی پابندی کے ساتھ عمل تھا اور عشرہ اخیرہ کی بابرکت راتوں میں خدام و متوسلین کو بھی دُعا میں فراموش نہیں فرماتے تھے۔ میرے ایک عریضہ کے جواب میں حضرت مولانا رقم فرماتے ہیں:۔

"بحمد اللہ خیریت سے ہوں اور آپ کے لیے دعا کرتا ہوں آج ۲۷ رمضان کی شب ہے جملہ احباب کے لیے بھی دُعا کروں گا۔"

درخواست دُعا کے جواب میں ایک والا نامہ میں یہ دعا تحریر فرما کر احقر کو اُس کے یاد کرنے کی ہدایت بھی فرمائی۔ یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"رمضان میں سب احباب کے لیے برابر دُعا کرتا رہا ہوں۔"

اللہ اللہ اپنے متعلقین کے ساتھ اس شفقت کی بھی کوئی انتہا ہے کہ بغیر درخواست کے بھی سب کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے۔ اب حضرت والا کا سایہ اُٹھ جانے کے بعد محبین کو کھلی آنکھوں نظر آرہا ہے کہ حضرت کی دعا سحر گاہی ان کے لیے کیسے کیسے دنیوی مصائب اور آلام کا محافظ بنی ہوئی تھی اور اس سایہ کے اُٹھ جانے کے بعد کیسے کیسے سوانحات سے ان کو واسطہ پڑنے لگا ہے۔

جواب خط کا اہتمام: حضرت مولانا مرحوم کو خطوط کے جواب کا بڑا اہتمام تھا۔ تربیت اور سلوک کے متعلق خطوط ہوں یا غیر تربیت کے خطوط ہوں، غرضیکہ ہر قسم کے خطوط کے جواب حضرت مرحوم بڑے انتظام اور اہتمام سے بغیر تاخیر کے دیا کرتے تھے اور یہ ایسی عادت مستمرہ تھی کہ بغیر عذر کے اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا تھا خطوط لکھنے والے خط لکھ کر حساب کے مطابق اپنے جواب کا انتظار کرتے۔ ٹھیک اسی حساب کے موافق حضرت مولانا کا جواب آجاتا۔ اگر ڈاک کے نظام کی غلطی سے بھی اس حساب کے موافق جواب نہ پہنچا تو یہ تردد ہو جاتا تھا کہ خدانخواستہ کہیں حضرت مولانا کی طبیعت تو ناساز نہیں ہوگئی اور معمولی ناسازی طبع کے باوجود بھی ڈاک کے جواب کا سلسلہ چونکہ جاری رہتا تھا اس لیے بھی زیادہ فکر ہو جاتا تھا کہ تاخیر جواب کا نہ معلوم کیا سبب ہے؟ اس لیے اس سبب کے معلوم کرنے کے لیے دوسرا عریضہ لکھنے کی نوبت آجاتی تھی کہ اتنے میں پہلے عریضہ کا جواب موصول ہو جاتا تھا۔

دراصل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے دربار کی یہ خصوصیت تھی کہ خطوط کے جواب کا بغیر تاخیر کے حیرت انگیز طریقہ پر انتظام اور اہتمام تھا کہ پچاس پچاس خطوط بھی حضرت تھانویؒ کی خدمت اقدس میں روزانہ آتے مگر سب کے جواب ہمروزہ

فارغ ہو جاتے تھے۔ البتہ آخری عمر میں باستثناء اہلِ خصوصیت کہ کہ اُن کے خطوط کا جواب بدست خود ارقام فرماتے تھے۔ دُوسروں کے خطوط کا جواب اپنے بعض خدام کو املاء فرما دیا کرتے تھے اور وہ جواب تحریر کر دیا کرتے تھے۔ اس خدمت پر دُوسرے خدام کے علاوہ خود حضرت مولانا مرحوم بھی مامور تھے اور حضرت کے املاءٔ فرمانے پر حضرتؒ کے نام پر آئے ہوئے خطوط کا جواب تحریر کرتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الاُمت تھانویؒ کی منجملہ اور خصوصیات کے اس خصوصیت سے بھی حضرت مولانا مرحوم کو نوازا تھا۔ پھر حیرت اس پر ہے کہ اس پیرانہ سالی میں درس و تدریس اور تعلیمی مشاغل سے بھی آپ کو فراغ حاصل نہیں تھا اور باوجود ان مشاغل کے پھر بھی تمام خطوط کا جواب خود اپنی قلم مبارک سے ہی عنایت فرماتے تھے اور اس میں کسی کا استثناء نہ تھا۔ میرے چودہ سالہ نابالغ بچے عبدالقدوس سلمٗ نے اپنے حفظ قرآن کریم کے ختم کر لینے کی اطلاع کا عریضہ لکھا تو اُس کا جواب بھی حضرت مولانا مرحومؒ نے اپنے دستِ مبارک سے ارقام فرمایا۔ دُعا اور اظہارِ خوشی کے ساتھ بچے کو قرآن پاک کے پختہ یاد کرنے کا طریقہ بھی تحریر فرمایا۔ جس کو عام دستور العمل بنانے کی غرض سے نقل کیا جاتا ہے۔ مولاناؒ ارقام فرماتے ہیں :-

”حفظ قرآن پاک ختم ہونے سے خُوشی ہوئی اللہ تعالیٰ اُس کو محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائیں جس کا طریقہ روزانہ نماز میں ایک پارہ تلاوت کرنا ہے اس کی پابندی کریں“

والسلام ظفر احمد عثمانی

حضرت مولانا مرحومؒ کا یہ والا نامہ ۲۸ر شوال کو ملا تھا اور حضرت کی وفات سے تقریباً ۲۴ روز پہلے کا تحریر فرمودہ ہے۔ افسوس! یہی وہ والا نامہ ہے جس کے بعد ساہی وال سے نامہ و پیام کا سلسلہ بند ہو گیا۔ کیا خبر تھی کہ یہ حضرتؒ کا

آخری مکتوب گرامی قرار پائے گا۔ جس پر ہمیشہ کے لیے خط و کتابت کا سلسلہ اس ناکارہ کے ساتھ بند ہو کر نامہ بری اور پیغام رسانی کا کوئی ذریعہ ہی نہیں رہے گا۔ یہ حالت ہو جائے گی ؎

نہ قاصدے نہ سفیرے نہ مُرغ نامہ برے
کہ پیش حضرت اقدس برد زمن خبرے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

عرضِ احقر

قاعدہ سے خط کے جواب کا محصول اور اس کا خرچہ جواب طلب کرنے والے کے ذمہ ہے۔ اس لیے جواب کے خرچہ کا بوجھ دُوسرے پہ ڈالنا بلاوجہ دُوسرے کو زیر بار کرنا اور اپنی کم ہمتی دکھلانا ہے۔ اس لیے جواب طلب امور کے لیے ہمیشہ جوابی خط یا لفافہ ہمراہ ہونا چاہیئے۔ یہی معمول حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ کا تھا کہ غیر جوابی خط کا جواب اکثر نہیں دیا کرتے تھے۔ البتہ مواقع خصوصیت اس قاعدہ سے مستثنٰی تھے۔

اس لیے اگر غیر جوابی خطوط کا جواب اپنے خرچہ سے دے دیا جائے گو یہ کسی طرح بھی مجیب کے ذمہ نہیں ہے تو یہ بڑے حوصلہ کی بات اور مکارم اخلاق میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ اور اس میں حقوق مسلم کی نگہداشت دل جوئی اور تطییب قلب مسلم کی فضیلت بھی ہے۔ لیکن کسی شرعی عُذر کے بغیر جوابی خطوط کا جواب بھی نہ دینا حد درجہ معیوب اور مکارم اخلاق کے خلاف ہونے

کے ساتھ مسلمان کی حق تلفی اور سبب ایذاء مسلم بھی ہے۔ کیونکہ خط کا جواب نہ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ بالمشافہ سلام و کلام کا جواب نہ دینا جب کہ جواب کے لیے خط یا لفافہ بھی ہمراہ ہو۔ فقہاء کرام نے خط کو خطاب کے حکم میں قرار دیا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم کی ایک تحریر

جس زمانے میں مسئلہ حیات النبی صلے اللہ علیہ وسلم میں نزاع چل رہا تھا اور فریقین نے حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ اور مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو اپنا ثالث تسلیم کر لیا تھا اور مولانا احتشام الحق صاحب کی طرف سے فریقین کو اپنے اپنے دلائل تحریر کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس پر دوسرے فریق کی طرف سے یہ کہا گیا تھا کہ تحریری مناظرہ بدعت ہے۔ احقر نے اس فریق کا عقیدہ لکھ کر حقیقت حال معلوم کرنا چاہی تو حضرت مولانا مرحوم کی حسب ذیل تحریر میرے عریضہ کے جواب میں موصول ہوئی جس میں تصریح ہے کہ تحریر خطاب کے حکم میں ہے۔ مولانا ارقام فرماتے ہیں:۔

"جس شخص کا وہ عقیدہ ہو جو آپ نے لکھا ہے وہ جماعت اہل سنت سے خارج ہے۔ ابھی تک ہمارے پاس ثالثی سے ان کا انکار نہیں آیا اور نہ ہم نے اُن کو تحریری مناظرہ پر مجبور کیا۔ مولوی احتشام الحق نے صرف یہ لکھ دیا تھا کہ تقریری مناظرہ سے پہلے فریقین اپنے دلائل تحریراً بھی بھیج دیں تاکہ ثالثوں کو فیصلہ میں آسانی ہو کیونکہ تقریر کا محفوظ رہنا بہت دشوار ہے اس میں بدعت کی کیا بات ہے؟ اور مناظرہ تحریری

بھی ہو پھر بھی بدعت کیسے ہو گیا؟ الکتاب بحکم الخطاب فقہاء کا مسلمہ اصول ہے"۔

والسلام ظفر احمد عثمانی عفی عنہ

عملیات

ہمارے اکابر کا معمول عملیات کے بارے میں بھی افراط و تفریط سے پاک اور معتدل رہا ہے۔ نہ تو عملیات اور تعویذ گنڈے سے ان حضرات کو انکار و استنکار تھا اور نہ ہی اس میں انہماک و اشتغال ہی تھا بلکہ دوسرے اشغال ضروریہ کے لیے اس میں اشتغال کو مضر سمجھتے تھے البتہ عام لوگوں کو غلط قسم کے تعویذ گنڈہ کرنے والوں سے بچانے کی خاطر اُن کے فائدہ کے لیے تعویذ گنڈہ کر دیا کرتے تھے چنانچہ حضرت مولاناؒ نے اپنی ایک تحریر میں اکابر کی اس مصلحت کا ذکر فرمایا ہے۔ عملیات کے ایک رسالے "اعجاز قرآنی" پر تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کا رسالہ "اعجاز قرآنی" موصول ہوا بہت اچھا ہے کہ عام لوگ ان اعمال کی وجہ سے کافروں فاسقوں کی طرف رجوع کرنے سے رُک جائیں گے ہمارے اکابر نے اسی مصلحت سے تعویذ دینے میں مضائقہ نہیں سمجھا ورنہ ان حضرات کو ان سے دل چسپی نہ تھی"۔

اپنے اکابر کے معمول کے مطابق حضرت مولانا مرحوم کا بھی معمول تھا کہ ان عملیات میں اشتغال و انہماک کے بغیر ضرورتمندوں کی حاجت روائی کے لیے ورد و وظیفہ بھی بتلا دیا کرتے تھے اور حاجتمندوں کی ضرورت کے موافق تعویذ بھی لکھ دیا کرتے تھے اور ماشاء اللہ اس بارہ میں بھی آپ کا فیض عام اور جاری تھا۔ مخلوقِ خدا کو اس سے بھی خوب نفع ہوا اور آپ کو عملیات سے ایک خاص مناسبت حاصل تھی۔ آسیب زدہ مریضوں کا علاج بھی آپ تعویذات کے ذریعہ فرمایا کرتے تھے اور

بفضلہٖ تعالیٰ عام امراض کے علاوہ آسیب زدہ مریضوں کا علاج بھی آپ تعویذات کے ذریعے فرمایا کرتے تھے بہشتی زیور کے نویں حصہ میں بھی شامل ہیں۔ یہ گنڈہ برائے آسیب زدہ سے برائے حفاظت از مار کژدم جانوراں موذیہ تک کے عملیات مولانا مرحوم کی روایت سے بھی بہشتی زیور کے حصہ مذکور میں شامل کئے گئے ہیں۔ اس قسم کے معمولات اور ذاتی تجربات کی ایک بڑی یادداشت آپ کے پاس جمع ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ احقر نے ان معمولات میں سے کچھ نقل کرنے کی درخواست بذریعہ خط کی تو تحریر فرمایا:۔

"عزیزم سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ!
اس قسم کے معمولات کی ایک کتاب تیار ہو گئی ہے نقل کے لیے وقت ملنا دشوار ہے۔ ایک تعویذ عام بتلاتا ہوں جو میں ہر تعویذ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا کرتا ہوں۔ یہ تورات کا اسم اعظم ہے جو اپنے بزرگوں میں سے مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ اور مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا معمول تھا اس کی شکل یہ ہے ح ۱۱۱۱ ہ ۱۱۱۱ ح ان کو اشکال سبعہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی مناسب دُعا اعمال قرآنی سے مرض کے مناسب لکھ دی جائے ورنہ یہ تنہا بھی کافی ہے۔" والسلام والدعاء

ظفر احمد عفی عنہ ۶ ذوالقعدہ ۱۳۸۰ھ

ردِّ سحر: ایک صاحب کے عرض حال پر آپ نے ردِ سحر کیلئے درج ذیل عمل کرنے کے لیے تحریر فرمایا کہ "سورہ بقرہ روزانہ پڑھکر یا پڑھا کر اس پر دم کریں اور پانی پر دم کر کے پلائیں اور کچھ پانی میں اور پانی ملا کر غسل کرائیں۔ چالیس دن عمل کیا جائے سحر ٹوٹ جائے گا۔

آسیب زدہ کے لیے:۔ ایک مرتبہ زیادہ قوی اثر آسیب ہونے کی صورت میں عمل ذیل کرنیکی ہدایت فرمائی "اگر تعویذ سے فائدہ نہ ہو تو آسیب زدہ سے کہا جائے کہ روزانہ سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی سورہ جن، چاروں قل پانی پر دم کر کے تین گھونٹ پی لے باقی پانی میں اور پانی ملا کر غسل کرے۔ ۴۰ دن کا عمل ہے۔

آوارگی کے دفع ہونے اور تعلیم کے شوق کے لیے:۔ بچہ کے آوارہ ہو جانے اور تعلیم چھوڑنے کی شکایت پر دُعا کے ساتھ تحریر فرمایا:۔
"اس کو سورہ فاتحہ آیۃ الکرسی چاروں قل پانی پر دم کر کے پلاتے رہیں اس کو خبر نہ کی جائے کہ یہ پانی پڑھا ہوا ہے۔"

نقش بدوح:۔ حضرت مولانا مرحوم کے مخصوص عملیات و مجربات میں نقشِ بدوح کی چاندی کی انگوٹھی اور تعویذ کو بڑی خصوصیت و اہمیت حاصل تھی۔ اس نقش کے گوناگوں فوائد و اثرات بہت زیادہ ہیں۔ برصغیر ہند و پاکستان کے علاوہ بنگال، برما، سعودی عربیہ اور بہت سے افریقی ممالک میں بھی اس نقش کے تعویذ اور انگوٹھیاں طلب کی جاتی تھیں۔ حضرت مولانا نے اپنے صاحبزادگان مولانا عمر احمد عثمانی اور مولانا قمر احمد عثمانی کو اس نقش کی اجازت مرحمت فرمادی تھی اور مولانا کا یہ فیض بحمد اللہ جاری ہے۔



باب ہفتم

حضرات علمائے عصر اور مشائخ زمانہ کے ساتھ حضرت مولانا کے خصوصی تعلقات اور ان کے بارے میں آپ کے تاثرات

حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اساتذہ کرام کے ناموں کا تذکرہ کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے "اساتذہ کرام جن سے سند حدیث حاصل کی ہے اُن سے ہی زیادہ متاثر ہوا ہوں۔ ان کے علاوہ مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ سے بھی متاثر ہُوا ہوں اور مولانا سید علوی مالکی مکی سے اور علامہ محمد زاہد الکوثری مصری اور علامہ سالم عطیہ استاذ جامعہ سعودیہ مدینہ منورہ سے بھی اگرچہ آخر کے دو حضرات سے ملاقات نہیں ہوئی مگر غائبانہ ہی اُن کے فضل و کمال سے متاثر ہُوا ہوں۔ علامہ زاہد الکوثری اور علامہ سالم عطیہ نے اعلاء السنن اور مقدمہ اعلاء السنن پر بہت گراں مایہ تقریظیں لکھی ہیں جو ان کے کمال علم و فضل کی شاہد ہیں" (انوار النظر)

۱ــــ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مولانا مرحوم کا تاثر یہ ہے کہ "مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی علم حدیث میں کمال کے ساتھ عربی ادب میں بھی کامل تھے ان کا ایک شعر جو انہوں نے اپنی پہلی بیوی کے مرثیہ میں لکھا تھا یہ ہے

شعر دعوتها یوم الخمیس فلم اذل   تلق العوّاد بکل یوم خمیس

مولانا نے اس شعر کو اپنی پہلی بیوی کے مرثیہ میں شامل کر کے اس کو پورا کر دیا ہے اس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ جو خصوصی تعلق حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کو حاصل تھا اس کا ذکر اس تذکرہ میں جا بجا آچکا ہے۔

۲ــــ مولانا سید سلیمان ندوی کے بارے میں حضرت مولانا مرحوم فرماتے ہیں:۔

"مولانا سید سلیمان ندویؒ علم تاریخ اور عربی ادب کے ماہر تھے۔ میں اکثر اپنے اشعار عربیہ اُن کے ملاحظہ کے لیے بھیجتا"۔ مولانا مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ میں لکھنؤ سے ایک ماہوار رسالہ "البیان" عربی نکلتا تھا اس میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مضامین بھی عربی میں کبھی کبھی نکلتے تھے۔ سید صاحب اس وقت ندوہ میں تعلیم پا رہے تھے۔ مولانا مرحوم نے سید صاحب سے مکاتبت کا سلسلہ اگرچہ اسی وقت سے جاری کر دیا تھا اور غائبانہ تعارف بھی ہوگیا تھا مگر ملاقات کی نوبت بہت بعد میں آئی جبکہ دونوں ہی بزرگ بڑھاپے کی حد میں داخل ہو چکے تھے۔ سب سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جس زمانے میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ علیل ہو کر لکھنؤ علاج کے لیے تشریف لے گئے اور مولانا سید سلیمان ندوی حضرت تھانویؒ سے ملنے کے لیے تھانہ بھون تشریف لائے تھے حضرتؒ سے تو ملاقات نہ ہو سکی۔ مولانا مرحومؒ اس وقت تھانہ بھون تھے ان سے ملاقات کے بعد کانگریس، مسلم لیگ اور پاکستان کے متعلق باتیں ہوئیں اور سید صاحب واپس تشریف لے گئے۔ حضرت تھانویؒ کی وفات سے چند دن پہلے جب سید صاحب تھانہ بھون تشریف لائے اس وقت بھی مولانا سے ملاقات ہوئی اور پھر حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد بھی ضلع سورت میں سید صاحب سے مولانا کی ملاقات ہوئی تھی اور ۱۹۴۹ء کے سفر حج میں مکہ مکرمہ میں الکحول الصورت کے مسئلہ کے متعلق سید صاحب کے استفسار کرنے اور مولانا مرحوم کے جواب کا ذکر بھی اوپر آچکا ہے۔

۳ـــــ حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کے ساتھ حسن عقیدت کا اظہار مولانا مرحوم نے اپنے آخری پیام بزمانہ تحریک خلافت میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے" نہ ہم کو حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ سے کبھی مخالفت ہوئی اور نہ اب ہے بلکہ ہم ان کے ساتھ حسن عقیدت کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں"۔ (اشرف السوانح صـ۳۱۸ ج ۳)

حضرت شیخ الہند جزیرہ مالٹا سے رہائی کے بعد جب دیوبند واپس تشریف لائے تو مولانا مرحوم نے اپنے جذبات محبت وعقیدت کا اظہار ایک عربی قصیدہ میں بڑے فصیحانہ اور بلیغانہ انداز میں کیا تھا۔ یہ سارا قصیدہ اسی زمانے میں تھانہ بھون کے ماہنامہ "النور" میں شائع ہوا تھا۔ اس قصیدہ کے یہ دو شعر یاد ہیں:۔ ؏

زال الظلام و ضاء کل مکان ۔۔۔ بطلوع بدر تم فی اللمعان

ترجمہ: تمام اندھیریاں دور ہو کر ہر جگہ روشن ہو گی ۔۔۔ ایسے بدر کامل کے طلوع ہونے سے جو اپنی چمک میں تمام ہے۔

روح الحیاۃ اعید فی الابدان ۔۔۔ بقدوم شیخ عارف ربانی

زندگی کی روح بدنوں میں لوٹا دی گئی ۔۔۔ شیخ عارف ربانی کے تشریف لانے سے

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا مرحوم ؒ کی ہی درخواست پر حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کے حالات میں ایک رسالہ ذکر محمود تحریر فرمایا تھا اور اس کا ضمیمہ خود مولانا مرحوم نے تحریر فرمایا ہے جس کے آخر میں حضرت شیخ الہند کا مرثیہ بھی عربی میں مولانا مرحوم ؒ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ اسی زمانہ میں رسالہ النور تھانہ بھون میں شائع ہو چکا ہے۔

۴ـــــ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے بارے میں مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں:۔

" مولانا خلیل احمد صاحبؒ نسبت صحابہ اور کمال اتباع سنت کے ساتھ علم فقہ میں بڑے کامل تھے"۔

صاحب تاریخ مظاہر تحریر کرتے ہیں:۔

" سالانہ جلسہ جمادی الاول ۳۴ھ مدرسہ کا اکیانواں جلسہ جامع مسجد میں صبح سات بجے منعقد ہوا۔ جلسہ کا افتتاح درجہ حفظ کی قرأت سے ہوا۔ اس کے بعد مولانا ظفر احمد صاحب کا ایک طویل مقالہ مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی نے سنایا۔ پھر مولانا ظفر احمد صاحب زید مجدہ نے ایک عربی قصیدہ (جو مولانا کا ہی تحریر کردہ تھا جس میں مدح نبوی صلعم کے ساتھ ساتھ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے متعلق بڑے بلند الفاظ، ان کے حب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کے اپنے زمانہ میں یکتائی کو بڑے اچھے انداز سے سراہا تھا، پڑھ کر سنایا۔ تبرکاً اس کے چند اشعار بھی درج ذیل کئے جاتے ہیں ؏

تلوم علی حب الخلیل ولم یکن ۔۔۔ یسلو قلبی من وداد خلیل

اے مخاطب تو مجھ کو مولانا خلیل احمد کی محبت پر ملامت کرتا ہے مگر میرا دل ان کی محبت سے جدا نہیں ہو سکتا

فدت مہ نفوس العاشقین فانہ ۔۔۔ لعمرک شفاء کل قلب علیل

عشاق کی جانیں ان پر فدا ہوں کیونکہ وہ میری جان کی قسم ہر بیماری شفاء ہیں۔

تراہ اذا ما جئتہ متہللا ۔۔۔ بنور من اللہ العظیم جلیل

جب تم ان کے پاس آؤ تو ان کے چہرے کو خدائے بزرگ کے نور سے چمکتا ہوا پاؤ گے۔

ایعذلنی من لم یشق بعد وجہہ ۔۔۔ ولن یجدوا حقا لہ بمثیل

کیا جسے انکی زیارت اب تک نہیں کی مجھے ملامت کرتا ہے حالانکہ سچ یہ ہے کہ انکی نظیر ہرگز نہ مل سکے گی۔

قد لاح من بعد مَیا جماله کبر الله الجلیل عذولی

اگر دور سے ان کا باجمال چہرہ ظاہر ہو جاتے تو میرا ملامت کرنے والا خدا کی تکبیر کہنے لگے۔

یقولون ان الحب تالۃ الفتی وطوبی لصب فی الغرام قتیل

لوگ کہتے ہیں کہ محبت انسان کے لیے قاتل ہے میں کہتا ہوں کہ عاشق مقتول کے لیے مبارک باد ہو۔

کان سہارنپور ما کان فیہ واحد اذا لم یکن فیہ جمال خلیل

سہارنپور میں جب مولانا خلیل احمد کا جمال نہ ہوتا تو گویا اس میں کوئی بھی نہ ہوتا۔

دعتہ دواعی الشوق من حب احمد فاضحی بخیر الارض خیر نزیل

مولانا کو سرور کائنات صلعم کی محبت سے پیدا ہونیوالی داعی شوق سے بلایا تو وہ بہتر زمین میں بہتر مقیم ہو گئے۔

نبی اتی للعالمین ھدایۃ بوجہ یفوق النیرین جمیل

وہ ایسے نبی ہیں جو تمام جہان کے لیے ہادی بن کر ایسے خوبصورت چہرے کے ساتھ تشریف لائے جو آفتاب و ماہتاب سے بھی فائق ہے۔

اتانا بمعجز اعجز الناس مثلہ فلا یسمع الدعوی بغیر دلیل

آپ ہمارے پاس ایسا چمکتا ہوا معجزہ لائے جس کی نظیر سے تمام لوگ عاجز ہو گئے کیونکہ دعوے بلا دلیل مسموع نہیں ہوتا۔

علیہ سلام الله مادام عاشق وصال حبیب او ذھاب

آپ پر حق تعالیٰ کی طرف سے صلوۃ وسلام نازل ہوتا ہے جب تک کوئی عاشق محبوب کے وصال کی یاد میں گردوں کی جدائی کی تمنا کرتا ہے۔ (از تاریخ مظاہر)

۴۴ اشعار کا ایک قصیدہ مدحیہ تاریخیہ بذل المجہود جلد ثانی کے آخر میں بھی شائع شدہ ہے ان اشعار میں بھی حضرت مولانا سہارنپوری اور حضرت موصوف کی تصنیف کی تعریف بڑے عمدہ پیرایہ میں کی گئی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بارہ میں مولانا مرحوم کے تاثرات

مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو علم تصوف اور تفسیر میں کمال حاصل تھا۔ تربیت السالک و اصلاح معاشرہ حضرت کا بڑا کارنامہ ہے۔ وہ اپنے زمانے کے مجدد تھے"

(انوار النظر)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہ نے اپنے تجدیدی کارناموں میں جہاں اور بہت سی عظیم الشان اسلامی خدمتیں انجام دی ہیں ان ہی میں ایک کارنامہ یہ ہے کہ باب حسن معاشرت کو زندہ فرما دیا۔ واقعی آپ کے لیے بجا طور پر اللہ تعالیٰ نے قلوب رجال میں لقب حکیم الامت مجدد الملت القاء فرمایا تھا" (رحمۃ القدوس ص ۲۰۹/۲)

حضرت مولانا مرحوم نے رحمۃ القدوس کی دوسری جلد کے ص ۲۰۷ تک حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی حیات مبارکہ میں تحریر فرمایا تھا جب ص ۲۰۸ سے حضرت کی وفات کے بعد لکھنا شروع کیا اور پہلی مرتبہ حضرت حکیم الامت کے نام کے ساتھ بجائے ان القاب کے جو زندگی کے ساتھ خاص تھے ایسے الفاظ کا استعمال کیا جن کا وفات کے بعد استعمال کیا جاتا ہے تو اس پر حضرت مولانا مرحوم نے اپنی جن قلبی کیفیات اور دلی تاثرات کا اظہار فرمایا ہے وہ بھی قابل ملاحظہ ہیں ارقام فرماتے ہیں:۔

"آہ آج بجائے دام مجدہم اور دام برکاتہم کے حضرت کے نام کے ساتھ قدس سرہٗ اور نور اللہ مرقدہٗ قلم سے لکھا جا رہا ہے۔ کیا کہوں اس وقت دل پر کیا گزر رہی ہے ؎

تفطر قلبی اذ رأیتک واحدا   وکادت لھا شم الجبال تزلزل

کسے وہم تھا کہ نہ ہوں گے وہ کسے تھا گماں کہ رہیں گے ہم۔ ظفر آہ کیسے گئے ہیں وہ کہ چراغ دل ہی بجھا گئے۔ وہ حکیم الامت مصطفے وہ مجدد طرق ھدیٰ وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔

۱۶ رجب ۶۲ھ سے آنے والی رات کو دوشنبہ کی مغرب کے بعد عشاء کے وقت آفتاب رشد و ہدایت غروب ہو گیا۔ دریائے حکمت و معرفت زیر زمین مخفی ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اب کون محبت و شفقت کے لہجہ سے مولوی ظفر کہہ کر مجھے پکارے گا۔ کون دستِ شفقت سر پر پھیرے گا؟ کون علمی و عملی کوتاہیوں پر تنبیہ کرے گا اور کون علوم ظاہرہ اور احوال باطنہ کی گتھیوں کو سلجھائے گا اور کون بابرکت مجلس اور قیمتی ملفوظات سے تاریک دلوں کو منور کرے گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

فدتہ نفوسنا لو کان یبقی   لکان لنا بہ ظل ظلیل!

(رحمۃ القدوس صـ۳۳ ج ۲)

حضرت حکیم الامتؒ کی وفات پر حضرت مولانا مرحوم کے تاثرات اس نظم عربی سے بھی واضح ہیں جو اشرف السوانح کے خاتمہ میں شائع ہو چکی ہے۔ ۱۹ اشعار کی یہ نظم عربی مولانا مرحوم کے دلی سوز و گداز اور تاثرات کا آئینہ ہے اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

واوحشت البلاد بنا و امست   بیابا ما یسوء فیھا خلیل

ترجمہ:۔ شہر ہمارے وحشت ناک ہو گئے اور ویران بن گئے کوئی دوست نظر نہیں آتا۔

اور دوسرا شعر یہ ہے:۔

وکاد القلب ان ینشق لما   رأیت لک التراب لک المقیل

ترجمہ:۔ اور دل شق ہونے لگا جب میں نے دیکھا کہ آپ کی آرام گاہ مٹی میں ہو گی۔

۳۶ اشعار کا ایک دوسرا مرثیہ بھی عربی زبان میں مولانا نے لکھا تھا جو پہلے معارف اعظم گڈھ ۱۳۶۲ھ میں شائع ہوا پھر بھی مرثیہ بعض اصلاحات و اضافات کے بعد البلاغ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوا ہے جس کا ایک شعر رحمۃ القدوس کے حوالہ سے اوپر بھی لکھا گیا ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے جنازہ میں شرکت

ربیع الاول ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) کی بات ہے کہ مولانا مرحوم ڈھاکہ سے گرمیوں کی تعطیل کا زمانہ گزارنے تھانہ بھون آئے تھے اس وقت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کو تکلیف تھی مگر سہارنپور کے علاج سے کچھ فائدہ ہونے لگا۔ اور زنانہ مکان سے متصل ظہر سے عصر تک مجلس قائم فرمانے لگے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر کچھ اطمینان ہو گیا تھا۔ اس لیے مولانا آخر جون میں ڈھاکہ میں تشریف لے گئے۔ مگر جولائی میں تھانہ بھون سے خط کے ذریعے حضرت تھانویؒ کی طبیعت کے متغیر ہونے کا حال معلوم ہوا اس میں لکھا تھا کہ آپ جلد آجائیں۔ مولانا نے اس خط پر زیادہ خیال نہیں کیا کہ شاید معمولی تغیر سے گھر والے گھبرا گئے ہوں گے۔

مولاناؒ کا خواب اور غیبی اشارہ

رات کو مولانا نے خواب میں دیکھا کہ "مولانا تھانہ بھون گئے ہیں اور حضرت سے ملے ہیں تو حضرت مولانا کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ میری نمازِ جنازہ پڑھانے والا آگیا"۔ اس خواب سے مولانا کے دل پر اثر ہوا اور شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے جلد ہی تھانہ بھون جانے کا مشورہ دیا۔ مولانا نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے رخصت کی درخواست لکھ کر حکیم صاحب موصوف کے حوالہ کی اور اگلے ہی دن تھانہ بھون کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس خواب کا مولانا نے دوسرے دو اور حضرات سے بھی ذکر کر دیا تھا۔ انہوں نے بھی مولانا کے ہمراہ تھانہ بھون جانے کا عزم ظاہر کیا تو مولانا مرحوم نے ان کو اس شرط پر اپنے ساتھ لے جانا منظور کیا کہ اس خواب کا تذکرہ وہاں جا کر کسی سے نہ کیا جائے کیونکہ اس سے اعزہ و احباب کو پریشانی ہو گی۔

مولانا تھانہ بھون حاضرِ خدمت ہوئے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کتنی رخصت لے کر آئے ہو؟ عرض کیا کہ ایک ماہ فرمایا بہت تھوڑی ہے۔ مولانا نے عرض کیا بعد میں توسیع کرا لی جائے گی۔ فرمایا بہت اچھا۔ مگر ہوا یہ کہ مولانا کی حاضری کے صرف دس روز بعد ہی حضرت نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور توسیعِ رخصت کی ضرورت پیش نہ آئی۔

آخری دن اور آخری وقت میں خدمت

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی آخری دن میں آخری وقت وصال تک خدمت بجالانا مولانا مرحوم کے حصہ میں رکھی تھی۔ مولانا اس دن ہمہ تن حضرتؒ کی تیمارداری میں مشغول رہے اور عشاء کے وقت جو عین وقتِ نزاع تھا

سب خدام نمازِ عشاء کے لیے گئے ہوئے تھے مولانا نے دوسری مسجد میں اول وقت اذان دلا کر جلد ہی جماعت سے نماز پڑھ لی تھی اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے تھے حضرت تھانویؒ نے مولانا کو پکارا ابھی تھا مولانا نے حاضر ہو کر لبیک قبلہ کہہ دیا۔ اور حالتِ نزع میں آبِ زمزم میں شہد ملا کر چمچے سے بار بار پلاتے رہے اور سورۃ یٰسین شریف کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مولانا مرحوم نے اس کی تفصیل ایک خط میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کو اس طرح لکھ کر بھیجی تھی۔ فرماتے ہیں:-

"یہ ناچیز آخر وقت تک حاضرِ خدمت رہا دل پر پتھر رکھ کر بیٹھا رہا۔ قلب اطہر کی طرف متوجہ رہا۔ تشنگی رفع کرنے کے لیے آبِ زمزم دیتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری سانس میرے سامنے ختم ہوا۔ یٰسین اور کلمہ کی تلقین کرتا رہا۔ غسل بھی دیا نماز بھی پڑھائی۔"

نمازِ جنازہ کی امامت

ناظرین نے اوپر پڑھا ہو گا کہ مولانا کے استاذ مولانا عبد اللہ گنگوہیؒ کو مولانا مرحوم کے خوابوں پر بڑا اعتماد تھا اور واقعی مولانا کے خواب بکثرت واقعہ بن کر ظاہر ہوئے۔ ڈھاکہ میں مولانا نے جو خواب حضرت تھانویؒ کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے متعلق دیکھا تھا وہ بھی ہو بہو واقعہ بن کر سامنے آیا حضرت تھانوی کے چھوٹے بھائی جناب منشی مظہر علی صاحب مرحوم نے جو کہ حضرت کے ولی تھے مولانا کو آواز دی کہ نماز پڑھاؤ مولانا نے عذر بھی کیا کہ حضرات علماء سہارنپور میں سے کسی کو اس خدمت کے لیے تجویز کیا جائے مگر انہوں نے مکرر مولاناؒ ہی کو نماز پڑھانے کیلئے کہا اب مولانا نے آگے بڑھ کر نمازِ جنازہ پڑھانے کا شرف حاصل کیا اور احباب کو اس خواب کے بیان کرنے کی اجازت بھی دے دی۔

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا مرحوم کو تحریری طور پر مبارک باد

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اپنی وفات سے دو دن پہلے مولانا کو حسب ذیل تحریری بشارت باوجود انتہائی ضعف کے اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی تھی۔ اس میں تحریر تھا ھنیئاً لکم المنوذج ایۃ وجعلنا ھا وابنھا آیۃ للعالمین یہ تحریر دے کر فرمایا پڑھ لیا اور سمجھ لیا۔ مولانا نے عرض کیا پہلا لفظ نہیں پڑھا گیا فرمایا ھنیئاً لکم (مبارک باد) مولانا نے عرض کیا اب سمجھ گیا اور اس نعمت پر سجدہ شکر بجالائے۔" واقعی حضرت شیخ کا اپنے کسی متوسل اور منتسب کو اپنے آخری وقت میں مبارکباد دینا اور اس سے راضی خوشی اس دنیا سے جانا اس کے لیے بڑی ہی خوش بختی اور خوش نصیبی کی بات ہے کیونکہ شیخ کی رضا اور خوشنودی ہی دارین کی فلاح اور سعادت کی کلید ہے۔

حضرت مولانا مرحوم اس مبارکباد کے ذکر کے بعد ارقام فرماتے ہیں :-

" حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے بعض خلفاء کو جو اس وقت تھانہ بھون میں موجود تھے اس بشارت سے پہلے مجھ سے کچھ خلش تھی حضرت کے انتقال کے بعد انہوں نے مجھ سے معافی چاہی تو میں نے غالب کا یہ شعر پڑھ کر سب کو معاف کر دیا۔

سفینہ جب کہ کنارہ پہ آ لگا غالبؔ خدا سے کیا گلہ جور نا خدا کہیئے !

(انوار النظر ص ۳۰ ج ۲)

مولانا کا خواب

مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ :-

" جب سازشین سازش کر رہے تھے اس زمانہ میں احقر نے خواب میں اپنے جدامجد حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ باغی ان کو خلافت سے معزول کرنا چاہتے تھے انہوں نے اپنے کو معزول نہیں کیا اور شہید کر دیئے گئے ہیں۔ میں نے

یہی سمجھا کہ میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہو رہا ہے اور جیسے وہ خلفاء راشدین میں شمار ہوئے اور باغیوں کی کچھ نہ چلی اسی طرح میرا بھی معاملہ ہو گا۔

راج کہتا کی ایک کتاب

مولانا مرحوم تحریر فرماتے ہیں " مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حکیم حبیب الرحمن صاحب ڈھاکوی مرحوم کے سامنے ایک ہندو سے ایک کتاب راج کہتا سنی جس میں بڑے بڑے لوگوں کا تذکرہ تھا اور یہ کتاب پانچ ہزار سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں سیدنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی تھا اور دیگر صحابہ و اولیاء کرام کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا تذکرہ بھی تھا جس میں یہ فقرہ بھی تھا کہ ایسے رشی صدیوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ پھر حضرت کے خلفاء میں سے بارہ خلفاء کا تذکرہ تھا جن میں اس احقر کا نام بھی تھا اور مولانا محمد طیب صاحب کا بھی اور حافظ محمد الیاس صاحب کا بھی وھذا من فضل ربی۔"

نوٹ : حضرت حکیم الامتؒ نے اس کتاب کے متعلق فرمایا تھا کہ " یا تو اس کا مصنف علم جفر و رمل کا ماہر تھا کہ پہلے زمانے میں اس علم کے صحیح اصول موجود تھے یا کوئی صاحب کشف۔" بہا د اللہ اعلم۔

(مکتوب گرامی مولانا مرحوم بنام صوفی علی محمد صاحب مرحوم)

باب ہشتم

مذہب وسیاست

سیاست کا مذہب کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اسلام میں سیاست کا کیا درجہ ہے ؟ اس سوال کے جواب کے لیے پہلے سیاست کے معنی اور مفہوم کو ذہن نشین کرنے کے لیے ضرورت ہے اس کے بعد بتلایا جائیگا کہ اس کا مذہب اور اسلام سے کیا تعلق ہے ؟

سیاست کے لفظی اور اصطلاحی معنی

سیاست کے لفظی معنی دیکھ بھال یا نگہبانی کے ہیں۔ لفظ "سائیس" اسی لفظ سیاست سے ماخوذ ہے جس کے معنی نگران کے ہیں لیکن سیاست کے اصطلاحی معنی ملکی دیکھ بھال اور نظام ملکی کے لیے تدابیر پر غور کرنے اور اس کے لیے قوانین وضع کرنے کے ہیں۔

کتب حکمت وفلسفہ کے مطالعہ سے واضح ہے کہ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل کی طرح سیاست مدنیہ بھی حکمت عملیہ کی ایک قسم کا نام ہے جس میں بہت سے انسانوں کی بود وباش اور رہنے سہنے کی ضروریات ومصالح اور کسی ایک شہر یا ملک کی دیکھ بھال اور اس کے نظام سے بحث کی گئی ہو اسی سیاست مدنیہ اور تدبیر ملک داری کو عرف عام میں سیاست کہا جاتا ہے۔ سیاست کے اس صحیح مفہوم

اور معنی معلوم ہو جانے کے بعد واضح ہو گیا ہوگا کہ عام طور پر ملک میں جو سیاست مروج ہے اور اس نقطہ کوشش کہ عام ذہنوں میں جو معنی آتے ہیں یعنی مکر وفریب اور دغابازی اور عیاری وچالاکی یہ یورپین سیاست ہے۔ شرعی سیاست سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی سیاست سے مولانا مرحوم نے اپنے شجرہ میں اپنے متعلقین کو علیحدہ رہنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

سیاست کی تقسیم

اس کے بعد جاننا چاہیئے کہ تدبیر ملک داری اور ملک کا نظام جس کو سیاست کہا جاتا ہے اس کے دو حصے ہیں ایک سیاست کا علمی حصہ اور اس کے احکام شرعیہ ہیں۔ سیاست کا یہ حصہ شریعت کا جزو اور اس کا حصہ ہے چنانچہ کتاب السیر حدیث وفقہ کا ایک مستقل جزو اور باب ہے۔ درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے ذریعہ ہر دور میں علماء نے اس کو باقی اور قائم رکھا ہے اور شریعت کے اس حصہ کی علمی طور پر حفاظت کی ہے۔ سیاست کا یہی وہ حصہ ہے جس سے ہر عالم کو واقف ہونا چاہیئے اور اس کی واقفیت حاصل کرنا عالم کے فرض منصبی میں شامل ہے۔ دوسرا حصہ سیاست کا ملک داری کے نظام اور اس کو قائم رکھنے کی تجرباتی تدابیر ہیں جو ہر زمانہ میں حالات وواقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر وتبدل سے بدلتی رہتی ہیں۔

پھر چونکہ تجربہ کا دار ومدار حالات وواقعات کے پیش آنے اور اُن سے واقفیت حاصل ہونے پر ہے اس لیے تجرباتی تدابیر میں علماء کے حالات مختلف ہو سکتے ہیں اور یہ عین ممکن ہے بلکہ واقع ہے کہ کسی عالم کو ایسے حالات سے دلچسپی اور واسطہ نہ ہونے یا کم ہونے کی وجہ سے ان کا تجربہ کم ہو اور دوسرے کو ایسے حالات اور واقعات سے زیادہ دل بستگی اور وابستگی ہونے کے سبب زیادہ

تجربہ حاصل ہو۔ تجربہ کی یہ کمی بیشی حالات اور واقعات، کی واقفیت کی کمی بیشی پر مبنی ہوتی ہے اور ہر عالم کا حالات واقعات سے واقفیت حاصل کرنا اور تجربہ کار ہونا اگرچہ ضروری نہیں ہے لیکن چونکہ دُنیا کی کوئی تجویز و تدبیر اور کسی شخص کا کوئی عمل اور اُس کی رائے ایسی نہیں ہو سکتی جو شریعت کی حدود سے باہر اور مذہب کی گرفت سے آزاد ہو اور جس کا حکم شرعی جائز یا ناجائز ہونا شریعت سے معلوم نہ کیا جا سکتا ہو۔ اس لیے عالم شریعت کے لیے ہر عمل اور ہر تجویز و تدبیر سے متعلق شرعی حکم کا علم رکھنا اور اس سے واقفیت حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور شریعت کی ان تدابیر اور تجاویز پر عمل کرنے والوں کے لیے بھی علماءِ شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ عمل کرنے سے پہلے علماءِ شریعت سے معلوم کریں کہ یہ تدابیر اور تجاویز از روئے شریعت و مذہب قابل عمل اور جائز ہیں یا نہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے فن طب میں اصلاح احوال بدن کی تدابیر مدون کی گئی ہیں اور حفاظت میں ان ان تدابیر کی عملی طور پر مشق کرائی جاتی ہے مگر ظاہر ہے کہ ان طبی تدابیر کا جاننے والا جب تک کسی طبیب کے پاس رہ کر مطب نہیں کرے گا اور ان طبی تدابیر پر عمل نہیں کرے گا اس وقت تک فن طب کے عالم ہونے کے باوجود اس میں تجربہ کار نہیں ہو سکتا۔

اصلاح احوال بدن کی تدابیر کا علم حاصل کرنا اور پھر مطب میں ان تدابیر پر عمل کرنا اگرچہ طبیب کے فرائض میں داخل ہے اور بحیثیت طبیب وہ اس پر عمل پیرا ہونے کا مکلف ہے مگر ان طبی تدابیر کے متعلق جواز اور عدم جواز شرعی کی تحقیق کرنا عالم شریعت کا فرض منصبی ہے اور طبیب کے ذمہ لازم ہے کہ

وہ ان تدابیر پر غور کرنے سے پہلے ان کے جواز اور عدم جواز کو کسی ماہر شریعت سے معلوم کرے۔ ایسا ہی سیاست مدنیہ یعنی نظام ملکی کی ان تدابیر اور تجاویز کا حال ہے جن کا تعلق واقعات اور تجربات سے ہے کہ ہر عالم کے لیے ایسی سیاسی تدابیر میں تجربہ کار ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اس قسم کے تجربات کا حاصل نہ ہونا کسی عالم کے حق میں نقص میں شمار کرنے کے لائق ہے کیونکہ ایسے تجربات میں مہارت حاصل کرنے کے ذرائع دُوسرے ہیں جن کا خلاصہ ایسے امور سے طبعی مناسبت کے علاوہ وقائع خاصہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن ایسے تجربات رکھنے والوں پر بہر حال لازم ہے کہ ان کے تجربہ کی بناء پر جن تدابیر و تجاویز پر عمل کرنا ملکی مصالح کے لیے مفید اور زیر غور ہو ان پر عمل کرنے سے پہلے ان کے بارے میں علماءِ شریعت سے استصواب کریں اور ان کے جواز اور عدم جواز کی تحقیق کریں۔

سیاسی جماعت کا کام

نظام ملکی کو قائم رکھنے والی اور سیاسی تدابیر میں تجربہ کاروں کی جماعت کا ایک کام تو یہ ہے کہ وہ اپنی سیاسی بصیرت اور تجربات کے پیش نظر ایسی تدابیر پر غور و فکر کرتی رہے جو اس نظام کے لیے مفید ہوں اور دوسرا کام اس کا یہ ہے کہ غور و فکر کے بعد جو تجاویز اس کو قابل عمل اور مفید معلوم ہوں ان کے متعلق علماءِ شریعت سے شرعی احکام معلوم کر کے اس کے مطابق عمل پیرا ہوں۔

علماء کا اصل کام

اور جماعت علماء کا عام حالات میں ملکی سیاسیات سے متعلق اصل کام تو یہی ہے کہ وہ ان تدابیر کے شرعی احکام اور اُن کے جواز اور عدم جواز کی تحقیق کر کے اُن کے بارے میں یہ

فیصلہ صادر کرے کہ فلاں تدبیر اور تجویز از روئے شریعت جائز اور قابلِ عمل ہے اور فلاں تدبیر اور تجویز شرعاً جائز اور ناقابلِ عمل ہے۔

جب معلوم ہو گیا کہ ان دونوں جماعتوں کا دائرۂ عمل الگ الگ اور فرائض جُدا جُدا ہیں کہ ایک جماعت کا کام تدابیر کا تحقیق کرنا اور ان میں سے جائز تدابیر کو بروئے کار لانا اور ملک میں عملی طور پر ان کا نافذ کرنا ہے اور دوسری جماعت علماء کا اصل کام ان تدابیر کے بارے میں شرعی احکام بتلانا ہے۔ تو اب یہ کس قدر حقیقت ناشناسی کی بات ہے کہ ایک جماعت کے فرائض پر دوسری جماعت کو مجبور کیا جاتا ہے اور ایک جماعت کی ذمہ داریوں کو دوسری جماعت کے سر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

استثنائی حالت

البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی موجود نہ ہو کہ وہ علماء سے احکام شرعیہ دریافت کر کے عمل کیا کرے اور جو سیاسی جماعت موجود ہو وہ نظام ملکی کی تدابیر پر عمل پیرا ہونے میں حدودِ شریعت سے تجاوز کر جاتی ہو تو پھر ایسے وقت میں علماء کے ذمہ یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ یا تو ایک ایسی جماعت بنائیں جو علم احکام میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر سیاست اور تدابیر امور مملکت کا تجربہ بھی رکھتی ہو اور وہ جماعت علمی اور عملی طور پر سیاست کی جامع ہو یا پھر موجودہ جماعت میں سے کسی جماعت کو اس پر آمادہ کریں۔ کہ وہ علمائے شریعت سے احکام معلوم کر کے ان کی ہدایت پر عمل کرنے کی پابندی کرے۔

اور ظاہر ہے کہ ایسی جامع جماعت کا انتظام کرنے کی شرط یہ ہے کہ

اس پر قدرت و استطاعت حاصل ہو کیونکہ انسان احکام شرعیہ اور ادا کے فرض کا اپنی استطاعت و قدرت کے موافق ہی مکلف ہوتا ہے۔

قرآنی دلیل

قرآن مجید میں نص ہے کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے جہاد کرنے کے لیے ایک مستقل بادشاہ کے مقرر کرنے کی درخواست کی تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خود ہر نبی کے لیے بھی سیاسیات میں تجربہ اور مناسبت لوازم میں سے نہیں تا بہ دیگراں از علماء و مشائخ چہ رسد ورنہ ایسی درخواست رد کر دی جاتی۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ کسی نبی میں نقص کا ہونا جائز نہیں ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ ایسے تجربات اور مناسبت کا نہ ہونا نقص نہیں ہے بہر حال نبی کے ہوتے ہوئے ان سے یہ کام لینا اثبات مدعا کے لیے کافی ہے کہ کمال نبوت کے لیے سیاسی تجربہ لازم نہیں ہے۔

اور امور تجربیہ کا علم اگرچہ اپنے آثار نافعہ کے ایک اعتبار سے کمال ہے مگر اس کے فقدان سے نقص لازم نہیں آتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ "کمال اور نقص متناقض نہیں ہیں کہ کمال کا رفع نقص کے وضع کو مستلزم ہو بلکہ متضاد ہیں دونوں کا رفع اور درمیان میں واسطہ کا ہونا جائز ہے"۔

چنانچہ بعثت عامہ کمال ہے مگر اس کا عدم بھی نقص نہیں ورنہ بجز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو باوجود کمال جامعیت اور سیاست میں ماہریت کے بھی غزوہ احزاب میں خندق کھودنے کی تدبیر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے حاصل ہوئی۔ قصہ تابیر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد انتم اعلم بامور دنیٰکم ایسے تجربوں پر محمول ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسے

تجربے اور تدبیریں اپنی ذات میں دنیوی امور ہیں گو مباح ہیں عارض سے دین ہو جاتے ہیں اسی لیے ان کا نہ جاننا کسی درجہ میں کمال مقصود میں قادح نہیں"

(ماخوذ از رسالہ رفع بعض الشبہات علی السیاسیات من الآیات حضرت تھانویؒ)

اوپر کی تحقیق سے ایک تو یہ بات واضح ہو گئی کہ سیاسیات کا عملی حصہ یعنی تدابیر تجربیہ چونکہ اپنی ذات میں دنیوی امور ہوتے ہیں اور اصل میں شریعت کا جزء نہیں ہیں گو عارض سے دین ہو جاتے ہیں اس لیے ان امور تجربیہ کی بالقصد تحصیل اور ان کے معلوم کرنے کے لیے جدوجہد کرنا اور اس میں عملی حصہ لینا دوسرے امور دنیوی کی طرح عالم شریعت کے اصل فرائض اور اس کی ذمہ داری میں شامل نہیں ہے۔ ہاں جب کوئی جماعت بھی اس کام کو شریعت کے موافق انجام نہ دے رہی ہو تو پھر اس عارض کی وجہ سے وقتی طور پر یہ ذمہ داری بھی علماء کی جماعت پر ہی عائد ہو جاتی ہے البتہ ایسے سیاسی تجربات کے جواز اور عدم جواز کی تحقیق کرنا ہر حال میں عالم شریعت کے ذمہ اور اس کا فرض منصبی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان تدابیر سیاسیہ پر عمل کرنے والوں کے لیے علماء شریعت سے کسی وقت بھی استغنا نہیں ہے بلکہ ان پر عمل کرنے کے لیے علماء کی طرف رجوع کرنے کی ان کو ہر وقت احتیاج اور ضرورت ہے۔

دوسری بات اس تحقیق سے یہ معلوم ہوئی کہ علماء کا اصل وظیفہ اور ان کا فرض منصبی احکام شرعیہ کی تحقیق و تشریح کرنا ہے۔ اس لیے علماء کی جو جماعت احکام شرعیہ کی تحقیق و تبلیغ میں مصروف عمل ہو گی اور اس وجہ سے وہ ان امور سیاسیہ میں مشغول نہیں ہے تو وہ جماعت علماء اپنے اصل فرضِ منصبی کی ادائیگی میں لگی

ہوئی ہے اس لیے از روئے شریعت نہ تو وہ کسی کوتاہی عمل کی مرتکب ہو رہی ہے اور نہ ہی وہ علمی طور پر کسی نقص میں مبتلا ہے۔

ایک قابلِ اصلاح غلطی

اس جگہ ایک قابلِ اصلاح عامیانہ غلطی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ سیاست ملکی میں عملی حصہ لینے والی جماعت علماء اور اس کی ملکی و سیاسی خدمات کو۔ دوسری جماعت علماء سے عام طور پر کامل ترسمجھا جاتا ہے جو اپنے اصلی فرض منصبی کے ادا کرنے میں منہمک اور اس کی علمی خدمات مسائل شرعیہ کی تحقیقات میں مشغول ہیں اور اس طرح وہ اپنے علمی منصب کی حق ادا کر رہے ہیں حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے کہ علماء کی جو جماعت علمی خدمات میں سرگرم عمل اور جائز و ناجائز امور کی تحقیقات سے لوگوں کو آگاہ کرنے اور ان کی تعلیم و تعلم اور تبلیغ و اشاعت میں مشغول ہے وہ دین کی اصل خدمت انجام دے رہی ہے اس لیے کہ علماء شریعت کا کام یہی ہے کہ دین کے عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات وغیرہ کی حفاظت و تبلیغ کا فرض انجام دیں اور دین کے شعبہ سیاست کو بھی لادینی سیاست کے تصورات اور اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں اور اگر کسی وقت ان کو ملکی اقتدار حاصل ہو یا نظم مملکت میں اثر و رسوخ حاصل ہو جائے تو وہ اس کو بھی دین کے شعبہ عقائد اور اعمال و اخلاق کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنائیں اور اس اقتدار کو دین کے معروفات کے قائم کرنے اور منکرات کے ازالہ کا وسیلہ تصور کریں کیونکہ دین کا یہ شعبہ سیاست اپنی ذات سے خود مطلوب و مقصود نہیں ہے بلکہ دین کے دوسرے شعبوں عقائد و عبادات وغیرہ کے قائم کرنے کا ذریعہ ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے۔

اب یہ تو صحیح طریق کار اور طبعی عمل ہے کہ سیاسی اقتدار کو ذریعہ کے درجہ میں رکھ کر اس سے معروفات کے قائم کرنے اور منکرات کے ازالہ کا کام لیا جائے اور زمین میں حکومت اور تسلط کو دین کے تمام شعبوں کی خدمات سرانجام دیئے جانے کا وسیلہ بنایا جائے مگر خود اقتدار کو ہی مقصود بالذات بنا کر اس کے حصول کے لیے اس طرح سرگرداں ہو جانا کہ دین کے دوسرے تمام شعبوں کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ معلوم ہونے لگے کہ یہی ملکی اقتدار اور سیاست ہی اصل دین ہے اور دوسرے تمام دینی شعبے گویا اسی کے تابع اور اس کی فرع ہیں تو یہ ایک غیر طبعی عمل اور قلب موضوع ہو گا۔ اور اگر اس عملی سیاست میں شریعت کی حدود کی بھی پرواہ نہ کی جائے اور مذہب کی قید سے آزاد ہو کر حصہ لیا جائے تب تو اس کے لادینی ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا۔ ایسی ہی سیاست کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس جگہ سے دین و مذہب اور سیاست کے ربط و تعلق کا حال واضح ہو جاتا ہے کہ سیاست دین و مذہب کا ایک شعبہ اور اس کی ایک شاخ ہے اور یہ دین اور مذہبِ اسلام چونکہ ایک جامع نظام حیات ہے وہ اپنے تمام شعبوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے اس شعبہ سیاست پر بھی حاوی ہے اور یہ شعبہ سیاست بھی دوسرے تمام دینی شعبوں کی طرح مذہب کی حدود و قیود کا پابند ہے اب جو سیاست ان حدود و قیود سے آزاد ہو اس سیاست کا دین و مذہب سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں ہے ایسی ہی آزاد اور بے قید سیاست کو چنگیزی اور لادینی سیاست کا نام دیا گیا ہے۔

بہر حال جن لوگوں نے سیاست کے بارہ میں یہ نظریہ قائم کیا ہے کہ سیاست کو مذہب اور اسلام سے کوئی سروکار اور واسطہ نہیں ہے اُن کا یہ نظریہ قطعاً غلط اور سراسر باطل ہے ایسے لوگوں کو یا تو اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے اور مذہب کے انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہونے اور اس کے مادی اور روحانی تمام ضروریات کے کفیل و ضامن ہونے کی بالکل خبر ہی نہیں ہے یا پھر وہ اسلام کے ہمہ گیر اور جامع نظام حیات ہونے سے دیدہ دانستہ انکار کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

علماء اور سیاست

تاریخ اسلام کے اوراق سے یہ حقیقت روشن ہے کہ ابتدائے اسلام سے ہی ہمیشہ علماء کی جماعت نے سیاست میں حصہ لیا ہے اور کتاب و سُنّت کے عالم ہونے کی حیثیت سے حضرات علماء کرام نے اسلام کے دوسرے شعبوں کی طرح اس کے شعبہ سیاست میں بھی رہبری اور نگرانی کا فرض ہمیشہ انجام دیا ہے اور لادینی سیاست کے غلط رجحانات اور گندی سیاست کی آلائشوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی کوششیں علمائے کرام کا اہم کارنامہ ہے البتہ سیاست میں حصہ لینے اور ملکی خدمات میں شرکت کرنے کا ہمیشہ اور ہر دور میں ایک ہی طرز نہیں رہا بلکہ زمانہ اور حالات کے مطابق علماء کی طرف سے ہر دور میں اس کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام ابو حنیفہؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ بہت سے اکابر امت نے اپنے اپنے زمانہ میں جس طرح علم و فضل میں اُمت کی پیشوائی اور امامت فرمائی ہے اسی طرح ان حضرات نے اسلام کے نظام حکمرانی اور امورِ سیاست میں بھی رہنمائی

فرمائی ہے۔ مگر اس رہنمائی میں سب کا ایک ہی طریقۂ کار اور ایک ہی طرزِ عمل نہیں رہا۔

بعض حضرات نے اگر اپنے خطاب اور مکتوبات کے ذریعے حکمرانوں اور بادشاہانِ اسلام کی رہنمائی اور نگرانی فرمائی ہے تو دوسرے بعض حضرات نے کاروبارِ حکومت میں دخیل کار اور نظامِ ملکی میں عملی طور پر شریک ہو کر بھی کارہائے حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھالا ہے اور سلاطینِ وقت کی طرف سے عہدہ ہائے جلیلہ اور منصبِ عظیمہ پر فائز ہو کر اپنی قدرت و استطاعت کے موافق صورتِ حال کے درست کرنے کی کوشش اور سعی کی ہے۔

محدّث جلیل امام زہری رحمہ اللہ علیہ کا خلیفہ عبدالملک کے زمانے سے لے کر خلیفہ یزید بن عبدالملک کے زمانۂ حکومت تک کاروبارِ مملکت میں شریک رہنا اور جناب امام شعبیؒ کا ان ہی عبدالملک کی طرف سے عہدہ سفارت قبول کر کے قیصرِ روم کی طرف جانا اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ کا خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے قاضی القضاۃ کے عہدے کو قبول کرنا۔ پھر پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن حزم ظاہری کا وزارت کے اہم عہدے کو برداشت کرنا اور اسی طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے بعض علمائے کرام کا طرزِ عمل واضح ہو رہا ہے کہ انہوں نے شعبۂ سیاست اور ملک رانی میں عملی طور پر حصہ لے کر اصلاحِ احوال کی کوشش فرمائی ہے۔

لیکن بعض اکابر علمائے کرام نے کاروبارِ حکومت اور سیاست میں عملی حصہ نہیں لیا بلکہ صاحبِ اقتدار امراء اور سلاطین اور جن کے ہاتھ میں زمامِ اختیار تھی ان کی علمی رہنمائی اور اصلاح کی طرف توجہ فرمائی اور اس طریقے سے حکمرانوں کی سیاست

کا رُخ لادینی سیاست سے دین و مذہب اور دینی سیاست کی طرف تبدیل کرنے کی بار آور سعی فرما کر اپنا فرض خدمتِ اسلام اور اصلاحِ امت کے لیے انجام دیا۔ اس کی مثال ہندوستان کی سیاست میں اکبر کے ملحدانہ خیالات کی اصلاح کے لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ کا پُرعزم مجاہدانہ اقدام ہے چنانچہ حضرت مجدد صاحب کے مکاتیب کا بہت بڑا حصہ اس زمانہ کے امراء اور صاحبِ جاہ و منصب لوگوں کے نام ایسی ہی اصلاحات پر مشتمل ہے۔

سیاست کے بارے میں علماءِ کرام کے اس مختلف طرزِ عمل اور طریقۂ کار کے اختیار کرنے کے باوجود ان سب کا مشترکہ نقطۂ نگاہ ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ مملکت میں قرآن و سُنّت اور احکامِ اسلام کا اجراء ہو اور نظامِ ملکی کو تبدیل کر کے اس میں اسلامی طرزِ سیاست جاری کیا جائے اس کے سوا ان حضرات کے پیشِ نظر اور کچھ نہیں تھا صرف اقتدار پر قبضہ کرنا اور سیاست برائے سیاست ان کا مقصد اور مشغلہ نہیں تھا اور نہ وہ سیاسی امور میں اس طرح منہمک اور سیاست کے پیچھے اس طرح لگے ہوئے تھے کہ شب و روز اسی کا ذکر و فکر ہو اور رات دن اسی کی ادھیڑ بن کے سوا ان کا کوئی مشغلہ ہی نہ ہو بلکہ یہ حضرات اپنے علمی اور اصلاحی مشاغل میں مشغول رہتے تھے۔ اور دوسرے شعبوں کے ساتھ حسبِ ضرورت نظامِ ملکی کی اصلاح میں بھی حصہ لیتے رہتے تھے۔ پھر کبھی یہ اصلاح صرف علمی رہنمائی کی حد تک محدود ہوتی تھی اور کبھی ضرورت واقع ہونے پر عملی طور پر بھی سیاست میں شرکت کی جاتی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ علیہ اور ان کے جانشین حضرات شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ وغیرہ نے قرآن و

سنت کی تعلیم اور تزکیۂ نفس کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح کرنے اور سیرت وکردار کے عملی نمونے تیار کرنے میں اپنی عمریں صرف فرمادیں اور اپنی کتابوں میں ملکی سیاست کے بھی ایسے اصول وقواعد بیان کئے جن کو دیکھ کر فلاسفہ یورپ بھی حیران وششدر رہ گئے۔ اس طرح ان حضرات نے سیاست ملکی کے بارے میں بھی ایسی علمی رہنمائی فرمائی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

مگر عملی طور پر نظام ملکی میں دخیل کار ہونے کا موقع حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے مذکورہ جانشینوں کو میسر نہیں آیا البتہ بعد میں اسی خاندان کے ایک نسبی فرزند مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے روحانی فرزند حضرت سید احمد شہیدؒ نے وقت آنے پر مسلمانوں میں جہادی روح پھونکی اور پھر تلوار لے کر بنفس نفیس میدانِ کارزار میں اتر آئے اور کفار سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان جہان آفرین کے سپرد فرماکر اللہ کے راستہ میں شہید ہو گئے۔

اسی طرح جب ضرورت وحالات کے تقاضہ کے پیش نظر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے بھی اپنے پیر و مرشد اور ولی کامل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کیؒ کے زیر کمان ۱۸۵۷ء میں حکومت برطانیہ کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ مگر ۱۸۵۷ء سے پہلے اور اس کے بعد کی تمام زندگی میں ان حضرات نے اپنے اساتذہ کرام حضرات خاندان ولی اللہ کے طریقے کے مطابق علم وعمل کی شمع روشن کئے رکھی اور قرآن وسنت کی روشنی پھیلانے اور تحریر وتقریر ارشاد وہدایت اور ظاہری وباطنی افاضہ کے مختلف ذرائع سے دنیائے اسلام کو منور کرنے میں ہی مشغول رہے۔

حضرت مولانا نانوتویؒ اس واقعہ ۱۸۵۷ء کے بعد تقریباً ۲۴ سال تک بقید حیات رہے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تو اس ہنگامہ کے ۵۰ سال بعد تک بقید حیات رہے ہیں مگر ان دونوں حضرات کا کسی ملکی اور سیاسی تحریک میں شرکت کرنا ثابت نہیں ہوتا حالانکہ ۱۸۵۷ء کے بعد جلد ہی ۱۸۸۵ء میں ملکی حقوق طلبی کے لیے کانگرس کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم ہو چکی تھی مگر حضرت گنگوہیؒ نے اس میں عملی شرکت اختیار نہیں فرمائی البتہ اس کی اس وقت کی حالت کے پیش نظر اس میں شرکت کا فتوے صادر فرماکر صرف علمی رہنمائی فرمائی تھی۔

ان دونوں حضرات سے ظاہری اور باطنی فیض وتربیت حاصل کرنیوالوں میں دارالعلوم کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہندؒ نے بھی اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ اسی تعلیم وتربیت اور ارشاد وہدایت میں گزارا ہے اور دنیا کو اپنے فیض ظاہر اور فیض باطن سے فیض یاب فرمایا ہے لیکن ایک وقت آیا کہ جب ملکی حالات اور سیاسیات حاضرہ میں عملی طور پہ حصہ لینے کی ضرورت پیش آئی تو حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے موقع اور وقت کے مناسب اس میں بھی اپنے اجتہاد اور دینی بصیرت کے تحت پورے اخلاص کے ساتھ حصہ لیا اور دین کے اس شعبہ میں بھی ایسی مجاہدانہ سرگرمی سے کام لیا جس کی نظیر بہت ہی کمیاب ہے۔

مگر حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کے کاموں پر مجموعی طور سے نظر رکھنے والے پر یہ بات عیاں ہے کہ کتاب وسنت کے علم اور شیخ طریقت ہونے کی حیثیت سے حضرت شیخؒ کا اصل کام اور دائرہ کار دین کے تعلیمی اور روحانی شعبوں میں تعلیم وتربیت سے مخلوق خدا کی تعلیم واصلاح رہا ہے۔

نقشِ حیات

حضرت مولانا مدنیؒ کے سوانح حیات کے تذکرے اور وجہ تالیف میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی ناظم اعلےٰ جمعیت العلمائے ہند نے سوال کے جواب میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ مولانا موصوف نے پہلے تو یہ سوال قائم کیا کہ آخر شیخ الہندؒ اور ان کے رفقائے کار نے یورپین اقوام خصوصاً انگریزی اقتدار کی مخالفت میں سیاست کی پُر آشوب اور ہنگامہ آراء زندگی کیوں اختیار کی؟ پھر اس کے جواب میں اس حقیقت کا ان لفظوں میں انکشاف کیا کہ:

"یوں تو یہ سوال سیاسی زعماء اور پولیٹکل لیڈروں کے نقطہ نظر سے کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا لیکن وہ گوشہ نشین، خدا پرست صوفی عالم جو رضاء الٰہی میں غرق پبلک کی ہنگامی زندگی سے الگ تھلگ رہتے ہوں۔ جس کا تقدس کا شہرہ خواہ تمام دُنیا میں کیوں نہ ہو لیکن خود اُن کی اپنی جدوجہد کا دائرہ خانقاہوں اور مدرسوں سے وابستہ اور حق کی تلقین و تبلیغ جن کا طریق کار خاموش علم و عمل اور پُر سکون کردار سے متعلق رہا ہو۔ ایسے قدسی صفات بزرگوں کا راحت و آرام اور راحت و آرام سے بڑھ کر درس و تدریس، تعلیم و تربیت، تزکیہ نفس، تالیف و تصنیف اور تفسیر و افتاء وغیرہ کے مقدس مشاغل سے [illegible] دستکش ہونے والی بات کچھ سمجھ میں آنے والی نہیں ہے نہ واقعات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ نے درس و تدریس وغیرہ کے مقدس مشاغل کے ساتھ ساتھ ہی حکومت کے خلاف اپنی سکیم تیار فرمائی تھی نہ کہ ان سے دست کش ہو کر اور ان ہی مشاغل میں مشغولی کے ساتھ سفر حجاز پیش آگیا اور وہاں سے اس[illegible] سانحہ سے سابقہ پڑا۔ واپسی ہند پر [illegible] ماہ کے بعد ہی وفات ہوگئی۔ [illegible] دستکش ہو کر یک بیک سیاست کے

میدان میں کُود پڑنا اور حکومت مسلطہ کے بالمقابل صف آراء ہو جانا معمولی بات نہیں بلکہ بہت ہی اہم سوال ہے۔" ص ۱۴۵

مولانا موصوف نے حضرت شیخ الہند کی جدوجہد کا دائرہ خانقاہوں اور مدرسوں سے وابستہ بتلاتے ہوئے حضرت موصوف کی حق کی تلقین و تبلیغ جن کا طریقہ کار خاموش علم و عمل اور پُر سکون کردار سے متعلق قرار دیا ہے اور علماء ربانی کا دائرہ کار اور طرزِ عمل ہمیشہ یہی رہا ہے۔ لیکن حضرت شیخ کو جب خانقاہوں اور مدرسوں کے مقدس مشاغل، درس و تدریس، تعلیم و تربیت تزکیہ النفس، تالیف و تصنیف تفسیر و افتاء وغیرہ سے دست کش ہو کر یک بیک سیاست کے میدان میں کُودنا پڑا تو پھر اس مدت العمر کے دائمی طریق کار اور اپنی جدوجہد کے دائرہ سے دست کش ہو جانے پر بقول مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بہت ہی اہم سوال کا پیدا ہو جانا قدرتی بات تھی۔

طالبانِ علم کے لیے فکر انگیز بات

ہمارے جیسے طالبانِ علم کے لیے یہ بات بڑی فکر انگیز اور توجہ کے لائق ہے کہ ایک خدا پرست صوفی و عالم کے لیے پبلک کی ہنگامی زندگی سے الگ تھلگ مدرسوں اور خانقاہوں میں زندگی گزارنا اور ان خانقاہوں اور مدرسوں کے مقدس مشاغل میں مشغول رہنا ہی ان حضرات کا اصل کام ہے اس لیے جب ایسی زندگی اور ان مقدس مشاغل سے دست کش ہو کر سیاست میں کودنا پڑا اور ملکی حالات میں عملی حصہ لینا پڑا تو یہ طرز عمل کی تبدیلی بہت ہی اہم سوال پیدا کرنے کا سبب بن گئی اور بقول مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی کتاب نقشِ حیات کی جلد اوّل کا بیشتر حصہ اسی سوال کا مدلل و مفصل جواب ہے۔

آج کل ہمارے عزیز طلبہ دین کے جن شعبوں میں اشتغال کو اپنی عمروں کا ضائع ہونا سمجھتے ہیں یا پھر کم سے کم ان شعبوں میں انہماک و اشتغال کو سیاست میں حصہ لینے سے کم تر اور فروتر تصور کر کے ان مقدس مشاغل کو بنظرِ حقارت دیکھتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے اسلاف کرامؒ اور اکابر دیوبند نے اپنی عمروں کا زیادہ تر حصہ ان ہی مقدس مشاغل میں اشتغال و انہماک کے ساتھ گزارا ہے اور ایسی تعلیم و تربیت کو دین کی اصل خدمت اور اپنا مقصدِ زندگی قرار دیا ہوا تھا۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ ضرورت کے مطابق ہمارے اکابرؒ نے ملکی حالات اور سیاست میں بھی عملی حصہ لیا ہے اور اس شعبہ میں بھی بڑی قابلِ قدر اور بے مثال خدمات انجام دی ہیں۔

اس لیے جس طرح یورپ زدہ طبقہ کا جس نے سیاسیات کو پاپائے روم سے الگ کر دیا ہے اور سیاست کو مذہب کی قید سے آزاد کر دیا ہے یہ خیال درست نہیں ہے کہ علماء کو سیاسیات میں حصہ نہیں لینا چاہیئے اور نظامِ ملکی اور تدابیرِ مملکت میں دخل اندازی سے علماء کو بالکلیہ اجتناب و احتراز کرنا چاہیئے حالانکہ اسلام میں اس نظریہ اور خیال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کے مختلف شعبوں میں سے سیاست بھی اسلام کا ہی ایک شعبہ ہے اس لیے اسلامی سیاست کے لیے ضروری ہے کہ یا تو سیاسی جماعتیں علماءِ اسلام سے ہدایات حاصل کر کے اس پر عمل کیا کریں اور علماء ایسی جماعتوں کی علمی رہنمائی کا فرض انجام دیتے رہیں اور اگر ایسی کوئی جماعت نہ ہو تو ایسے وقت میں علماء پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی جماعت تیار کریں جو اسلامی سیاست کے مطابق امورِ مملکت کی نگرانی کا فریضہ انجام دے۔ غرضیکہ اسلامی اور صالح سیاست کے

لیے علماء کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ بہر حال نہ تو مغربی تعلیم اور ذہن کے مطابق یہ سیاست علماء کے لیے شجرِ ممنوعہ ہے اور نہ ہی یہ ایسی چیز ہے کہ علماء کے لیے اس کے سوا کوئی مشغلہ ہی نہ ہو اور دن رات اس میں انہماک اور شب و روز ملکی اور سیاسی معاملات کی ہی دھن لگی رہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ علماء کی پوری جماعت سیاست میں عملی حصہ لے اور سب کے سب ملکی سیاسیات اور امورِ مملکت کے سر انجام دینے میں ہی مشغول ہو جائیں بلکہ تقسیم خدمات کے اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کے لیے بقدرِ کفایت ایک جماعت کا تیار ہو جانا ہی کافی ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی خصوصیت اور قریبی تعلقات ہونے کے باوجود حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ علیہ کو اپنے مشن آزادی کی تحریک میں نہ صرف یہ کہ شریک ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ عرصہ تک حضرت موصوف کو اس سے آگاہ بھی نہیں فرمایا تھا۔ اگر ہر شخص کی شرکت اس میں ضروری ہوتی تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا مدنی رحمہ اللہ علیہ کو عرصہ تک اس سے بے خبر کیوں رکھا؟

حضرت مدنیؒ خود ارقام فرماتے ہیں:

"واقعہ یہی تھا کہ باوجودیکہ حضرت مجھ پر بہت زیادہ کرم فرماتے تھے مگر اس وقت تک کسی کارروائی کی خبر نہیں کی گئی"۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ جب مولانا عزیز گل صاحب نے مولانا مدنی کے شریک کر لینے کی سفارش کی تو حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا مدنیؒ

کی شرکت کو قبول نہیں فرمایا، حضرت مدنی کی تحریر یہ ہے :

" مولانا عزیز گل صاحب نے حضرت شیخ الہند سے عرض کیا کہ حسین احمد کو بھی اس مشن میں شامل کر لینا اور اپنی کارروائیوں کی خبر دینا چاہیے تو فرمایا کہ وہ صرف چند دنوں کے لیے ہندوستان آیا ہے اس کو مشوش مت کرو "

(نقش حیات ص۲۰۳ ج ۱)

علماء ربانی کی سیاست اور نظامِ ملکی میں دخل اندازی چونکہ دین و مذہب کی مقرر کردہ قیود و حدود میں مقید اور محدود اور مذہبی احکام کی پابند ہوتی ہے اس لیے حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کی سیاسی تحریک ہو یا مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں عملی حصہ لینا ہو۔ اسی طرح جنگ عظیم کے زمانہ کی تحریکات میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ علیہ کا شرکت کرنا سب کا ہی مقصد حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے ملکی حالات میں دخل اندازی اور سیاسی اقدام کرنا تھا۔

چنانچہ تحریک ترک موالاۃ کے زمانے میں جبکہ بڑے بڑے لیڈر جذبات کی رو میں بہہ کر اپنے عمل میں حدود شریعت سے تجاوز کر رہے تھے اس وقت بھی حضرت شیخ الہندؒ شریعت کے کسی حکم میں کسی حالت میں کسی طرح کی نرمی برتنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

جمعیت علمائے ہند کے سالانہ جلسہ میں حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے جو خطبہ صدارت پڑھا گیا تھا اس کے ذیل کے الفاظ اس حقیقت کے ثبوت کے لیے کافی ہیں، حضرت شیخ الہند فرماتے ہیں :-

" اسلام نے احسان کا بدلہ احسان قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ احسان اس کا نام ہے کہ آپ اپنی چیز کسی کو دے دیں، کسی دوسرے کی چیز اٹھا کر دینے کو احسان نہیں کہتے اس لیے آپ برادرانِ وطن (ہندوؤں، سکھوں) کے احسان کے بدلے میں وہی کام کر سکتے ہیں جو اخلاقی اور شریفانہ طور پر اپنے اختیارات سے کر سکتے ہیں۔ مذہبی احکام خدا کی امانت ہیں اس پر تمہارا اختیار نہیں ہے اس لیے لازم ہے کہ حدودِ مذہب کے اندر رہ کر تم احسان کے بدلے احسان کرو اور دونوں قومیں مل کر ایک ایسے زبردست دشمن کے مقابلے کے لیے کھڑے ہو جاؤ جو تمہارے مذہب اور تمہاری آزادی کو پامال کر رہا ہے "

(خطبہ ص۳۰)

مذکورہ الفاظ سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کا نظریہ صاف واضح ہے کہ "احکام خدا کی امانت" ہیں اس لیے اپنی رواداری اور احسان اور جدوجہد کو، حدود مذہب کے اندر رکھنے کی تلقین فرما رہے ہیں اور تحریک میں کسی ایسی روش کو ہرگز پسند نہیں فرماتے جو حدود مذہب سے ادھر ادھر ہو اور کوئی بھی مسلمان جذبات کی رو میں بہہ کر کسی غیر اسلامی حرکت یا شعار کو اختیار کرنے لگے چنانچہ اسی تحریک ترک موالات کے زمانے میں جب بعض مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کے جوش میں آکر حدود مذہب سے تجاوز کرتے ہوئے اپنی پیشانیوں پر قشقے لگائے اور ایسی باتوں میں مبتلا ہونے لگے جو قطعاً حرام تھیں تو حضرت موصوف نے خطبہ ترک موالات میں اس پر سخت نکیر فرمائی خطبہ کی عبارت یہ ہے :-

" بہت سے خیر خواہ ہندو مسلم اتفاق کے عواقب اور عوام الناس اور بعض

لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً قربانی گاؤ میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا یا قربانی کے جانور کو سجا کر رضا کاران خلافت کا گاؤ شالہ میں پہنچانا یا قشقہ لگانا یا ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ خصوصاً "رام رام ست" کہتے ہوئے جانا یا یہ کہنا کہ امام مہدی کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے یا قرآن و حدیث میں بسر کی ہوئی عمر نثار بت پرستی کرنا یا یہ دعا کرنا کہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذہب میں داخل ہوں وغیرہ وغیرہ۔

بلاشبہ میں بھی جب اپنی قوم کے بڑے سر برآوردہ افراد کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرمات یا کفریات کے مرتکب ہوئے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بے دھڑک نکال دیتے ہیں جن کو سن کر ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور قصد کرتا ہوں کہ اس طوفان بے تمیزی کا روکنا جب اپنی قدرت میں نہیں تو ان معاملات سے بالکل یکسوئی بہتر ہے"۔

(خطبہ ترک موالاۃ صـ ۲۳)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خطبہ گواہ ہے کہ اس وقت ہندو مسلم اتحاد کے جوش میں بہت بری طرح حدودِ مذہب کو پامال کیا جا رہا تھا اور عوام الناس ہی نہیں بلکہ بعض لیڈروں اور قوم کے سر برآوردہ افراد تک بھی اس قسم کے محرمات بلکہ کفریات کا ارتکاب کر رہے تھے جن کو سن کر بقول شیخ الہندؒ ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر ایسے محرمات و کفریات کے ارتکاب پر حضرت شیخ الہند کا دل کیوں پاش پاش نہ ہو جاتا اور وہ کیوں اس طوفان بدتمیزی سے

یکسوئی کا قصد نہ فرماتے"۔

اس خطبہ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ حضرت شیخ الہند ہندو مسلم اتحاد میں مسلمانوں کی کسی ایسی بات سے ہرگز متفق نہیں تھے جس میں مسلمان جذبات سے مغلوب ہو کر شعائر اسلامی سے ایک قدم بھی ادھر ادھر ہٹ جائیں اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی" وغیرہ جو حضرات اس وقت" ہندو مسلم اتفاق کے عواقب اور عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے تھے۔ ان حضرات کا یہ انتباہ حضرت شیخ الہندؒ کے منشاء کے موافق تھا اور اس ہندو مسلم اتفاق سے ان حضرات کی علیحدگی سے بھی حضرت شیخ الہندؒ کے مقصد کی تکمیل ہو رہی تھی۔ کیونکہ حضرت شیخ الہند ایسی حالت میں جبکہ اس اتفاق سے پیدا شدہ طوفان بے تمیزی کا روکنا قدرت میں نہ ہو ان معاملات سے بالکل یکسوئی کو بہتر قرار دیتے ہوتے خود بھی اس کا قصد فرما رہے تھے۔

اس وقت جن حضرات نے ایسے محرمات اور کفریات کے ارتکاب کے روکنے پر خود کو قادر نہ پا کر اس طوفان بے تمیزی سے اپنے کو علیحدہ کئے رکھا اور ان غلط کاریوں پر متنبہ فرمایا۔ ان حضرات نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے طرز عمل کی ہرگز مخالفت نہیں فرمائی۔ بلکہ بعض لیڈروں اور قوم کے سر برآوردہ افراد جو محرمات اور کفریات کا اعلانیہ ارتکاب کر رہے تھے یہ حضرات ان کی حرکات اور عواقب کا برملا اظہار کر کے اور ان پر متنبہ فرما کر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے منشاء اور مقصد ہی کی تکمیل فرما رہے تھے۔

حضرت حکیم الامتؒ کا سیاسی مسلک اور آپکی سیاسی خدمات

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا طبعی میلان یکسوئی کے ساتھ تصنیف و تالیف تعلیم و تربیت اور اصلاح امت و ہدایت خلق کی طرف تھا اس لیے آپ تمام عمر اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہے اور عملی طور پر سیاسی اور ملکی تحریکات میں براہ راست حصہ لینے کی نوبت نہیں آئی اور نہ ہی آپ کسی سیاسی جماعت سے منسلک ہوئے لیکن جب کبھی ملک میں کوئی سیاسی تحریک شروع ہوئی تو اسکے بارے میں ایک ماہر شریعت عالم دین ہونے کی حیثیت سے اس کی شرعی حیثیت پر فقیہانہ نظر بصیرت ڈال کر اس کے نتائج و عواقب کو واضح کرنے اور ملت کی علمی اور دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے میں کبھی دریغ نہیں فرمایا۔

خلافت کمیٹی کی تحریک ہو یا کانگریس و مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کا معاملہ ہو ان سب کے حسن و قبح اور ان میں شرکت و عدم شرکت کے نتائج و عواقب کو بہتر واضح فرمایا اور شرعی حیثیت سے مسلمانوں کے لیے صحیح راہ عمل تجویز فرما کر امت کی ہدایت و رہنمائی کا فرض ادا کرنے میں آپ نے کبھی بھی کوتاہی سرزد نہیں ہونے دی۔

۱۹۱۸ء کی خلافت کمیٹی کی تحریکات میں بعض حضرات اکابر کی شرکت کا مقصد و منشاء اوپر معلوم ہو چکا ہے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کو بھی ان حضرات سے اصل مقصد کے ساتھ اتفاق تھا مگر تحریک خلافت کے طریق کار سے حضرت کو اصولی طور پر اختلاف رہا اور ہندوؤں کی عددی اکثریت اور ان کی معاندانہ ذہنیت کی وجہ سے ان کے ساتھ مسلمانوں کے اشتراک عمل کو مضر سمجھتے

تھے اسی لیے موصوف کو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کوئی تحریک چلانا پسند نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ان تحریکات میں ایسی محرمات اور کفریات کا کھلم کھلا ارتکاب اور مشاہدہ ہو رہا تھا جن میں سے بعض کی طرف حضرت شیخ الہندؒ کے خطبۂ صدارت کی عبارت کے حوالہ سے اشارہ کیا گیا ہے اور مسلم عوام الناس کو ان کے خطرناک نتائج و عواقب سے محفوظ رکھنا نہایت ضروری تھا اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا تھا کہ ایسی تحریکات سے علیحدگی اختیار کی جائے اسی لیے حضرت تھانویؒ ان تحریکات سے خود بھی الگ رہے اور مسلمانوں کو بھی ان سے علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ دیا کیونکہ تحریک خلافت کے طریق کار اور غیر مسلم اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنے سے مسلمانوں کا اصل مقصد اسلامی حکومت کا قیام حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنے "نقوش و تاثرات" میں لکھتے ہیں :۔

" نفس مقصد یعنی حکومت کافرانہ سے گلوخلاصی اور دارالاسلام کے قیام میں تو حضرت ہم لوگوں سے کچھ پیچھے نہ تھے عجب نہیں کہ کچھ آگے ہی ہوں۔ حضرت کی گفتگو میں یہ جز بالکل صاف تھا۔ حضرت کو حکومت وقت سے جو مخالفت تھی وہ اس کے کافرانہ ہونے کی بناء پر تھی نہ کہ اس کے بدیسی یا غیر ملکی ہونے کی بناء پر" (نقوش و تاثرات ص ۲۳)

یہ اعتراف و انکشاف اس شخص کا ہے جو شروع شروع میں سیاسی لحاظ سے حضرت تھانویؒ کے ہم خیال نہ تھے بلکہ کانگرس کی حامی جماعت خلافت کمیٹی سے تعلق رکھتے تھے۔

نظریۂ پاکستان

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو چونکہ ہندو مسلم اتحاد کے ذریعہ اصل مقصد حکومت اسلامی کے قیام میں کامیابی نظر نہیں آرہی تھی اسی لیے حضرت تھانویؒ کانگریس کی متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے اور اس کے برعکس اسلام و کفر کی بنیاد پر مسلم اور غیر مسلم دو قومی نظریہ کے سختی کے ساتھ حامی تھے اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے مسلمانوں کی مستقل علیحدہ تنظیم کی ضرورت پر ہمیشہ زور دیتے تھے۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:-

"حضرتؒ کو بعض معاصر علماء کی طرح جنگ آزادی، جنگ حقوق آزادی[1] وطن وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی ان کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ تمام تر دینی تھا، وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں حضرت نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطّہ پر خالص اسلامی حکومت ہو سارے قوانین تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکام شریعت کے مطابق ہو بیت المال ہو۔ نظامِ زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں وغیرہ الخ۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں؟

---

[1] حضرت مولانا مرحومؒ اپنی کتاب اعلاء السنن میں استخلاص وطن کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں" واما المدافعة عن ... الوطن فليس من الجهاد في شئ الا اذا كان الغلبة للاسلام واهله بعد المدافعة والا فلا كما لا يخفى" (ص۴۴ ج ۱۲)

اسی مقصد کے لیے صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہیئے اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہیئے۔" (سیرت اشرف)

صاحب "تعمیر پاکستان" لکھتے ہیں پاکستان کے لفظ سے دنیا پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ء میں چودھری رحمت علی کی زبانی آشنا ہوئی جبکہ چند نوجوانوں کو لندن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شمالی ہند کے ایک حصّہ کو ہندوستان سے الگ کیا جائے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال نے ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران میں ظاہر کیا۔ جس کا ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے تاریخی اجلاس میں ملّی نصب العین کے طور پر ایک قرارداد کے ذریعہ باقاعدہ مطالبہ کیا گیا۔" اسلامی سلطنت کے قیام کا جو خیال علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے متذکرہ بالا اجلاس میں پیش کیا تھا بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مجلس عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے۔" (ص۵)

گویا دربار اشرفیہ میں حصول و بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظام پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہوا جبکہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اسکا خواب و خیال بھی نہ تھا۔ (ص۶)

بڑی ہی بے خبری یا پھر جان بُوجھ کر فریب دہی ہے جو اس حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے اور لکھا جارہا ہے کہ مُلّا کو اسلامی سلطنت کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اس کا تصوّر ایک نے نواز صاحب دل نے پیش کیا اور اُس کے لیے قربانیاں کرنے والوں میں مُلّا کہیں نظر نہ آیا۔

(اقبال اور ملا از خلیفہ عبدالحکیم صاحب)

حضرت تھانویؒ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے ہمراہ اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا ہے لکھتے ہیں :-

" ۱۹۲۸ء تھا اور مخاطب روزنامہ "ہمدرد" کا ڈائرکٹر تھا، صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آ جانا ناگزیر سا تھا گفتگو آئی حضرت نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کافور ہو کر رہیں، کون کہتا ہے کہ حضرت "گورنمنٹی" آدمی ہیں لاحول ولاقوۃ ۔ جس نے بھی ایسا کہا جان کر یا انجانے بہرحال جھوٹ ہی کہا، یہ تو خالص مسلمان کی گفتگو تھی مسلمان بھی ایسا جو جوش دینی اور غیرت ملی میں کسی خلافتی سے ہرگز کم نہیں ۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں پہلے پہل اس قسم کی آواز نہیں کان میں پڑی بس صرف حضرت کو ہم لوگوں کے اس وقت کے طریق کار سے پورا اختلاف تھا لیکن یہ اختلاف کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں "

(نقوش ص ۲۳)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا سیاسی مسلک اور آپ کی سیاسی خدمات

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحومؒ کا سیاسی مسلک بالکل وہی تھا جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا تھا حضرت مولانا مرحوم تحریک خلافت کے طریق کار اور کانگریس کی متحدہ قومیت کے ساتھ اختلاف کرنے میں نہ صرف یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے ساتھ تھے بلکہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ کے دست راست اور علمی اور تحریری خدمات میں پیش پیش اور شریک کار ہو کر حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مسلک کی توضیح اور اشاعت میں بڑھ چڑھ کر مولانا مرحومؒ ہی

حالانکہ تعمیر پاکستان کے لیے علماء ربانی نے جو بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس کے لیے جو جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ اظہر من الشمس ہیں یہاں تک کہ ان کے یہ کارنامے قائد اعظم وغیرہ کی سوانح عمریوں کی زینت بنے ہوتے ہیں -

(دیکھو حیات محمد علی جناح)

پھر حضرت تھانویؒ کے سامنے ۱۸۵۷ء کا تجربہ بھی تھا کہ اس وقت مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا مگر نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا، مسلمانوں کو مجرم بنایا اور خود انگریزوں سے مل گئے اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ہندوستان سے انگریزوں کے پاؤں اکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جمانے والے صرف ہندو لیڈر ہی تھے -

بعض لوگوں کو حضرت حکیم الامتؒ تھانوی کے اس حکیمانہ، عاقلانہ اور حدود شریعت کے جامع سیاسی مسلک کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت تھانویؒ کی تحریک خلافت سے علیحدگی کو اصل مقصد کے خلاف سمجھ کر حضرتؒ کے خلاف بڑی شورش پیدا کر دی نوبت یہاں تک پہنچی کہ تھانہ بھون کے بعض لوگ یہ کہنے لگے کہ حضرت تھانویؒ سے خانقاہ امدادیہ کو خالی کرا لیا جائے مگر اللہ تعالٰے نے اپنی غیبی نصرت وحمایت کا ایسا اظہار فرمایا کہ مخالفین ہی کو شرمندہ ہو کر حضرتؒ کے سامنے جھکنا پڑا ۔

حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کے بارہ میں غلط فہمی بلکہ بدگمانی کا شکار ہونے والوں میں خلافت کمیٹی کے رکن اور مولانا محمد علی جوہر کے اخبار "ہمدرد" کے ڈائرکٹر مولانا عبدالماجد دریا آبادی بھی شامل ہیں جس کا اعتراف خود موصوف نے

حصّہ لے رہے تھے۔ اس لیے لوگوں کی طرف سے جوشِ انتقام میں بے سمجھے جو کچھ اذیتیں اور تکلیفیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچائی گئیں اُن سب میں مولانا مرحومؒ بھی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے ساتھ برابر کے شریک اور حصّہ دار بنے رہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب سے گفتگو

اسی زمانے میں مولانا محمد کفایتُ اللہ صاحبؒ صدر جمعیۃ علمائے ہند (دہلی) حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے مسائل حاضرہ میں گفتگو کرنے کے لیے تشریف لائے اس گفتگو سے فارغ ہو کر مولانا کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ نے مولانا ظفر احمد مرحومؒ سے پوچھا کہ حضرت تھانویؒ جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔

مولانا مرحومؒ نے جواب میں کہا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا ہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں اس وقت حالت برعکس ہے کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے اور ان ہی کا حکم غالب ہے۔

---

[1] کانگریس کی قومیت متحدہ کے ابطال پر حضرت مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ نے اعلاء السنن کے ص۵۰۳ ج۱۲ کے ص۱۸ تک نہایت تفصیلی کلام فرمایا ہے جو اہلِ علم کے ملاحظہ کے قابل ہے۔

غرضیکہ حضرت مولانا مرحومؒ کا ایک رفیق کار ہونے کی حیثیت سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کی تائید میں تحریری اور تقریری خدمات بجالاتے رہے۔ تحذیر المسلمین اور النفیر العامی وغیرہ رسائل مولانا مرحوم کے اسی زمانے کے ہیں۔ جن میں مولانا مرحومؒ نے خلافت کمیٹی کے بعض لیڈروں کے محرمات اور کفریات پر متنبہ فرمایا ہے اور جس مسلک کو حق سمجھا اُس کے برملا اظہار میں ہرگز دریغ نہیں کیا اور نہ کسی اپنے پرائے کی رعایت مدِّنظر رکھی بلکہ ہر طرح کے طعن و تشنیع برداشت کر کے کلمۂ حق کا اعلان کرتے رہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور آپ کی معیّت میں مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ ہمیشہ سے مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی رہے اور کسی دُور میں بھی مسلمانوں کے لیے کانگریس میں شرکت سے متفق نہیں رہے اس لیے جب تک مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا اور دونوں جماعتیں آپس میں متحد رہیں اس وقت تک ان حضرات نے مسلم لیگ کا بھی ساتھ نہیں دیا۔ پھر جب یہ صورت حال سامنے آئی کہ مسلم لیگ نے کانگریس سے اب علیحدگی اختیار کر لی ہے تو اس وقت ان حضرات نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

جھانسی کا الیکشن

مسلم لیگ نے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد پہلا الیکشن جھانسی کے علاقے میں لڑا تھا۔ جھانسی کے مسلمانوں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ مسلم لیگ اور کانگریس میں سے کس کو ووٹ دیا جائے؟ ابھی تک حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا ذہن مسلم لیگ کی حمایت کے بارے میں واضح نہیں تھا بلکہ بجا طور پر یہ خدشہ محسوس کرتے تھے کہ یہ لوگ کہیں مصطفےٰ کمال پاشا کی طرح دین کو مسخ نہ کر دیں اس لیے اس تار کا جواب

دینے کے لیے آپ نے اپنے مشیران خاص سے مشورہ کیا تو حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے یہ مشورہ دیا کہ "آپ کانگرس کی حمایت کے تو خلاف ہیں ہی، صرف تامل مسلم لیگ کی حمایت کرنے میں ہے اس لیے آپ یہ جواب دے دیں کہ کانگرس کو ووٹ نہ دیا جائے"۔

یہ جواب حضرت نے پسند فرمایا اور اس مضمون کا تار روانہ کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں مسلم لیگ الیکشن میں کامیاب ہو گئی۔

تھانہ بھون میں مولانا شوکت علی کی آمد اور اُن کے جلسے میں مولانا عثمانی کی تقریر

الیکشن میں مسلم لیگ کی کامیابی کی خوش خبری سنانے کے لیے مولانا شوکت علی مرحوم اور اُن کے چند رفقاء تھانہ بھون آئے اُنہوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت تھانوی کے جوابی تار کو حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے فتوے کی صورت میں بڑی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کرایا اور جگہ جگہ چسپاں کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کانگرس کو ووٹ دینے کے لیے آتے تھے وہ بھی اس فتوے کو دیکھ کر مسلم لیگ کو ووٹ دیتے تھے۔

مولانا شوکت علی مرحوم نے تھانہ بھون میں جلسہ بھی کیا تھا جس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی طرف سے تقریر کی تھی اور فرمایا تھا:۔

"جب تک مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ ساتھ تھی حضرت حکیم الامت اس سے علیحدہ رہے کیونکہ کانگرس پر آپ کو بھروسہ نہیں ہے۔ یہ قوم غدار ہے پہلے بھی ۱۸ء میں دھوکہ دے چکی ہے اور حدیث میں ہے کہ مومن ایک سوراخ سے

دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ مسلم لیگ تجربہ کے بعد کانگرس سے علیحدہ ہو گئی اب ہم اس کے ساتھ ہیں مگر جب تک لیگ کے عہدہ داران دین و مذہب کے پورے پابند نہ ہو جائیں گے اُن پر بھی پورا بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اس لیے لیگ کے ارکان کو لازم ہے کہ وہ دین دار بنیں اور نماز کی پابندی کریں کہ قرآن نے اسلامی حکومت کا آئیڈیل بھی بتلا دیا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے مسلمان بندے وہ ہیں کہ ان کو زمین پر اقتدار دیا جائے تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، نیکی کا حکم کریں، برائی سے روکیں" اس تقریر کو اخبار "الامان" دہلی نے بھی شائع کیا تھا۔

تحریک خلافت سے لے کر بعد کی تمام سیاسی تحریکات کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانوی کی تحریرات شائع ہوتی رہی ہیں، جن میں تحریکات حاضرہ کے متعلق شرعی حکم واضح فرما کر مسلمانوں کی رہنمائی کی گئی ہے۔ حضرت تھانوی کے یہ تمام مضامین اور فتاویٰ جس قدر بھی دستیاب ہو سکے ہیں ان سب کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم نے "افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ" میں جمع فرما کر شائع کر دیا ہے اس مجموعہ سے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کا سیاسی مسلک معلوم ہونے کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات کا اندازہ بھی اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے۔

تحریک خلافت کے ابتدائی دور میں کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل جس میں حضرت شیخ الہند کی مشروط تائید شامل رہی ہے اپنی اصل و بنیاد کے اعتبار سے حدود شرعیہ کے مطابق جائز اور صحیح تھا اسی لیے اُس وقت علمائے حق میں سے کسی نے اصل مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا اور جن افعال پر کسی نے خدشات و خطرات کا اظہار کیا تو وہ ایسے افعال تھے جن پر خود حضرت شیخ الہند نے شدت کے ساتھ

تحریر فرمایا ہے جیسا کہ آپ کے خطبۂ صدارت کے حوالہ سے واضح کیا جاچکا ہے۔ چنانچہ حضرت تھانوی تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت تھا نہ کہ مطابقت یعنی اس وقت تحریک خلافت نہایت قوت پر تھی جس سے حضرت مولانا کو قوی امید تھی کہ حکم اسلام کا غالب ہوگا اور ہم لوگوں کا خیال قرائن ووجدان سے اس کا عکس تھا سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف تھا اور مثل اختلاف حنفی وشافعی کے اجتہادی تھا۔ اس اشتراک میں مطابعت کے شائبہ کا وہم بھی نہ تھا یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی شعار اسلامی کے ضعف یا کسی شعائر کفر کی قوت کا اندیشہ ہوتا تھا تو فوراً اس پر نکیر شدید فرماتے تھے۔"

(بوادر النوادر ص ۹۶۶)

مولانا تھانویؒ کے اس ارشاد سے واضح ہوگیا کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کا اشتراک عمل مصالحت کی جائز صورت میں تھا اور اسی جائز صورت پر حضرت شیخ الہندؒ کا عمل تھا جس سے اصولی طور پر حضرت تھانویؒ کو کوئی اختلاف نہ تھا البتہ آپ کا وجدان اور سیاسی بصیرت بتاتی تھی کہ اس اشتراک کے نتائج وعواقب مسلمانوں کے حق میں مفید ثابت نہ ہوں گے بلکہ معاملہ برعکس ہوگا۔ پس کے مقابلہ میں حضرت شیخ الہند کو تحریک خلافت کی زبردست قوت کیوجہ سے اسلام کے غالب ہونے کی قوی امید تھی سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف یا اجتہادی اختلاف تھا۔ لیکن آنیوالے حالات نے ثابت کردیا کہ حضرت تھانویؒ نے قرائن ووجدان یا اپنی خداداد بصیرت سے جن خدشات کو محسوس فرمایا تھا وہ حرف بحرف پورے ہوکر رہے اور کانگریس سے اشتراک عمل کے نتیجہ میں اسلام غالب نہ آسکا بلکہ کانگریس میں مسلمانوں کی آواز اور قوت ہندوؤں کی عددی اکثریت کے مقابلہ میں بالکل دب کر رہ گئی۔

ان واقعات کے بعد جب کانگریس نے لاہور میں نیا جنم لیا تو اس وقت تحریک پر پورا قبضہ اور غلبہ ہندوؤں کا تھا۔ انہوں نے اس تحریک کو صرف سیاسی تحریک کے بجائے خالص ہندو ذہنیت اور ہندوانہ خیالات اور طرز پر اٹھایا اور یہ اصول بنا دیا کہ جو شخص کانگریس میں داخل ہو وہ انفرادی اور شخصی حیثیت سے داخل ہو کسی جماعت کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کانگریس میں داخل نہ ہوسکے گا۔ اس کا منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں کی حیثیت کانگریس میں ایک مستقل قوم اور جماعت کی نہ مانی جائے اور اس طرح مسلم قومیت کو سیاسی حیثیت سے فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

کانگریس میں بلاشرط انفرادی داخلہ کو علماء اور زعماء کی ایک جماعت نے مسلمانوں کے لیے مذہبی اور سیاسی حیثیت سے مضر سمجھا اور بہت سے ماہرین سیاست مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہوگئے۔ کانگریس کی اس دوسرے دور میں ہندوؤں کو کانگریس کے سیاسی محاذ سے اپنے خالص ہندوانہ خیالات وتصورات کو بروئے کار لانے اور پورے ہندوستان پر ان کو مسلط کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ چنانچہ کانگریسی جھنڈے کو ہندوانہ سلامی اور بندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ تو کانگریس کے آئین وشعار میں داخل کرلیا گیا۔

واردھا اسکیم، ودھیا سکیم، دیہات سکیم کے نام سے ایسے قانون پورے ہندوستان کے لیے جاری کئے جن کا سیاست اور آزادی کے مطالبہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان سب کا مقصد ہندوستان کی ہر قوم مسلم اور غیر مسلم کو ہندوانہ رنگ میں رنگنے اور ہندوانہ طرز معاشرت اور مشرکانہ رسم ورواج کا عادی بنانے کے سوا کچھ نہیں۔

مسلمانوں کی سب جماعتوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور پھر دوسری تمام اسلامی جماعتوں کی طرح خود جمعیتہ علماء ہند نے بھی ان اسکیموں کو شعائر اسلام کو مٹانے اور اسلامی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب کرنے کی کوشش قرار دیا لیکن مقام حیرت ہے کہ کانگریس پر ان احتجاجات کا کوئی اثر تک نہ ہوا اور اس نے اپنی ان اسکیموں میں ایک شوشہ کی ترمیم بھی گوارا نہ کی اور یہ حضرات بدستور کانگریس کی ہمنوائی کرتے رہے۔

کانگریس کے اس دُوسرے دور میں چونکہ تمام تر غلبہ و قوت ہندوؤں کو حاصل تھی اور مسلمانوں کے اختلاف و احتجاج کے باوجود وہ اپنی من مانی کارروائیاں نافذ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے اس لیے مسلمانوں کی حیثیت محض تابعیت اور متبوع ہونے کی رہ گئی تھی اس لیے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے نزدیک موجودہ حالات میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل حد جواز سے نکل کر صریح طور پر ناجائز ہو گیا تھا چنانچہ حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

" بخلاف اس وقت کی حالت کے کہ اب کانگریس کی قوت سے کفر و شرک کا حکم غالب ہے اس کی ہر تجویز سے موافقت و مداہنت کی بو آتی ہے۔ اس وقت کا اشتراک بصورت ادغام بالکل متابعت ہے جو کہ ناجائز ہے مسلمانوں کو اپنی تقویت و تنظیم مستقل لازم ہے "

(بوادر النوادر)

موجودہ حالات میں چونکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک اب

کانگریس کے ساتھ مسلمانوں کا اشتراک عمل جائز نہیں رہا تھا اس لیے اب یہ اختلاف مثل حنفی شافعی کے اجتہادی اختلاف نہیں رہا تھا اور نہ کانگریس کے ساتھ مل کر جدوجہد آزادی میں حصہ لینا شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کا اتباع رہا تھا جس کی حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے صراحت تفصیلاً فرمادی ہے ارشاد فرماتے ہیں :-

" حامیان کانگریس میں سے بعض حضرات اس اشتراک کو استاذی حضرت مولانا دیوبندی رحمہ اللہ علیہ کا اتباع سمجھتے ہیں اور بعض اصحاب اس اختلاف کو مثل حنفی شافعی کے خیال کرتے ہیں سو میرے نزدیک یہ دونوں خیال محض غلط ہیں۔ حضرت مولاناؒ کا اشتراک مصالحت نہ تھا نہ کہ متابعت "

(بحوالہ بوادر النوادر)

واقعی اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ تحریک خلافت کے زمانے میں مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ کانگریسی ہندو مسلمانوں کے ساتھ تائید و حمایت میں کھڑے ہو گئے تھے اور آزادی ہند کا مطالبہ پیش کرنے کے لیے دونوں قوموں میں مصالحت کی صورت پیدا ہو گئی تھی جو بالکل حدود جواز کے اندر تھی لیکن جب کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہو گیا اور طوعاً یا کرہاً ہندوؤں کی متابعت کرنی لازم ہو گئی۔ اور اگر شعائر کفر کے اظہار اور شعائر اسلام کے مٹانے والی تجاویز کے خلاف زبانی احتجاج کیا بھی جائے تو قطعاً غیر مؤثر ثابت ہو اور اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے تو ایسی صورت میں کانگریس میں بلاشبہ شرکت کرنا ناجائز تھا۔ اس لیے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے اس کی شرکت کے عدم جواز کا فتوے صادر فرمایا لیکن عام

فتویٰ صادر فرمانے سے پہلے متعدد مرتبہ جمعیت علمائے ہند سے اس بارے میں مکالمہ فرمایا اور کانگریس کی شرکت میں جو شرعی قباحتیں اور مسلمانوں کے قومی نقصانات تھے ان کا حل ان حضرات نے تلاش فرمایا مگر ان کا کوئی شافی حل نہیں مل سکا اس تمام تحقیق کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے رسالہ تنظیم المسلمین ارقام فرمایا جس میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ تنظیم بنانے اور منظم ہو کر رہنے کا مشورہ دیا اور چونکہ اس وقت ملک کی موجودہ مسلم جماعتوں میں بجز مسلم لیگ کے کوئی ایسی جماعت ملک میں نہیں تھی جس کو مسلمانوں کی جمہوری طاقت حاصل ہو اس لیے مسلم لیگ کی شرکت اور حمایت کی رائے دی گئی۔ کیونکہ اگر کانگریس سے منقطع ہو کر مسلمان منتشر اور پراگندہ ہو جاتے تو یہ اُن کی سیاسی موت تھی۔

ادھر ایسی حالت میں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے کانگریس میں شرکت سے بھی مسلمانوں کی قومی زندگی فنا ہو رہی تھی اور اس کی شرکت سے ہی مذہب کی موت لازم آرہی تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۹ء میں جمعیت علمائے ہند کے جمعیت کے اجلاس دہلی کے موقعہ پر ناظم اعلیٰ مولانا احمد سعید صاحب کے خط اور دعوت نامہ کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت فرمادی تھی فرماتے ہیں:۔

"شرعی حیثیت سے صرف اپنی ایک رائے کا اظہار کرتا ہوں جس کے متعلق مولانا کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنا چاہیے تاکہ ان کی تنظیم خالص دینی اصولوں پر ہو اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل

کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے۔"

والسلام اشرف علی

(افادات اشرفیہ ۹۸)

جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ سے سوالات

مسلم لیگ اور کانگریس کی آویزش کے دوران حضرت تھانویؒ کی خدمت میں سوالات آتے رہتے تھے۔ حضرت تھانویؒ نے مسلم لیگ کے حق میں فتوے دینے سے پہلے حالات اور واقعات کی تحقیق کے لیے مختلف ذرائع استعمال فرمائے جن کی تفصیل علاوہ ذاتی مطالعہ حالات کے یہ ہے کہ اولاً جمعیۃ العلماء کے ذمہ دار ارکان کو مدعو کیا گیا کیونکہ یہ حضرات کانگریس کے حالات سے بخوبی واقف ہیں اور ان سے شرکت کانگریس کی مضرت و منفعت پر گفتگو کی گئی پھر یہ اہتمام کیا گیا کہ ایک تاریخ میں جمعیت العلماء ہند اور ارکان مسلم لیگ کو جمع کر کے بالمشافہ دونوں سے گفتگو کی جائے مگر بعض عوارض کی وجہ سے اس میں کامیابی نہ ہوئی تو اس کا بدل یہ کافی سمجھا گیا کہ جمعیت العلماء اور مسلم لیگ دونوں سے حالات حاضرہ کے متعلق کچھ ضروری سوالات کیے گئے۔

"۱۵ر دسمبر کو یہ سوالات دونوں جگہ روانہ کیے گئے اور ۳۱ر دسمبر تک جواب طلب کیا گیا پھر مسلم لیگ کی طرف سے تو ۵ر جنوری کو جوابات موصول ہو گئے اور جمعیت علماء کی طرف سے باوجود اس دوران میں یاد دہانی کے اور مہلت میں کافی وسعت کے بھی آج تک کہ ایک ماہ سے زیادہ مدت گزر گئی ہے جواب موصول نہیں ہوئے۔"

(حاشیہ افادات اشرفیہ از حضرت مولانا ظفر احمد مرحومؒ)

یہ سوالات بھی حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے ہی حضرت تھانویؒ کے حکم سے

لکھے تھے اور آپ کی اصلاحات کے بعد بھیجے گئے تھے۔ مسلم لیگ کے جوابات کے بعد کانگریس میں مسلمانوں کے بلاشرط داخلہ سے خطرناک نتائج و عواقب تقریباً سامنے آ گئے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کی حمایت و شرکت کی رائے دی اور آپ کا فتویٰ بنام تنظیم المسلمین شائع ہوا۔ یہ فتویٰ ۹ ر ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ بمطابق ۱۰ر فروری ۱۹۳۸ء کا تحریر شدہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کی دینی حالت کے درست کرنے کے لیے حضرت تھانویؒ مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں زعماء مسلم لیگ کے پاس اپنی طرف سے وفود بھیجتے رہے۔

اجلاس پٹنہ

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس پٹنہ منعقدہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۸ء کو حضرت تھانویؒ نے ایک تبلیغی وفد بھیجا اس وفد نے قائداعظم کو نماز کی تبلیغ کی اور اس اجلاس میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے جو تاریخی بیان بھیجا اس کو عام اجلاس میں پڑھ کر سنانے کی خدمت حضرت مولانا ظفر احمد مرحوم نے ہی انجام دی تھی۔

قائداعظم سے ملاقات

اجلاس پٹنہ سے ایک دن پہلے اس وفد نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ مولانا ظفر احمدؒ نے قائداعظم سے فرمایا کہ مسلمان ایک مذہبی قوم ہے جب تک سیاست کو مذہب کے ساتھ نہ ملایا جائے گا کامیابی نہ ہوگی آپ بھی مسلم لیگ میں مذہب کو شامل کر لیں۔ قائداعظم نے پہلے تو اپنا یہ خیال ظاہر کیا کہ سیاست کو مذہب سے علیحدہ رکھا جائے مگر جب اس پر مولانا نے فرمایا کہ یہ تو یورپ کی سیاست ہے۔ اسلامی سیاست یہ ہے کہ خلیفہ اسلام قائد حرب بھی تھا اور نماز کا بھی امام تھا جب تک مسلمان ایسے رہے یہی صورت رہی جب سے سیاست نے مذہب کو چھوڑا ہے مسلمانوں

کا تنزل شروع ہو گیا۔ مصطفےٰ کمال نے مذہب کو چھوڑا تو اس کی سلطنت مختصر ہو کر رہ گئی۔ جب تک مذہبی شان تھی خلیفہ اسلام کی بڑی سلطنت تھی اور رعب تھا امان اللہ نے بھی مذہب چھوڑا تو قوم نے علیحدہ کر دیا۔

قائداعظم پر اثر

قائداعظم پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اگلے دن کھلے اجلاس میں اعلان کر دیا کہ "اسلام عقائد و عبادات، معاملات، اخلاق اور سیاست کا مجموعہ ہے۔ قرآن کریم نے سب کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اس لیے سیاست کے ساتھ مذہب کو بھی لینا چاہیئے"۔

قائداعظم کی اس تقریر کو اخبار "الامان" میں اس سرخی کے ساتھ شائع کیا تھا "مولانا حکیم الامت کی روحانیت کی تاثیر اور قائداعظم کی تقریر"

نماز کے لیے اجلاس کا التواء

اسی ملاقات میں تھانہ بھون کے وفد نے مسلم لیگ کے ذمہ دار ارکان کو نماز پڑھنے کی تبلیغ بھی کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کہ وہ نماز پڑھا کریں اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلم لیگ کا اجلاس ۲ بجے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا گیا کہ سب صاحب نماز پڑھیں قاضی شہر امام بنے اور قائداعظم سمیت تمام لوگوں نے جن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی ان کے پیچھے نماز ادا کی۔

آرمی بل

حکومت برطانیہ نے ایک بل آرمی بل کے نام سے پاس کیا تھا۔ کانگریس نے بظاہر اس کی مخالفت کی تھی لیکن اس کے برعکس مسلم لیگ نے اس کی حمایت کی تھی اور بظاہر مسلم لیگ کی یہ حمایت مسلمانوں کے مفاد میں نہیں تھی اس کی تحقیق کے لیے بھی حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے جو وفد قائداعظم کے پاس بھیجا تھا مولانا ظفر احمد مرحوم بھی اس میں شریک تھے۔ مولانا مرحومؒ

کے دریافت فرمانے پر قائد اعظم نے کہا کہ اس کی مخالفت تو کانگریس نے بھی نہیں کی بلکہ وہ یہ مطالبہ کر رہی ہے کہ فوج میں تناسب آبادی کی رعایت رکھی جائے۔ اس وقت فوج میں ۶۰ فیصد سے زیادہ مسلمان ہیں۔ ہندو چالیس فیصد سے بھی کم ہیں۔ کانگریس کا مطالبہ ہے کہ مسلمانوں کو فوج میں ۲۵ فیصد رکھا جائے تو ہم آرمی بل مان سکتے ہیں۔ قائد اعظمؒ نے کہا کہ انقلاب آنے والا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ فوج میں مسلمانوں کی ہی اکثریت قائم رہے۔ اس لیے میں نے آرمی بل کی حمایت کی تھی مگر اس شرط پر کہ مسلمان فوج کو مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ بھیجا جائے اور جو مسلمانوں کا تناسب تھا اس کو برقرار رکھنے کا حکومت نے وعدہ کیا تھا۔

تحریکِ پاکستان

تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں جب علمائے کرام کے کردار پر بحث کی جائے گی اور پاکستان کے بنانے میں علماء کی عملی جدوجہد کا ذکر آئے گا تو قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے سیاسی رفقاء کے ساتھ ساتھ جن علمائے کرام کا نام لیا جائے گا ان میں دیوبندی حلقہ کے سرخیل حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کا نام سرفہرست ہوگا۔ حضرت تھانوی قدس سرہ تحریکِ پاکستان کو شاہراہ کامیابی پر گامزن چھوڑتے ہوئے ۱۹۴۳ء میں عالم آخرت کو تشریف لے گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مگر حضرت تھانویؒ کی جماعت اور ان کے متوسلین مطالبۂ پاکستان کی حمایت کرتے رہے۔ خصوصیت سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے جس کا ذکر مولانا عبدالماجد دریاآبادی سے حضرت تھانویؒ نے

۱۹۳۸ء میں فرمایا تھا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ تحریک پاکستان میں بیش بہا کام کیا اور مولانا مرحوم نے ہندوستان کے چپہ چپہ اور گوشہ گوشہ میں اپنی تقاریر اور عملی جدوجہد کے ذریعے تحریک پاکستان کو مقبولِ عام بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

یہ درست ہے کہ اس وقت جمعیت علماء ہند کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی مگر ان علماء اشرفیہ کی خدمت کو نظرانداز کر دینا اور یہی پروپیگنڈہ کرتے رہنا کہ علماء کی سرگرمیاں پاکستان کے سراسر خلاف تھیں اور ان کو تحریک پاکستان کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

یہ بات کس قدر حقیقت کے خلاف ہے کہ جنہوں نے نہ صرف پاکستان کی حمایت میں فتوے جاری کئے بلکہ خود بنفس نفیس حصہ لیا حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحومؒ کا شمار بھی قوم کے ان ہی محسنوں میں ہوتا ہے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کی زبانی تائید کی تھی بلکہ عملی طور پر بھی اس کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔

جمعیت علماء اسلام کا سنگ بنیاد

پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب آ گئے تھے اور مخالفین کی طرف سے اس قسم کا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا کہ مسلم لیگ بے دین افراد کی نمائندہ ہے اسے جماعت علماء کی تائید حاصل نہیں ہے ایسے حالات میں اگر مسلم لیگ کو مقتدر علماء کی با اثر جماعت کی حمایت و تائید حاصل نہ ہوتی تو الیکشن کا جیتنا آسان کام نہ تھا۔ اسی نزاکت حال کا احساس کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہ دیگر مقتدر علمائے کرام نے یہ

تجویز کیا کہ مطالبہ پاکستان کے لیے علماء کو اپنا مستقل مرکز قائم کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم آل انڈیا جمعیت علماء کانفرنس کے ۲۶، ۲۷، ۲۸، اکتوبر کی تاریخوں میں چار روز تک مسلسل اجلاس ہوتے رہے۔ پانچ سو سے زیادہ علماء اور مشائخ نے اس میں شرکت کی۔ عام تاثر یہ تھا کہ خلافت کانفرنس کلکتہ کے بعد ایسی کانفرنس منعقد نہیں ہوئی اس کانفرنس میں جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ظفر احمد مرحوم رحمہ اللہ علیہ کی زیر صدارت مختلف قراردادیں پاس ہوئیں اور ایک قرارداد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ووٹروں سے اپیل کی گئی کہ مسلم لیگ کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دیا جائے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کو صدارت کے لیے تیار کرنا

کلکتہ کے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی کی تحریک پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا گیا تھا اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو نائب صدر مقرر کیا گیا تھا لیکن مولانا شبیر احمد عثمانی کافی عرصہ سے علیل ہونے کی وجہ سے سیاسیات سے عملی طور پر علیحدگی اختیار کئے ہوئے تھے اور جمعیت علماء ہند کے طریق کار سے اگرچہ عرصہ سے ان کو اختلاف چلا آ رہا تھا مگر عملی طور پر اس سے بھی اختلاف کا اظہار ابھی تک نہیں کیا تھا۔

جب اس صدارت کی قرارداد کو لے کر مولانا ظفر احمد مرحوم دیوبند پہنچے ہیں تو مولانا شبیر احمد عثمانی آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ بھائی میں تو سولہ مہینہ سے

صاحب فراش ہوں۔ مجھ میں سفر کی ہمت کہاں؟ اس کے لیے تو صدر کو جابجا جلسے کرنا اور تقریریں کرنا ہوں گی۔ مولانا ظفر احمد مرحوم نے مولانا کی معذرت کے جواب میں کہا کہ آپ صدارت قبول فرمالیں۔ کام کی ذمہ داری میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ نے اس پر خوش ہو کر جمعیت علمائے اسلام کی صدارت قبول فرمالی۔

غرضیکہ مولانا ظفر احمد مرحوم رحمہ اللہ علیہ نے ہی انہیں اس علالت کے باوجود صدارت کے قبول کرنے پر مجبور کیا اور بالآخر وہ اس شرط پر سیاسیات میں حصہ لینے پر آمادہ ہو گئے کہ اگر علالت کی وجہ سے کام نہ کر سکے تو مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم ان کی نیابت کرتے رہیں گے جسے مولانا ظفر احمد عثمانی نے منظور کر لیا۔

نازک ترین دَور

یہ زمانہ تحریک پاکستان کا نازک ترین دور تھا اور اس زمانے میں مجلس احرار، نیشنلسٹ مسلمان اور جماعت اسلامی، جمعیت العلمائے ہند اور خدائی خدمت گار سب مسلم جماعتیں اپنی اپنی اغراض اور مصالح کی بناء پر پاکستان کے خلاف متحد تھیں اور بالواسطہ یا بلاواسطہ کانگریس کی تائید کر رہی تھیں۔

مودودی صاحب کا کردار

مودودی صاحب نے پہلے پہل اگرچہ اپنی سیاسی کش مکش کے حصہ دوم میں کانگریس کے استعمار پرستانہ عزائم پر بھرپور تنقید کی تھی جس سے کانگریسی حلقوں میں مودودی صاحب کی تقریریں کافی پریشانی کا باعث بن رہی تھیں مگر نامعلوم کن مخفی اسباب و وجوہات کی بنا پر مودودی صاحب نے یکدم اپنا مؤقف بدل لیا اور اُن کے

خیالات ونظریات میں انقلاب آگیا۔

اب مودودی صاحب سارا زورِ قلم خود اپنی بہت سی کہی ہوئی باتوں کی تردید کرنے پر صرف کر رہے تھے۔ مودودی صاحب کے نظریات اور تحریرات میں جو یہ صالح انقلاب آیا اس کا فائدہ بھی اس وقت کے حالات کے تقاضے کے مطابق دانستہ یا نادانستہ طور پر کانگرس کے مقاصد کو ہی پہنچ رہا تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ خود مودودی صاحب کو بھی اس کا احساس ہو رہا تھا جیسا کہ سیاسی کشمکش کے تیسرے حصّہ کے دیباچہ کے الفاظ ذیل سے ظاہر ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

"مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش کے عنوان سے میرے مضامین کے دو مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اب اس سلسلہ کا یہ تیسرا مجموعہ شائع ہو رہا ہے بظاہر پہلے دونوں مجموعوں سے اس تیسرے مجموعہ کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ ہر شخص بادی النظر میں یوں محسوس کرے گا کہ میں نے حصّہ دوم کی اشاعت کے بعد سے یکایک اپنی پوزیشن بدل دی ہے اور خود اپنی بہت سی کہی ہوئی باتوں کی تردید کرنے لگا ہوں"۔ (صفحہ [illegible])

مودودی صاحب کی ان اسلامی تحریروں نے عالمِ رنگ میں مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس قدر نقصان پہنچایا اتنا نقصان کانگرس، جمعیت العلمار ہند، خدائی خدمتگار وغیرہ بھی نہ پہنچا سکے۔

چنانچہ ۱۹۴۵ء کے تاریخی الیکشن کے موقعہ پر بھی جسے برصغیر کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کانگرس کے مطالبہ کے مطابق یہ اکھنڈ رہے یا مسلم لیگ کے موافق، ہند اور پاکستان میں تقسیم ہو جائے جماعت اسلامی نے

صاف اعلان کر دیا کہ :۔

"ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔ پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا بھی اثر ہماری قوم پر پڑتا ہو بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ایمان لائے ہیں"۔

(کوثر ۸ ہر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یہ جماعت اسلامی کی طرف سے مسلم لیگ کی صرف عملی مخالفت ہی نہیں تھی بلکہ کانگریس کی خاموش تائید بھی تھی۔ اس لیے کہ اس بااصول جماعت کا اس تاریخی الیکشن میں مسلم لیگ کی حمایت نہ کرنے کا فائدہ گاندھی جی اور کانگریس کو ہی پہنچتا تھا۔

جس زمانے میں دار الاسلام پٹھانکوٹ سے مودودی صاحب کا یہ فتوے جاری ہوا کہ پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن میں جماعت اسلامی حصّہ نہ لے اسی زمانے میں سہارنپور میں جمعیت العلمائے ہند کی کانفرنس ہوئی اس میں بھی مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی بجائے کانگریس میں شرکت کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا اور کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل کو بدیں وجہ جائز قرار دیا گیا تھا کہ "جب کونسلوں، میونسپلیٹیوں میں ہندوؤں سے اشتراک عمل جائز ہے تو پھر دوسرے معاملات میں کیوں نہیں"۔

(از تعمیر پاکستان)

مولانا ظفر احمد عثمانی کا بیان

مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم نے اوّلین فرصت میں اس کی تردید میں ایک زور دار بیان جاری کیا مولانا نے فرمایا کہ :-

" مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہادِ آزادی میں اشتراکِ عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہلِ شرک غالب نہ ہو، مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے جمع نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں چنانچہ شرح سیر کبیر ص ۲۲۱ جلد ۳ میں یہ مسئلہ مذکور ہے اب فیصلہ اہلِ انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگریس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام ؟ رہا مطالبہ پاکستان سو جب کہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالت موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنا لینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصولوں پر قائم کی جا سکے ، لازم اور ضروری ہے "

(حیات محمد علی جناح ص ۴۵۳ از تعمیر پاکستان)

کونسلوں اور میونسپلٹیوں کی مثال کا جواب دیتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانی نے فرمایا کہ ان محکموں میں اشتراکِ عمل صرف حقوق غلامی میں اشتراک ہے۔ حکومت نے غلاموں کے سامنے روٹیوں کے چند ٹکڑے ڈال دیئے ہیں کہ ان کو حصہ رسدی تقسیم کر لو۔ ہندو مسلم ان کو حصہ رسدی تقسیم کرتے ہیں ، اگر کوئی فریق اپنا حصہ نہ لے مجبو کا مرے گا اس کو اس اشتراک عمل سے جس کا نام جہادِ آزادی رکھا گیا ہے دُور کی بھی نسبت نہیں۔ کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل جہاد آزادی میں اشتراک عمل ہے جس پر مذہبی حیثیت سے ہندوستانی مسلمانوں کی موت و حیات کا دارو مدار ہے " (حیات محمد علی جناح از تعمیر پاکستان ص ۴۵۴)

علاوہ ازیں مولانا شبیر احمد عثمانی ، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا مفتی محمد شفیع وغیرہ علمائے کرام جن کا مذاق ہی شروع سے الیکشنوں کے طوفان سے یکسوئی تھا ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت حاصل کرنے کے لیے پھیل گئے کیونکہ یہ الیکشن ایک صحیح مقصد یعنی اسلامی سلطنت کے قیام کے لیے لڑا جا رہا تھا جس کا قیام ہندوستان کے ایک حصہ میں مسلم لیگ کی حمایت و کامیابی پر موقوف تھا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی کا طوفانی دورہ

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پاکستان الیکشن کے سلسلہ میں تقریباً چار ماہ تک پورے ہندوستان کا ایسا طوفانی دورہ کیا جس کی لپیٹ میں یوپی ، بہار ، بنگال ، پنجاب ، سندھ اور سرحد بھی آ گئے۔ جلسوں کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ہر روز جلسہ ہوتا تھا بلکہ ایک دن میں کئی کئی جگہ جلسے ہوتے تھے صبح کو کسی جگہ شام کو کسی جگہ اور عشاء کے بعد تیسری جگہ یہاں تک کہ مولانا مرحوم کا کوئی ساتھی ان کے ساتھ نہ چل سکا۔ مسلسل سفر کی صعوبت اور شب بیداری کی وجہ سے مولانا مرحوم رحمہ اللہ علیہ کے ساتھی اکثر بیمار ہو جاتے اور مولانا مرحوم کو بعض مقامات پر تنہا جانا پڑتا۔ مگر بفضلہٖ تعالےٰ مولانا مرحوم کے بڑھاپے میں بھی ان کی صحت ان کا برابر ساتھ دیتی رہی۔ یہ جہاں بھی پہنچتے ان کی بے غرضانہ اور مخلصانہ آواز پر عوام لبیک کہتے اور دیکھتے دیکھتے ہَوا کا رخ بدل جاتا۔ چار ماہ کی اس مسلسل تگ و دو کا یہ نتیجہ نکلا کہ عامۃ المسلمین کانگریس کی متحدہ قومیت کا مورچہ فتح کرنے کے لیے مردانہ وار مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر میدانِ عمل میں نکل آئے۔

اعظم گڑھ کا جلسہ اور جلوس

اس دورے میں مولانا اعظم گڑھ بھی تشریف لے گئے تھے اور جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ میں مولانا نے بڑی ولولہ انگیز تقریر بھی کی تھی۔ تقریر کے بعد جامع مسجد سے ایک جلوس نکالا گیا۔ یہ اتنا رعوب کُن جلوس تھا کہ جونہی یہ شہر کی روڈ پر پہنچا تو ہندوؤں کی ساری دکانیں بند ہوگئیں جس کی یاد وہاں کے لوگوں میں اب تک باقی ہے۔

(رسالہ دارالعلوم دیوبند)

ایسے ہی بیانات اور طوفانی دوروں سے ہوا کا رُخ بدل گیا جو لوگ ابھی تک مسلم لیگ کی حمایت کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہوکر اس کے ممد و معاون بن گئے جس کا خود قائد اعظم کے ایک روحانی رفیق نے اپنے مکتوب مورخہ ۶ ر جنوری ۱۹۴۶ء میں یوں اعتراف کیا کہ:

"کل سے یہاں (لاہور میں) جمعیت العلمائے اسلام کی کانفرنس ہو رہی ہے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدظلہ، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب دیوبندی، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند اور بیسیوں حضرات علمائے کرام تشریف لائے ہوئے ہیں اور مسلم لیگ کی بڑی شد و مد سے حمایت کر رہے ہیں ان بزرگوں کی آمد سے ہوا کا رُخ بدل گیا ہے۔"

(مشاہدات و واردات صفحہ ۹۰ از تعمیر پاکستان)

لیاقت، کاظمی الیکشن

۲۷ ر نومبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتے تھے۔ ضلع مظفر نگر اور ضلع سہارنپور سے ضمنی انتخاب کے لیے کانگریس نے اپنا امیدوار محمد احمد کاظمی کو منتخب کیا تھا۔ کاظمی صاحب بعض نمایاں خدمات مثلاً کاظمی ایکٹ ۱۹۳۰ء میں

حصّہ لینے کی وجہ سے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں خاصی شہرت کے حامل تھے۔ اس کے علاوہ کاظمی صاحب کی امداد کے لیے مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی اس حلقہ میں دورہ کر رہے تھے۔ مسلم لیگ نے اس حلقۂ انتخاب کے لیے نواب زادہ لیاقت علی خان کو ٹکٹ دیا مگر اس علاقہ میں لیگ کی کامیابی کی توقع نظر نہیں آ رہی تھی اس لیے لیاقت علی خاں نے سردار امیر اعظم خاں سابق مرکزی وزیر کو تھانہ بھون بھیجا۔ اتفاق کی بات ہے کہ محمد احمد کاظمی صاحب مولانا ظفر احمد عثمانی کے قریبی رشتہ دار ہوتے تھے۔ مگر مولانا عثمانی مرحوم نے دین کے معاملہ کو قرابت داری سے بلند رکھتے ہوئے ایثار سے کام لیا اور اپنے رشتہ دار کے مقابلہ میں نظریہ پاکستان کی حمایت کے لیے لیاقت علیخاں کو ترجیح دی اور دینی حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے مولانا مرحوم نے سہارنپور، ڈیرہ دون، مظفر نگر اور بلند شہر کے اضلاع میں لیاقت علی خاں کی تائید کے لیے دورہ کیا۔ وہ دورہ بحمد اللہ کامیاب رہا اور اس کے بڑے مفید اور دوررس نتائج پیدا ہوئے۔

مولانا انیس احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"حضرت نے ہندوستان میں بہت سے اضلاع اور مقامات پر تشریف لاکر مسلمانوں کو مسلم لیگ کے ساتھ وابستہ رہنے اور پاکستان کے قیام میں جد و جہد کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت اس سلسلہ میں قصبہ کھاتولی ضلع مظفر نگر میں تشریف لائے سردار امیر اعظم خان جو خان لیاقت علیخاں کے منیجر کے صاحب زادہ ہونے کے علاوہ خود پاکستان کے معروف آدمی ہیں آٹھ دس سال مرکزی وزارت میں شامل رہے اور اب کراچی میں بہت بڑے کاروبار الاعظم لمیٹڈ کے روح رواں ہیں سردار صاحب نے آپ کی خدمت میں کچھ روپے (تقریباً دو صد روپے) پیش کیے کہ آپ کرایہ وغیرہ میں

صرف فرمائیں اور ہماری طرف سے یہ ہدیہ منظور فرمائیں۔ حضرت نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا کہ مسلم لیگ یا پاکستان کا کام تمہارا یا تمہارے والد یا لیاقت علی خان کا کام نہیں ہے میرا اور میری قوم کا کام ہے مجھے اس سلسلہ میں نذرانہ قبول کرنے سے معذور سمجھیں اصرار کے باوجود ہرگز قبول نہیں فرمایا۔ (مکتوب)

لیاقت علی خاں کا مبارک بادی کا تار

لیاقت علی خان مرحوم نے اپنے کامیاب ہونے پر پہلے مبارکباد کا تار مولانا ظفر احمد مرحوم کے نام دیا اور اس میں یہ بھی تھا کہ انہوں نے تین ہزار ووٹوں سے کاظمی صاحب کو شکست دی ہے۔

لیاقت علی خان کا مکتوب

اس کے بعد لیاقت علی مرحوم نے مولانا مرحوم کے نام شکریہ کا یہ مفصل مکتوب ڈھاکہ سے روانہ کیا۔

" دفتر آل انڈیا مسلم لیگ دریا گنج دہلی

چٹھی نمبر ۵۰۰۵ ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء

محترم المقام زاد اللہ مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں انتہائی مصروفیتوں کے باعث اس سے قبل آپ کو خط نہ لکھ سکا مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں اللہ پاک نے ہمیں بڑی نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور اس سلسلہ میں آپ جیسی ہستیوں کی جدوجہد بہت باعث برکت رہی آپ حضرات کا اس نازک موقع پر گوشہ عزلت سے نکل کر میدان عمل میں سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کرنا بیحد مؤثر ثابت ہوا۔ اس کامیابی پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں خصوصاً اس

حلقہ انتخاب میں جہاں ہماری لیگ نے مجھے کھڑا کیا تھا آپ کی تحریروں اور تقریروں نے باطل کے اثرات بہت بڑی حد تک ختم کر دیئے۔

بہرحال اب اس سے بھی سخت تر معرکہ سامنے ہے لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوی اُمید ہے کہ دشمنانِ ملت اس معرکہ میں بھی خاسر و نامراد رہیں گے۔ امید ہے کہ اس عرصہ کے لیے آپ کو رخصت مل جائے گی اور آپ کی تحریریں اور تقریریں اور مجاہدانہ سرگرمیاں آنے والی منزل کی دشواریوں کو بھی معتدبہ حد تک ختم کر سکیں گی۔ والسلام مع الاحترام "

لیاقت علی خان

قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کا یہ خراجِ تحسین اور اعترافِ حقیقت ان لوگوں کے لیے جو کہتے ہیں کہ پاکستان کے لیے قربانیاں کرنے والوں میں مُلا کہیں نظر نہیں آیا، اور اس طرح وہ پاکستان سے علمائے کرام کا اثر و رسوخ مٹانے کے درپے ہیں سُرمہ بصیرت اور تازیانہ عبرت کی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متوسلین کی حمایت نے مسلم لیگ میں ایک نئی رُوح پھونک دی تھی جس کا اعتراف اس وقت کے مسلم لیگ کے تمام عمائدین کو تھا۔ اگر یہ حضرات حمایت نہ کرتے تو جمعیت العلمائے ہند کے مقابلے میں جس میں مشاہیر علماء کی ایک بڑی جماعت شامل تھی اور وہ کانگریس کا ساتھ دے رہی تھی تو ان حالات میں مسلم لیگ کا کامیاب ہونا سب کو دشوار معلوم ہو رہا تھا۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اظہارِ مُسرت

مولانا مرحوم کے دورے اور جلسوں کی خبریں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو اخبارات

اور خطوط سے سجی رہتی تھیں۔ اسی زمانہ میں مولانا مرحوم جب ایک بار دیوبند گئے تو علامہ عثمانی نے خوش ہو کر فرمایا "ہمیں یہ اُمید نہیں تھی کہ آپ اس جفاکشی سے کام لیں گے۔ واقعی آپ نے تو بڑے بڑے ہمت والوں کے بھی حوصلے پست کر دیئے"

مولانا کے لیے بشارات

مولانا مرحوم نے جب پاکستان کے لیے پُورے متحدہ ہندوستان کا دورہ کیا تھا تو بار بار مولانا مرحوم کے دل میں خطرہ آتا تھا کہ یہ دورہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقبول ہے یا نہیں؟ دورہ کرتے ہوئے جب مولانا مبارک پور ضلع اعظم گڑھ میں پہنچے، اور وہاں مولانا کی تقریر ہوئی تو ایک بڑے بُوڑھے میاں جو صُورت سے ذاکر شاغل معلوم ہوتے تھے تقریر کے بعد مولانا سے روتے ہوئے لپٹ گئے۔ مولانا نے سمجھا کہ شاید یہ بزرگ حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے بیعت ہوں گے اور حضرت کو یاد کر کے رو رہے ہیں۔ کیونکہ مولانا حضرت تھانویؒ کی نشانی ہیں۔ مگر ان بزرگ نے بیان کیا کہ میرے رونے کا سبب یہ ہے کہ میں نے رات کو خواب میں اس جگہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو وعظ کہتے ہوئے دیکھا ہے اور تمہارا نقشہ بالکل حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مُشابہ ہے مولانا مرحوم نے اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کیا کہ الحمد للہ بارگاہِ رسالت میں اُن کا یہ دَورہ مقبول ہے۔

مولانا مرحوم اس دورے سے فارغ ہو کر جب سہارنپور پہنچے تو مولانا مرحوم کے چچا زاد بھائی سید محمد محتشم مرحوم مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حکم سے مولانا مرحوم کے پاس پہنچے اور اپنا ایک خواب بیان کیا جس میں مولانا مرحوم کے لیے بشارت تھی

اور اس کی تعبیر غالباً مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے یہ دی تھی کہ اس وقت مولانا ظفر احمد صاحب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے موافق نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں اس لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی صورت میں نمودار ہوئے اور نعمت پھوڑے مراد یہ ہے کہ آپ کو بھرپور نعمت ملے گی یا مل رہی ہے اور آپ کے ذریعہ سے دین کی حلاوت کے چشمے بہہ رہے ہیں۔

کلکتہ کے عظیم الشان اجلاس میں خطاب

مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کو سو فی صد کامیابی ہوئی تو ہر جگہ خوشی میں جلسے ہوئے کلکتہ میں بڑا عظیم الشان اجلاس ہُوا جس میں تقریباً دس لاکھ کا اجتماع تھا۔ مولانا مرحوم نے بھی ڈھاکہ سے تشریف لا کر اس اجلاس سے خطاب فرمایا تھا۔

مسلم لیگ کے حق میں فتوےٰ

۸ر مارچ ۱۹۴۶ء کو ڈھاکہ کے ایک شخص مسمی محی الدین کے استفسار پر مولانا مرحومؒ نے بعض دُوسرے حضرات کے ساتھ جن میں علامہ سید سلیمان ندوی بھی تھے مسلم لیگ کے حق میں فتوے لکھا کہ اس وقت مسلمان کانگریس اور اس کی امدادی جماعتوں سے بالکل علیحدہ رہ کر صرف مسلم لیگ کی حمایت کریں۔

(عصر جدید کلکتہ مارچ ۱۹۴۶ء)

ہندوستان کی پیچیدہ صورتحال کا واحد حل

پشاور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے فرمایا تھا کہ شریعت کی رُو سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی قومی جماعت مسلم لیگ کا ساتھ دے تاکہ اپنے قومی نصب العین پاکستان

کے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ ہندوستان کی پیچیدہ صورت حال کا حل صرف اور صرف پاکستان ہے۔"

(عصر جدید ۱۲ر مارچ ۱۹۴۶ء)

حصول پاکستان کے لیے مجاہدانہ بیان

ایک بیان میں مولانا مرحوم نے فرمایا کہ مسلم لیگ اگر بحیثیت جماعت پیچھے ہی رہ جائے تو اب ہندوستان کے ہزاروں علماء جمعیت علماء اسلام کے پلیٹ فارم پر جمع ہو چکے ہیں پاکستان کے حصول میں اگر ہماری جانیں بھی کام آجائیں تو ہم اس سے دریغ نہیں کریں گے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم نے جب کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق شرعی فیصلہ شائع فرمایا اس پر بھی منجملہ اکابر دیوبند کے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کی تصدیق ان الفاظ میں ثبت ہے: "بعد الحمد والصلوٰۃ اس احقر نے بھی فتوئے مذکورہ کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ اللہ تعالےٰ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ سیاستِ حاضرہ کا شرعی حکم اچھی طرح واضح فرما دیا۔ اور بڑی محنت سے قرآن وحدیث وفقہ سے جزئیات احکام کو تلاش کر کے جمع فرما دیا ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے بعد مسائل حاضرہ میں کسی اور فتوے کی حاجت باقی نہ رہے گی۔ هٰذا تكون همة الرجال وعزيمة الابطال كثر الله فينا امثاله"

والسلام

ظفر احمد عثمانی عفی اللہ عنہ

۳ر محرم ۱۳۶۵ھ

کابینہ مشن کے نام تار

برطانوی حکومت نے سیاسی پیچیدگیوں کے حل کرنے کے لیے مزید کوشش کے طور پر کابینہ مشن کے قیام کا اعلان کیا، لیکن اس کے ساتھ ہی بعض برطانوی لیڈروں کے بیانات سے یہ تاثر ہوتا تھا کہ برطانوی گورنمنٹ اب مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس سے قدرتی طور پر مسلمانوں اور مسلم لیگ میں ایک اضطراب پیدا ہوا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے ۱۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو ایک تار برطانوی کابینہ وفد کے نام دہلی روانہ کیا۔ کہ مسلم لیگ مسلم ہند کی واحد نمائندہ سیاسی تنظیم ہے۔ کل ہند جمعیت علماء اسلام متحدہ طور پر مسلم لیگ کی پشت پر ہے۔ پاکستان مسلمانوں کا قومی ملی مطالبہ ہے اس مطالبہ کے انکار کا تصور کسی صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان اس سوال پر کمی بیشی کر کے کوئی مصالحت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مسلمان اس مطالبہ ملی کے حصول کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار ہیں۔"

(۲۱ر اپریل ۱۹۴۶ء)

بنگال اور پنجاب کی تقسیم

صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی نے انگریز اور کانگریس دونوں کو مطالبہ پاکستان کے ماننے پر مجبور کر دیا۔ مگر بنگال اور پنجاب کی تقسیم پر کانگریس اڑ گئی اور قائد اعظم نے اُس کو منظور کر لیا۔

۹ر جون ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ ہائی کمان کا جلسہ دہلی میں اس لیے منعقد ہوا کہ اس طرح کا پاکستان منظور کرنے یا نہ کرنے پر غور کیا جائے اس جلسہ میں شرکت کے لیے علامہ شبیر احمد کیساتھ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کو بھی دعوت دی گئی تھی جلسہ میں مختلف انداز پر تقریریں ہوئیں۔ قائد اعظم کی رائے یہ تھی کہ "اگر تقسیم بنگال و پنجاب کو

منظور نہ کیا گیا تو پاکستان نہیں بن سکے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کو منظور کر لیا جائے۔"

سلہٹ کا ریفرنڈم

سلہٹ اور سرحد کے بارے میں کانگریس کو ریفرنڈم پر اصرار تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی رائے علیحدہ معلوم کی جائے کہ وہ پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں یا ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ قائد اعظم نے اس کو بھی منظور کر لیا۔ قرارداد پاکستان منظور ہو گئی تو ۱۱ر جون ۱۹۴۷ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ علامہ ظفر احمد عثمانی قائد اعظم سے ملاقات کرنے کے لیے اُن کی کوٹھی پر تشریف لے گئے اور قائد اعظم سے اِن مسلمانوں کے بارے میں جو تقسیم مُلک کے بعد ہندوستان میں رہ جائیں گے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

دورانِ گفتگو میں قائد اعظم نے کہا کہ مجھے سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم کا بہت فکر ہے۔ کیونکہ قائد اعظم کی نظر میں سرحد تو پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ اگر پاکستان میں نہ آیا تو آسام کی بہت سی چیزوں سے پاکستان محروم رہ جائے گا۔ جیسے ناریل وغیرہ۔

جمعیت علمائے اسلام کے ان دونوں عظیم رہنماؤں نے کہا کہ ہم انشاء اللہ دونوں صوبوں کا دورہ کریں گے اور ان شاء اللہ مسلم لیگ ہی کامیاب ہو گی۔ مگر آپ اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا۔ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ان دونوں حضرات نے اس کے جواب میں ترکی سلطنت کا ذکر کیا کہ وہاں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود حکومت نے اسلامی قانون جاری نہیں کیا۔ بعض لوگوں کو مسلم لیگ سے بھی ایسا ہی خطرہ ہے۔ اس پر قائد اعظم نے کہا کہ آپ

میری طرف سے اس کا اعلان کر دیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا۔ اس کے بعد طے ہُوا کہ سلہٹ کی ریفرنڈم کے لیے مولانا ظفر احمد کام کریں گے۔

چنانچہ مولانا نے اپنے احباب کو ڈھاکہ خطوط لکھے کہ سلہٹ جا کر کوشش کریں تاکہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں، مگر سلہٹ میں مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد اور مُرید زیادہ تھے۔ مولانا مدنی ہر سال رمضان بھی وہاں گزارتے تھے اس لیے جمعیت علماء ہند کا وہاں پُورا تسلّط تھا۔ مولانا مرحوم کے احباب کے خطوط آئے کہ آپ کو خود یہاں پہنچنا چاہیئے۔ زمین بہت سخت ہے۔ ادھر ڈھاکہ نیوسٹی میں نواب زادہ لیاقت علی خاں کا تار مولانا کے سلہٹ پہنچنے کے لیے آیا۔ مولانا اس وقت تھانہ بھون تشریف لائے ہُوئے تھے۔ وہاں پر بھی تار پر تار آئے تو مولانا تھانہ بھون سے ڈھاکہ اور وہاں سے سلہٹ پہنچے۔ اس وقت پولنگ میں صرف پانچ دن باقی تھے اور نواب زادہ لیاقت علی خاں مرحوم ان دنوں سلہٹ اور آسام کا دورہ کر رہے تھے واپسی میں عفر گاؤں میں کانگریسی لوگوں نے جلسہ میں گڑبڑ مچا دی تو مولانا مرحوم کے پاس آدمی بھیجا گیا کہ جلدی سے عفر گاؤں آئیں۔ چنانچہ مولانا عفر گاؤں کے لیے روانہ ہو گئے۔ میمن سنگھ سٹیشن سے حسین شہید سہروردی مرحوم بھی اس گاڑی میں سوار ہو گئے جو عفر گاؤں میں گڑبڑ کی وجہ سے رات کو وہاں سے میمن سنگھ آ گئے تھے اور اب دُوسرے جلسہ میں شرکت کے لیے پھر عفر گاؤں جا رہے تھے۔ اس جلسہ کی صدارت حضرت مولانا ظفر احمد مرحوم کو کرنی تھی۔ جب آپ عفر گاؤں پہنچے تو مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے آپ کا استقبال کیا۔ ظہر کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہُوا مولانا نے اپنے خُطبہ میں دلائل شرعیہ سے حمایت پاکستان کی ضرورت اور مخالفین کے شبہات بیان کئے۔ جلسہ بڑے سکون اور آرام سے ہُوا اور شروع سے

آخر تک کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ اس کے بعد مولانا نے حضرت مولانا سہول صاحبؒ کو ہمراہ لیا اور سلہٹ کے مضافات میں ان مقامات کا دورہ کیا جو پاکستان کے مخالف تھے اب پولنگ میں دو روز باقی تھے۔

حضرت شاہ جلالؒ کی مسجد میں جلسہ

اتفاق سے اس وقت شاہ جلالؒ کا عرس بھی تھا۔ لاکھوں آدمی اطراف سلہٹ سے اس عرس میں آئے ہوئے تھے۔ مسلم لیگ نے شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں جلسہ کا انتظام کیا۔ بڑے وسیع پیمانے پر اور لاؤڈ سپیکر لگائے گئے تاکہ سارے مجمع کو آواز پہنچ جائے۔

عشاء کے بعد مولانا نے اوّل حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر جلسہ کا افتتاح ہوا۔ مولانا نے پاکستان کا دارالاسلام اور ہندوستان کا دارالحرب ہونا دلائل سے ثابت کیا اور بتلایا کہ جس حصے کا دارالاسلام بنانا ممکن ہو اس کو دارالاسلام بنانا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ جو اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان کو دارالاسلام بنانا چاہیئے یہ اس لیے غلط ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بھی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر پہلے مدینہ منورہ کو دارالاسلام بنایا تھا، مکہ کو دارالحرب رہنے دیا کیونکہ اس وقت مکہ کو دارالاسلام بنانے کی نسبت مدینہ کو دارالاسلام بنانا آسان تھا کیونکہ مدینہ کی فضاء سازگار تھی جب مکہ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے تو مکہ کو بھی دارالاسلام بنا دیا گیا اس لیے ہم بھی پہلے اسی حصہ کو دارالاسلام بنانا چاہتے ہیں۔ جس کی فضاء سازگار ہے اور آسانی سے وہ حصہ دارالاسلام بن سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ حصہ مسلم اکثریت کے صوبوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ مولانا کی یہ تقریر ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی اور اس تقریر کا عوام پر بہت اثر ہوا۔

سب سے بڑا شبہ

سب سے بڑا شبہ یہ تھا کہ پاکستان اسمبلی میں ہندو بھی ہوں گے تو وہاں اسلامی حکومت کس طرح ہوگی؟ مولانا نے فرمایا کہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی۔ ہندو ہمارے تابع ہوں گے۔ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے ہوں گے تو اسلامی حکومت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ رسول اکرم صلعم نے جو معاہدہ یہود مدینہ و مشرکین سے کیا تھا اس میں صراحت موجود تھی کہ ہم سب مل کر ایک ہیں اور بصورت اختلاف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سب کو ماننا پڑیگا تو کیا یہ اسلامی مملکت نہ تھی؟

علماء سے بھی مولانا نے فرمایا کہ آپ عوام سے نہ اُلجھئے جو اشکال اور اعتراض کرنا ہو اس کا جواب دینے کو میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد علماء نے بھی عوام کو مسلم لیگ کی مخالفت پر آمادہ کرنا چھوڑ دیا۔

سلہٹ کے ریفرنڈم کے لیے دورہ

اس کے بعد ضلع سلہٹ کے کئی مقامات کا دورہ کیا اور سفر کی صعوبتیں جھیلیں۔ اس دورہ میں مولانا کے ساتھ حضرت مولانا محمد سہول صاحب عثمانیؒ بھی تھے۔ مولانا نے پولنگ کے دن تک سلہٹ میں کام کیا۔ جس دن پولنگ شروع ہوا۔ مولانا نماز فجر کے بعد معمولات سے فارغ ہو کر لیٹ گئے تو غنودگی کی حالت میں مولانا نے دیکھا کہ مسلم لیگ اور جمعیت العلمائے ہند دونوں پولنگ میں ساتھ ساتھ ہیں اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر مولانا پولنگ پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ واقعی جمعیت علماء ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ ہیں اور لوگ نعرے لگا رہے ہیں جمعیت علماء ہند، مسلم لیگ بھائی بھائی۔ مولانا نے اللہ تعالےٰ کا شکریہ ادا کیا

کہ خواب سچا ہوگیا۔

شام کو رائے شماری کا نتیجہ نکلا تو ثابت ہوا کہ عظیم اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی اور پولنگ اسٹیشن سے اطلاع ملی کہ مسلم لیگ ۵۰ ہزار ووٹ سے جیت گئی اور سلہٹ پاکستان میں شامل ہوگیا۔ مولانا نے شکرانہ کے نفل پڑھے۔ اور ڈھاکہ روانہ ہوگئے۔ مسلم لیگ کی اس کامیابی پر مولانا نے نواب زادہ لیاقت علی خاں کو مبارک باد دی تو انہوں نے جواب دیا کہ اس مبارک باد کے آپ زیادہ مستحق ہیں۔

پرچم کشائی

۲۷ رمضان المبارک مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوا۔ ڈھاکہ میں پرچم کشائی کی رسم کے لیے قائد اعظم کی ہدایت کے مطابق خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پاکستان میں سابقہ خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو دعوت دی۔

مولانا مرحومؒ نے سورہ انا فتحنا کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ تمام وزراء اور عمائدین مسلم لیگ خاموش و باادب سنتے رہے پھر بسم اللہ کر کے مولانا نے پاکستانی پرچم لہرایا۔ خوشی میں توپ خانے سے سلامی کی توپیں چلیں پھر وزراء نے اسمبلی ہال میں حلف اٹھایا۔ اس تقریب میں بھی مولانا مع جماعت علماء شریک رہے۔ اور چیف جسٹس مشرقی پاکستان سے آپ نے حلف لیا۔ اس کے بعد چیف جسٹس موصوف نے گورنر، وزیر اعلیٰ اور دوسرے وزراء سے حلف وفاداری لیا۔

پاکستان کے پہلے دن مولانا کی پہلی تقریر

یہ جمعہ کا دن تھا لال باغ کی جامع مسجد میں جمعہ سے پہلے تقریر میں مولانا نے حصول پاکستان پر شکر ادا کرنے کی ترغیب دی اور اس کا طریقہ یہی بتلایا کہ پاکستان جس غرض کے لیے حاصل کیا گیا ہے اس کو پورا کریں۔

مولانا نے فرمایا پاکستان میں ارباب حکومت آئین و دستور اسلام نافذ کریں اور عوام نماز وغیرہ شعائر اسلام کی پابندی کریں۔ پاکستان کو شراب خانوں اور قحبہ خانوں، سود اور سٹے وغیرہ کی لعنت سے پاک کریں۔ اتفاق و اتحاد کے ساتھ پاکیزہ اسلامی معاشرہ قائم کریں۔ فوج اور پولیس کو نماز روزے کا پابند بنائیں۔ اور انہیں خدمت قوم اور حفاظت دارالاسلام کے لیے جان توڑ کوشش کرنے کی ہدایت کریں۔ خفیہ پولیس مستحکم ہو کیونکہ جس حکومت کے پاس مستحکم خفیہ پولیس نہ ہو وہ کمزور حکومت ہوگی۔ خواجہ ناظم الدین صاحب مرحوم وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان اس تقریر کو بڑے غور سے سنتے رہے اور بڑے متاثر ہوئے۔

اُردو زبان کی تائید و حمایت

پاکستان بننے کے بعد زبان کا مسئلہ زیر بحث تھا کہ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو؟ مغربی پاکستان والے تو اردو کو سرکاری زبان بنانا چاہتے تھے مگر مشرقی حصہ والوں میں اختلاف تھا۔ چاٹگام کے کلکٹر نے بنگلہ حروف القرآن کی تحریک شروع کی کہ بنگلہ زبان کا رسم الخط عربی کر دیا جائے تاکہ مغربی پاکستان والوں کو بنگلہ سیکھنا آسان ہو جائے اور مشرقی پاکستان والے اس طرح اردو کے قریب آجائیں۔ مولانا مرحومؒ نے اس تحریک کی تائید اور حمایت فرمائی اور سمجھدار طبقہ کے مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرنا شروع کیا کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو ہو کیونکہ یہ واقعہ تھا کہ

مشرقی حصہ کے اکثر شہروں میں اردو زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ مدارس اسلامیہ عربیہ اور مدرسہ عالیہ ڈھاکہ اور اس کی شاخوں میں بھی اُردو ہی ذریعہ تعلیم تھی۔ اس لیے اُردو کو سرکاری زبان بنانے کے لیے مولانا مرحوم ۱۹۴۸ء میں جمعیت علمائے اسلام مشرقی پاکستان کی حیثیت سے علماء مشرقی پاکستان کا ایک نمائندہ وفد لے کراچی تشریف لائے۔ اس وفد میں مولانا اطہر علی اور مولانا مفتی دین محمد خاں بھی آپ کے ساتھ تھے اور ایک لاکھ سے زیادہ دستخطوں کے ساتھ قائد اعظم اور وزیر اعظم لیاقت علیخاں مرحوم کی خدمت میں درخواست پیش کردی کہ مشرقی پاکستان والے بھی سرکاری زبان اُردو ہی چاہتے ہیں۔

اس کے بعد قائد اعظم نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تو ڈھاکہ میں ایک لاکھ سے زیادہ مجمع میں صاف اعلان کردیا کہ "پاکستان کی زبان اردو اور صرف اُردو ہوگی"

حضرت مولانا نے اعلاء السنن کے بارہویں حصہ میں ص ۲۱۲ میں اُردو زبان کی شرعی حیثیت پر کافی روشنی ڈالی ہے اور بتلایا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر اُردو زبان کی حفاظت شرعاً واجب ہے اس لیے کہ قرآن و حدیث اور علوم اسلامی کے تراجم کا بہت بڑا ذخیرہ اس زبان میں منتقل ہوگیا ہے اور ان علوم کا تحفظ بھی ضروری ہے اور ویسے بھی ان دیار میں اردو مسلمان کا شعار ہے۔

حضرت مولاناؒ پر مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہو جانے کا گہرا اثر تھا اور سقوط ڈھاکہ کے بعد سے حضرت مولانا کی صحت گرنے لگی تھی۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اب جینے کا کوئی مزہ باقی نہیں رہا۔ حضرت مولانا مرحوم کو قلبی تعلق کی وجہ سے یہی خیال رہتا تھا کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان پھر ساتھ مل جائے گا اپنے اس تعلق خاطر کا اکثر تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ احقر کے نام ایک والا نامہ میں ارقام فرمایا تھا :-

"بحمد اللہ اب اچھا ہوں مگر سقوط ڈھاکہ کی خبر سے ضعف بڑھ گیا ہے وہ بھی آہستہ آہستہ کم ہو رہا ہے۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کی واپسی کے آثار مجھ کو نظر آرہے ہیں۔"

ظفر احمد عثمانی ۲ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ

قائد اعظم کا دورۂ مشرقی پاکستان اور مولانا ظفر احمد عثمانی

مارچ ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم بحیثیت گورنر جنرل مشرقی پاکستان کے دورہ پر گئے تو قائد اعظم کے ہر جلسہ میں مولانا کو بلایا جاتا تھا اور چونکہ پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ مولانا کی کرسی قائد اعظم کے پاس ہوتی تھی اس لیے مولانا کو تین مرتبہ ایسے موقعوں پر قائد اعظم سے سرسری گفتگو کرنے کا موقع ملا مگر مفصل گفتگو دو مرتبہ خصوصی ملاقاتوں میں ہوئی۔

قائد اعظم سے ملاقات اور آئین اسلامی کے بارے میں گفتگو

پہلی مُلاقات :- ایک موقع پر مولانا نے ۱۱ بجے اپنے سیکرٹری، مولانا دین محمد صاحب مفتی ڈھاکہ کے ساتھ گورنر ہاؤس میں دستور سازی کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لیے قائد اعظم سے ملاقات کی اور اُن سے فرمایا کہ جون ۱۹۴۷ء میں اجلاس مسلم لیگ دہلی کے موقع پر ہم نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ درست نکلے کہ پاکستان بنتے ہی ہندوستان میں مسلمانوں پر ظلم اور ان کا قتل عام شروع ہوگیا اور پاکستان کے پاس فوج تھی اور نہ اسلحہ جو اس ظلم کی مدافعت ہو سکتی۔ ہم نے پاکستان اس لیے نہیں بنایا تھا کہ ہندوستان کے مُسلمان اس طرح ہندوؤں کے ظلم کا نشانہ بنتے رہیں، پھر آئین اسلام بھی جاری ہو جاتا تو یہ ساری قربانیاں گوارا تھیں ع متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

مگر اب تک آئین اسلام بھی جاری نہیں ہوا جس کا وعدہ ہم نے قوم سے کیا تھا اور اسی وعدہ کی بناء پر ہی یوپی اور بہار وغیرہ کے مسلمانوں نے پاکستان کے لیے ووٹ دیئے تھے ورنہ وہ جانتے تھے کہ پاکستان سے ان کو کچھ دنیوی نفع نہ پہنچے گا وہ ہندوستان ہی کے ماتحت رہیں گے مگر ان کو خوشی اس بات کی تھی کہ نئی اسلامی مملکت دُنیا کے نقشہ پر نمودار ہوگی جس کا آئین اسلامی ہوگا۔"

قائد اعظم نے کہا کہ ہندوستانی حکومت نے ایک کروڑ کے قریب مسلمانوں کو پاکستان کی طرف دھکیل دیا ہے کہ پاکستان کی معیشت پر بار پڑے اور سرمایہ دار ہندوؤں کو یہاں سے بُلالیا تاکہ پاکستان کی اقتصادی قوت مفلوج ہو جائے مگر اللہ کا فضل شامل حال رہا کہ پاکستان ان مصائب سے دوچار ہونے کے باوجود قائم رہا۔ آئین اسلامی کے جاری ہونے میں اس لیے دیر ہوئی کہ پاکستان بنتے ہی ان مسلمانوں کی آبادکاری پر توجہ زیادہ دینی پڑی جو ہندوستان سے یہاں آرہے تھے اب ذرا اس طرف سے اطمینان ہوا ہے تو انشاء اللہ بہت جلد آئین پاکستان آئین اسلامی کی صورت میں مکمل ہو جائے گا۔

دُوسری مُلاقات:۔ قائداعظم جب چاٹگام کا دورہ کرنے کے بعد ڈھاکہ تشریف لائے ایک وفد کے امیر ہونے کی حیثیت سے مولانا نے پھر ملاقات کی اور فرمایا کہ آپ نے حصول پاکستان سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ دستور پاکستان کتاب و سُنت کے موافق ہوگا۔ یہ وعدہ جلد پُورا کیا جائے۔ قائد اعظم نے وفد کو اطمینان دلایا اور کہا کہ چند ناگہانی مصائب کی وجہ سے دیر ہو گئی ہے اب زیادہ دیر نہ ہوگی۔"

(از تعمیر پاکستان)

قائد اعظم اگر زندہ رہتے تو پاکستان کا آئین اسلامی ہوتا مگر وہ بہت جلد خود وفات پا گئے اور ان کی وفات کے بعد پاکستان کے ایک انتہائی کم تعداد مگر بااختیار طبقہ نے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ اسلام کے اصول اس زمانہ میں ناقابل عمل ہیں اس لیے پاکستان کو لادینی ریاست یعنی سیکولر سٹیٹ بنانے پر زور دیا۔

یہ دستوری کشمکش اس وقت کم ہوئی جب مارچ ۱۹۴۹ء میں قائد ملت وزیر اعظم لیاقت علی خان نے دستور ساز اسمبلی سے قرارداد مقاصد منظور کرا کے بحث کو ختم کر دیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی کا دورہ مشرقی پاکستان

اس قرارداد مقاصد کے منظور کرانے میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی سعی بلیغ کو بہت بڑا دخل تھا۔ حضرت مرحوم نے اس کے لیے فروری ۱۹۴۹ء میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ ڈھاکہ، میمن سنگھ اور چاٹگام وغیرہ میں بڑے بڑے جلسے ہُوئے جن میں لاکھوں کا اجتماع ہوتا تھا ان میں طے کیا گیا کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا۔ غیر اسلامی آئین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی چونکہ آٹھ نو سال سے ڈھاکہ میں مقیم تھے اور تحریکِ پاکستان میں بھی مولانا نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ نیز ڈھاکہ اور اطراف ڈھاکہ میں مولانا کا بہت اثر و رسوخ، علمی اور روحانی فیض دور دراز تک کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا اس لیے پاکستان کے لیے اسلامی آئین کے حق میں فضا کے تیار کرنے اور رائے عامہ کو ہموار کرنے میں مولانا ظفر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کار کا بہت بڑا

حصہ تھا اس پر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے عام جلسوں میں زوردار اور ولولہ انگیز بیانات نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور پورا مشرقی پاکستان آئین اسلامی کی صدا سے گونج اٹھا۔

اس دورہ کے بعد جب مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ کراچی تشریف لائے اور دستور ساز اسمبلی نے مارچ ۱۹۴۹ء میں قرار داد مقاصد کو منظور کر لیا اور علامہ عثمانی کا مکتوب گرامی مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام ڈھاکہ آیا تو اس میں اس بات کی تصریح تھی کہ قرار داد مقاصد کے پاس کرانے میں مشرقی پاکستان کے جلسوں کی روئداد کا بڑا اثر ہوا ہے۔

آئین اسلامی اور مولانا ظفر احمد عثمانی

اُوپر کے مضمون سے واضح ہو رہا ہے کہ ابھی ملک تقسیم بھی نہیں ہوا تھا اس وقت سے ہی مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ پاکستان کے لیے اسلامی آئین بنانے کے لیے قائدین مسلم لیگ کو آمادہ کرتے رہے ہیں اور مسلم لیگ کے عمائدین سے اس سلسلہ میں گفتگو کر کے اُن سے پاکستان میں آئین اسلامی جاری کرانے کا وعدہ لیتے رہے ہیں اور اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعے بھی ہمیشہ اس پر زور دیتے رہے ہیں۔ اور عام مسلمانوں کو بھی جلسوں میں اس پر آمادہ کرتے رہے ہیں چنانچہ تقسیم سے پہلے ۱۱ر جون ۴۷ء کو مولانا کی قائد اعظم سے جو ملاقات ہوئی تھی اس میں بھی قائد اعظم سے پاکستان میں آئین اسلامی ہونے کے اعلان کرنے کو کہا تھا۔

۱۹۴۸ء میں قائد اعظم کو پھر ان کے دورہ مشرقی پاکستان کے موقع پر اس کی طرف توجہ دلائی اور ۱۹۴۹ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جلسوں میں شرکت کرتے رہے اور قرار داد مقاصد کی منظوری میں بھر پور حصہ لیا اور اپنی تقاریر میں دستور اسلامی کے جلد

نافذ کیے جانے کی حکومت پاکستان کو تاکید کرتے رہے۔

۱۹۵۱ء میں لیاقت علی خاں وزیر اعظم پاکستان کو ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے کے لیے اُٹھتے ہی گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو ملت اسلامیہ کے خلاف ایک خطرناک سازش قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا اس وقت ڈھاکہ ہی میں تھے۔ اس موقع پر جو اجتماع ڈھاکہ میں ہوا جس میں اس اندوہناک واقع پر سخت رنج و غم کا اظہار کیا گیا تھا مولانا نے بھی اس میں تقریر کی تھی۔ لیاقت علیخان مرحوم کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین ملک کے وزیر اعظم اور ملک غلام محمد گورنر جنرل بنا دیئے گئے۔

غلام محمد گورنر جنرل سے ملاقات

۱۹۵۲ء میں ملک غلام محمد صاحب ڈھاکہ گئے تو اس موقع پر بھی مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے علماء کی جماعت کے ساتھ اُن سے ملاقات کی اور دستور اسلامی جلد سے جلد جاری کرنے پر زور دیا۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات پر غور

۱۹۵۲ء میں بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی دوسری رپورٹ خواجہ ناظم الدین نے پیش کی جس پر غور کرنے کے لیے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے ہر مکتب خیال کے علماء کرام کو دوبارہ کراچی میں جمع کیا اس میں مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شریک تھے۔

لیاقت علی خاں مرحوم نے قرار داد مقاصد منظور کرانے کے بعد قومی اسمبلی کے ذریعہ آئین کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل کرائی تھی۔ اس کمیٹی کا کام یہ تھا کہ وہ پاکستان کے دستور کا خاکہ تیار کرے۔ لیاقت علی خاں نے ۱۹۵۰ء میں ایک دستور پیش کیا تھا جس کو ملت پاکستان نے تسلیم نہیں کیا تھا اور وزیر اعظم لیاقت علیخاں

کے چیلنج کے جواب میں مولانا احتشام الحق صاحب کی دعوت پر ہر مکتب خیال کے ۳۲ علماء کے دستخط سے ۲۲ نکاتی دستور بنا کر حکومت کو بھیجا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی نے بھی بحیثیت صدر مرکزی جمعیت علما اسلام ایک بیان میں اس پر صاف صاف لفظوں میں احتجاج کیا اور فرمایا:۔

"میں ان کے (قائد اعظم کے) جانشین جناب لیاقت علی خاں وزیر اعظم حکومت پاکستان سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ بنیادی حقوق اور بنیادی اصولوں کی کمیٹیوں کی سفارشات قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہیں یا برطانیہ اور امریکہ کے قوانین کو؟ میں مسٹر لیاقت علی کو قائد اعظم کے اور خود اُن کے وہ اعلانات اور وعدے یاد دلانا چاہتا ہوں جن میں بار بار یہ کہا گیا تھا کہ دستور پاکستان، آئین قرآن و نظام اسلام کے مطابق ہوگا۔ جمعیت علمائے اسلام ایسی سفارشات ہرگز منظور نہیں کرے گی جن میں قرارداد مقاصد اور آئین اسلامی کو نظر انداز کیا گیا ہو اس لیے جمعیت کے تمام ارکان کو اپنی اپنی جگہ ان سفارشات کے خلاف برابر احتجاج کرتے رہنا چاہیے تاآنکہ ان کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے"۔

(دستوری سفارشات اور ان پر تنقید و تبصرہ ص۵۵)

پھر ۱۹۵۳ء میں بعض ترمیموں کے ساتھ بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے یہ دوسری رپورٹ پیش کی تو اس پر غور کرنے کے لیے ہر مکتب خیال کے علماء کو دعوت دی گئی اور اس میں سفارشات کی گئیں۔

قریب تھا کہ یہ دستور اسمبلی میں پاس ہو جائے کہ ۱۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو دستوری روایات کے خلاف خواجہ ناظم الدین اور اُن کی کابینہ کو ملک غلام محمد گورنر جنرل نے برطرف کر دیا جبکہ مجلس قانون ساز کی اکثریت خواجہ صاحب کے حق میں تھی مگر مسئلہ

قادیانی میں ان کی نازیبا روش کی وجہ سے پبلک ان کے خلاف تھی۔ اس بات کو گورنر جنرل نے بھانپ لیا اور موقع مناسب دیکھ کر خواجہ صاحب اور ان کی کابینہ کو برطرف کر دیا۔ اگر خواجہ صاحب نے مجلس ختم نبوت کا مطالبہ منظور کر کے چوہدری ظفر اللہ خاں کو وزارت سے الگ کر دیا ہوتا تو گورنر جنرل کا دستوری روایات کے خلاف یہ طرزِ عمل ہرگز کامیاب نہ ہوتا۔

مولانا کا خیال یہی ہے اور جس وقت خواجہ صاحب نے اپنے کو گورنر جنرل کے عہدہ سے اتار کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کیا تھا اُس وقت بھی مولانا نے اپنے دوستوں سے فرما دیا تھا کہ خواجہ صاحب نے اچھا نہیں کیا اُن کے لیے گورنر جنرل کا عہدہ ہی مناسب تھا۔ اس طرح خواجہ ناظم الدین مرحوم کے دَور میں جو آئین تیار ہوا تھا وہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔

۱۹۵۶ء کے آئین میں اگرچہ قراردادِ مقاصد کے مطابق آئینی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ پاکستان کا کوئی قانون قرآن و سُنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا اور مروّجہ قانون میں جو قانون قرآن و سُنّت کے خلاف ہوگا اس کو قرآن و سُنت کے موافق بنا دیا جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اس آئین میں بھی کئی دفعات خلاف اسلام پائی جاتی تھیں۔

علماء کرام نے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بھی شامل تھے اس آئین پر غور و خوض کیا اور اس کی مذکورہ بنیادی اس دفعہ کو کہ کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا پیشِ نظر رکھتے ہوئے قرآن و سُنت کے موافق ایسی شرعی ترمیمات پیش کیں جن کو شامل کرنے سے ۱۹۵۶ء کا یہ آئین مکمل طور پر اسلامی آئین بن جاتا تھا اسی لیے مولانا ان ترمیمات کے ساتھ ہی ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کے

حق میں تھے۔ اگر مولانا کے منشاء کے مطابق یہ آئین بحال ہو جاتا تو آج ملک کی تقسیم کے صدمہ جانکاہ سے اُمت مسلمہ دوچار نہ ہوتی۔ کیونکہ اس آئین کو جس طرح چند ترمیمات سے شرعی اور اسلامی بنایا جا سکتا تھا اسی طرح اس میں پاکستان کے مغربی اور مشرقی دونوں حصّوں میں اس قدر گہرا تعلق قائم رکھنے پر زور دیا گیا تھا اور ایک دُوسرے کو اس طرح مربوط قرار دیا گیا تھا کہ ایک حصّہ کو دوسرے حصّہ سے جُدا ہونے کا تصور باقی نہیں رہتا تھا مگر پاکستان کے مخالف عناصر نے ۱۹۵۶ء کے آئین کی بحالی کو اپنے اغراض و مقاصد کے خلاف دیکھا اس لیے اس کی بحالی کے مطالبہ کی مخالفت کی اور نئے آئین کا مطالبہ کیا جس کی نتیجہ میں جو قیامت برپا ہوئی اور ملی سالمیت کو جس قدر شدید اور ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہر محب وطن پر واضح ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی اور مسئلہ قادیانی

۱۹۵۲ء میں جب قومی اسمبلی کی بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے پاکستان میں جداگانہ انتخاب کی سفارش کی تو اس کے منطقی نتیجہ کے طور پر ۱۹۵۳ء میں مسلمانانِ پاکستان نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ پاکستان میں بسنے والی دوسری اقلیتوں کی طرح قادیانی گروہ کو بھی قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے تاکہ ان کا شمار قانوناً مسلمانوں کی فہرست میں نہ ہو سکے اور وہ اپنے کو مسلمان کہلا کر حکومت کے عہدوں اور مسلمانوں کی انتخابی نشستوں پر اپنے حق سے زیادہ غاصبانہ قبضہ نہ کرتے رہیں۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اس کی سرگذشت اپنی خود نوشت سوانح میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

"اس سال ملت پاکستان نے مطالبہ کیا کہ ظفر اللہ خاں قادیانی کو پاکستان کی وزارت خارجہ سے الگ کیا جائے اور قادیانیوں کو مسلمانوں سے الگ ایک اقلیت

قرار دیا جائے کیونکہ علمائے اسلام کے متفقہ فتوے سے یہ فرقہ مرتد مانا گیا ہے۔ اس کو مسلمان قرار دینا صحیح نہیں۔ یہ لوگ خود بھی اپنے کو مسلمانوں سے الگ ایک جماعت سمجھتے ہیں چنانچہ قائداعظم کی نماز جنازہ میں ظفر اللہ خاں شریک نہیں ہوتے۔"

اس تحریک نے زور پکڑا یہاں تک کہ ایک وفد علماء اور عمائد کا خواجہ ناظم الدین صاحب سے ملا۔ پھر ایک اجتماع خصوصی حضرات علماء کا ہوا جس میں پندرہ علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی کہ اگر حکومت نے ایک مہینہ کے اندر اندر یہ مطالبہ منظور نہ کیا تو اس کے خلاف راست اقدام کیا جائے گا۔

جس کا فیصلہ اس کمیٹی کے مشورہ سے ہوگا (کمیٹی میں مشرقی پاکستان سے چار پانچ علماء کو لیا گیا تھا جس میں مولانا مرحوم کے علاوہ مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری مہتمم جامعہ قرآنیہ (ڈھاکہ) مولانا دین محمد خان صاحب، مفتی ڈھاکہ، مولانا اطہر علی صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ (کشور گنج) اور پیر سرسینہ کا نام شامل تھا۔ اور بقیہ حضرات مغربی پاکستان کے تھے۔ مگر ہوا یہ کہ مغربی پاکستان کے ارکان کمیٹی نے تو جمع ہو کر راست اقدام کا فیصلہ کر لیا مگر مشرقی پاکستان کے علماء سے رائے نہ لی گئی۔

لیکن اس کے باوجود بھی مشرقی پاکستان کے علمائے کرام نے اس فیصلہ کی کوئی مخالفت نہیں کی اور البتہ یہ ضرور ہے کہ مشرقی پاکستان میں راست اقدام شروع نہیں کیا گیا۔

اس زمانہ میں لاہور فوج طلب کر لی گئی اور مارشل لاء لگا دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کا بہت خون ہوا۔ اور اس کے علاوہ بہت سے لوگ جیل میں بند کر دیئے گئے۔

مولانا مودودی کی گرفتاری

مولانا مودودی بھی گرفتار کیے گئے اور فوجی عدالت نے اُن کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کر دی تو مولانا نے جامع مسجد چوک بازار (ڈھاکہ) میں عشاء کے بعد جلسہ طلب کیا اور فوجی عدالت کے اس حکم پر کڑی نکتہ چینی کی اور کہا کہ :-

" غالباً فوجی عدالت کا بڑا افسر قادیانی ہے اسی لیے اس نے مولانا مودودی کا رسالہ " قادیانی مسئلہ " ضبط کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے لیے پھانسی کی سزا تجویز کی ہے مگر اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مسئلہ میں سارا عالم اسلام متفق ہے۔ اگر اسی بنا پر مولانا مودودی کو پھانسی دی جاتی ہے تو ہم سب پھانسی پانے کو تیار ہیں "

پھر خواجہ ناظم الدین صاحب کو اسی قسم کا لمبا تار دیا گیا۔

محمد علی بوگرا سے مُلاقات

مولانا لکھتے ہیں " جلسے کے بعد معلوم ہوا کہ محمد علی صاحب بوگرا (جو اسوقت غالباً وزیر خارجہ تھے) اپنے گھر سے کراچی جانے کے لیے ڈھاکہ آئے ہیں۔ ہم نے طے کیا کہ صبح ہی ان سے ملاقات کریں گے چنانچہ صبح کی نماز کے بعد ان سے ملنے گئے۔ موصوف بڑے تپاک سے ملے اور ملاقات کی غرض معلوم کی۔ مولانا نے کہا حکومت پاکستان ایک طرف تو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ نظام اسلام قائم کرنا چاہتی ہے اور دوسری طرف اسکا عمل یہ ہے کہ نظام اسلام کی کوشش کرنے والوں کو پھانسی دینا چاہتی ہے "

وہ کہنے لگے مجھے بالکل خبر نہیں میں آج ہی کراچی جا رہا ہوں اور جاتے ہی اس فیصلہ کی منسوخی کے لیے پوری کوشش کروں گا "

اگلے ہی روز خبر آگئی کہ پھانسی کی سزا کو چودہ سال کی قید میں تبدیل کر دیا گیا ہے "

مولانا مرحوم نے اس پر بھی جلسہ عام میں کڑی تنقید کی اللہ نے کیا یہ سزا بھی کم ہوگئی اور دو تین سال کے بعد مولانا رہا ہو گئے۔

۱۹۵۳ء میں تو ملتِ پاکستان کا یہ مطالبہ قانونی شکل اختیار نہ کر سکا لیکن جب ۱۹۷۴ء میں پھر دوبارہ اس مسئلہ نے زور پکڑا اور اس وقت کی مجلس عمل نے قادیانیوں سے مقاطعہ کی تجویز بھی طے کی تو اس وقت کی اسمبلی نے اس کو منظور کر لیا اور قادیانیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیدیا۔ حضرت مولانا مرحوم نے بھی مجلس عمل کی اس تجویز کی موافقت فرمائی تھی اور احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں ارقام فرمایا تھا :-

" قادیانی جو مرتد ہیں اُن کی سزا اسلام میں قتل ہے تین دن کی مہلت دیجاتے توبہ نہ کریں تو قتل کئے جائیں۔ جو مرتد کی اولاد ہیں اگر وہ بھی دُوسروں کو مُرتد کرتے ہیں اُن کی بھی یہی سزا ہے مگر اس سزا کا جاری کرنا حکومت کا فرض ہے اور دُوسروں کو جائز نہیں۔ البتہ وہ مقاطعہ ضرور کریں کہ مقاطعہ میں ان کی ترقی رُک جائے گی اور مقاطعہ سے ان کی تجارت فیل ہوگی۔ بھُوکے نہیں مریں گے۔ یہ بہت ہیں آپس میں لین دین کر کے زندہ رہ سکتے ہیں "

والسلام ظفر احمد عثمانی ۲۸ر شعبان ۱۳۹۴ھ)

حضرت مولانا مرحوم کے والانامہ سے واضح ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے اور حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس کو جاری کرے۔ دُوسروں کو جائز نہیں کہ وہ اس پر اقدام کریں البتہ ان سے مقاطعہ کیا جائے تاکہ انکی ترقی رک جائے اور اُن کی تجارت پر اثر پڑے۔

نظامِ اسلام کانفرنس

۱۳، ۱۵، ۱۶ر نومبر ۱۹۵۲ء کو ڈھاکہ میں زیر صدارت جناب مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت علماء اسلام

نظام اسلام کانفرنس منعقد ہوئی جس میں بقول حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی پچاس ہزار علماء و مشائخ اور ایک لاکھ سے زائد لوگوں نے شرکت کی اور اس میں کھلے لفظوں میں ارباب حکومت کو بتلا دیا گیا کہ:-

"پاکستان کے دستور کا کوئی جز کوئی گوشہ اور کوئی دفعہ اگر اسلامی نظام کے خلاف ہوا تو وہ دستور ہرگز اسلامی نہ ہوگا۔ نہ کسی ایسے دستور کو قبول کیا جائیگا یہ مسلمانوں کا ایسا فیصلہ ہے جس کو منوانے کے لیے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہیں"۔

وزراء علماء کانفرنس میں شرکت

ابھی اس کانفرنس کے اجلاس کا تیسرا دن نہیں گزرا تھا کہ خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم پاکستان کے دعوت نامہ جو اکابر علماء کے نام پہنچے کہ آپ جلدی کراچی آئیں تاکہ ۲۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو جو دستور اسمبلی میں پیش کیا جا رہا ہے اس پر غور کیا جائے۔ چنانچہ وزیر اعظم کی دعوت خاص پر ۱۹ نومبر ۱۹۵۲ء کو جو علمائے کرام ان کی کوٹھی پر آئے ان میں حضرت مولانا ظفر عثمانی مرحوم بھی شریک تھے۔ مولوی تمیز الدین صدر دستور ساز سردار عبد الرب نشتر اور دوسرے پانچ وزراء بھی پہنچ گئے۔

وزیر اعظم صاحب نے کتاب و سنت کے موافق دستور مرتب کرنے کے سلسلہ میں کچھ عملی اشکالات پیش کر کے ان کا حل طلب کیا جن کی وضاحت سردار عبد الرب نشتر اور مولوی تمیز الدین حسب ضرورت کرتے رہے اور حضرات علمائے کرام ان کا تحقیقی جواب پیش کرتے رہے اور ہر معاملہ میں وزراء کی پوری تسلی کرا دی۔ اور کھلے لفظوں میں وزراء کو بتلا دیا کہ اگر انہوں نے دستور اسلامی سے ایک انچ بھی انحراف کیا تو پاکستان میں ایک ایسا زبردست طوفان آئے گا کہ جس میں آپ کے اقتدار کی کرسیوں کا خاتمہ یقینی ہے۔

خواجہ صاحب نے یقین دلایا کہ انشاء اللہ عوام کی خواہش کے مطابق ہی دستور بنایا جائے گا اور علماء کرام کے پیش کردہ ۲۲ نکات کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ اس کانفرنس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجلس دستور ساز اسمبلی میں جو دستور ۲۲ نومبر کو پیش ہونا تھا وہ ۲۲ نومبر کی بجائے ۲۲ دسمبر کو پیش کیا گیا کافی حد تک اس میں اسلامی اصولوں کا لحاظ رکھا گیا تھا۔

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا اعلان

اس دستور کے پیش ہونے پر مولانا ظفر احمد عثمانی نے ڈھاکہ سے اعلان جاری کیا کہ اس دستور پر علماء فرداً فرداً اپنے رائے ظاہر نہ کریں۔ بلکہ وہی ۳۱ علماء جو دستور اسلامی کا خاکہ پیش کر چکے ہیں پھر کراچی میں جمع ہو کر اس پر غور کر کے اپنی رائے ظاہر کریں گے۔

دستور پر غور میں شرکت

۱۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں پھر ان علمائے کرام کا اجتماع ہوا جنہوں نے ۲۲ نکاتی دستوری خاکہ مرتب کیا تھا اور اس مرتبہ مولانا ظفر احمد عثمانی سمیت ۳۳ علماء نے جمع ہو کر ۱۱ جنوری سے لے کر ۱۸ جنوری تک اپنے نو مختلف اجلاسوں میں غور و فکر کے بعد چند اہم ترمیمات کے ساتھ دستور کی تائید کر دی۔ (تعمیر پاکستان)

مگر ہوا یہ کہ غلام محمد صاحب گورنر جنرل نے ملک میں ہنگامی حالات کا اعلان کرتے ہوئے ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو مجلس دستور ساز کو توڑ کر آج تک اسلامی آئین کی ترتیب و تشکیل کے لیے جس قدر کوششیں ہوتی رہی تھیں ان سب پر پانی پھیر دیا۔ اور اس طرح وہ طبقہ جو اسلامی آئین کے نفاذ کا مخالف تھا اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں کے ذریعہ کامیاب و کامران ہوگیا۔ (تعمیر پاکستان)

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا مکتوب گرامی وزیر اعظم کے نام

مولانا ظفر احمد عثمانی ارباب اقتدار سے دور رہنے کی وجہ سے کبھی ملاقات کے ذریعہ اور کبھی بذریعہ خط و کتابت بہر صورت اپنا فرض ادا کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ماہ ستمبر ۱۹۵۵ء کو مولانا مرحوم نے حسب ذیل مفصل مکتوب چوہدری محمد علی صاحب وزیر اعظم پاکستان کی خدمت میں روانہ کیا ؎۔

" مجھے آپ کی وزارت عظمیٰ کی خبر سن کر بڑی مسرت ہوئی تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ نے قائد اعظم اور قائد ملت مرحوم کے ساتھ کام کیا ہے اور ان کو آپ پر اعتماد تھا اس لیے آپ کی وزارت عظمیٰ سے یہ امید قائم ہو گئی تھی کہ آپ ان مقاصد کو جلد از جلد پورا کریں گے جن کے لیے پاکستان حاصل کیا گیا تھا مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک ہی مہینہ کے اندر ایسی باتیں سننے میں آئیں جن سے یہ امید یاس میں تبدیل ہونے لگی اور خطرناک صورتیں سامنے آنے لگیں۔ اس بنا پر جناب سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ ان کے تشفی بخش جوابات سے مجھے اور ان سب مسلمانوں کو جنہوں نے قائد اعظم اور قائد ملت کے وہ بیانات اور مواعید سن کر جو پاکستان بننے سے پہلے دیئے گئے تھے ایک خاص نظریہ کے ماتحت سب کچھ حصول پاکستان کے لیے قربان کر دیا ہے مطمئن فرمائیں گے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کی وزارت نے جگتو فرنٹ کا یہ مطالبہ مان لیا ہے کہ پاکستان میں آئندہ انتخابات مخلوط ہوں گے؟ اگر واقعی یہ تسلیم کر لیا گیا ہے تو میں صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ یہ اس دو قومی نظریہ یعنی ٹو نیشنز تھیوری کے بالکل خلاف ہے جس پر پاکستان کی بنیاد قائم کی گئی ہے۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی جنگ مخلوط اور جداگانہ انتخاب ہی کی جنگ تھی دو قوموں کے نظریہ کی جنگ تھی اسی بنیاد

پر پاکستان قائم ہوا۔

حیرت ہے کہ وزارت نے سب سے پہلا حملہ پاکستان کے بنیادی نظریہ ہی پر کیا ہے۔ غالباً جناب نے اس کے عواقب میں بھی غور نہیں فرمایا کہ در اصل مخلوط انتخابات کا مطالبہ مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کا مطالبہ ہے۔ چونکہ الیکشن میں جگتو فرنٹ کو مسلم لیگ کے مقابلہ میں ہندوؤں کی امداد نے کامیاب کیا تھا۔

اس لیے لامحالہ ہندوؤں کے بعض مطالبات ان کو اپنے ۲۱ نکاتی پروگرام میں شامل کر لینے پڑے۔ مشرقی پاکستان کا ہندو جس کی تعداد سوا کروڑ کے قریب ہے۔ مخلوط انتخاب اس لیے چاہتا ہے کہ شیڈول کاسٹ ہندو پاکستان کی اسمبلی میں نہ آسکیں۔ اونچی ذات کے ہندو ہی ان کی سیٹوں پر قابض ہو جائیں۔ نیز وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ پاکستان اسمبلی میں مسلمان بھی ایسے پہنچیں جو ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوں۔ مخلوط انتخاب کی صورت میں مسلمان ممبروں کو اپنی کامیابی کے لیے ہندوؤں کے ووٹ کی بھی ضرورت ہو گی۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو گا کہ اسمبلی میں وہی مسلمان زیادہ آسکیں گے جو ہندوؤں کے غیر اسلامی نظریات کو پاکستان میں فروغ دینا چاہیں گے۔ پھر مخلوط انتخاب میں جب ہندو و مسلمان تمیز باقی نہ رہے گی تو پاکستان ایک حقیقی اسلامی ملک ہرگز نہیں بن سکتا۔ اس لیے ایسی غلطی ہرگز نہ کی جائے جسب دستور سابق انتخابات جداگانہ ہی ہونے چاہیں ورنہ آپ کی وزارت آپ کے پیشرو محمد علی کی وزارت سے بھی زیادہ بدنام ہو جائے گی۔ ان کی غلط سیاست نے تو مسلم لیگ کو مشرقی بنگال میں ختم کیا تھا اور اگر آپ نے مخلوط انتخاب مان لیا تو آپ پاکستان کی بنیاد ہی ختم کر دیں گے۔

۲—— کیا یہ صحیح ہے کہ جگتو فرنٹ کے لیڈروں کو "مشرقی پاکستان" نام پسند نہیں ؟ وہ اس کا نام مشرقی بنگال رکھنا چاہتے ہیں ۔ اگر یہ واقعہ ہے تو جن لوگوں کو پاکستان کا نام بھی پسند نہیں ان کو اپنا پاکستانی ہونا کیسے پسند ہوگا ؟ پھر ان کو پاکستان کی سالمیت سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ؟

یہ تو ان مسلمان لیڈروں کا حال ہے جو مخلوط انتخاب سے نہیں بلکہ صرف ہندوؤں کی امداد سے کامیاب ہو کر اسمبلی میں آئے ہیں اسی سے اندازہ کر لیا جائے کہ جو مسلمان ہندوؤں کے ووٹ سے کامیاب ہو کر آئیں گے وہ کیا کچھ ہوں گے ؟ پھر جس ملک کا مشرق نہ رہا اس کے مغرب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو مغربی پاکستان کا نام بھی ختم ہوا تو کیا ایسے ہی ممبروں سے مل کر آپ اسلامی دستور بنائیں گے جس کا وعدہ آپ نے وزارت عظمےٰ کی کرسی سنبھالتے ہی قوم سے کیا ہے ؟

۳—— کیا یہ صحیح ہے کہ ہندو ممبران اسمبلی نے یہ بھی مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان کے نصابِ تعلیم سے اسلامیات کا مضمون حذف کر دیا جائے ؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ پاکستان میں وہی نصاب تعلیم چاہتے ہیں جو انگریز کے زمانہ میں تھا ۔ مسلمان اس کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے ۔ پاکستان کی ہندو اقلیت کو اچھی طرح معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشلسٹ مسلمانوں کی ملی جلی کوششوں سے وجود میں آیا ہے لیکن پاکستان کا وجود خالص مسلمانوں کی مساعی اور قربانیوں سے عمل میں آیا ہے ۔ ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے قائد اعظم اور دیگر زعماء مسلم لیگ کے اعلانات برابر اس قسم کے ہوتے رہے ہیں کہ مسلمان اپنے لیے ایک قطعہ زمین الگ اس لیے چاہتے ہیں کہ وہاں اسلامی احکام جاری

کر کے مسلمان اسلامی زندگی بسر کر سکیں اور ان کا مذہب ، تمدن ، کلچر ، ثقافت اور زبان محفوظ رہے ۔ پاکستان بننے کے بعد قرار داد مقاصد میں اس حقیقت کو اچھی طرح سے واضح کر دیا گیا ہے ۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج کسی کے پاس نہیں ۔ جناب والا ! اگر ہندوؤں کے اس مطالبہ کو مان کر قرار داد مقاصد کے خلاف راہ عمل اختیار کی گئی تو مسلمان یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ موجودہ دستور ساز اسمبلی نمائندہ اسمبلی نہیں ہے ۔ کیونکہ اسمبلی محض اس وجہ سے کہ مرکزی وزارت کا قیام جگتو فرنٹ کے اتحاد کا مرہون منت ہے پاکستان کے بنیادی نظریات کو پامال کرنے لگے اس کو کوئی مسلمان بھی نمائندہ نہیں مان سکتا ۔ امید ہے جناب والا ان سوالات کے تشفی بخش جوابات سے بہت جلد مسلمانوں کو مطمئن فرمائیں گے ۔ ورنہ آپ یقین جانیں کہ پاکستان کی سالمیت کو سخت خطرہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو تمام آفات سے محفوظ رکھے ، آمین ۔

ظفر احمد عثمانی نائب شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی شیخ الحدیث

دار العلوم اشرف آباد ٹنڈو اللہ یار سندھ ۔

یہ تاریخی خط اس گروہ کے ایک ممتاز فرد کا ہے جس کے متعلق مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے صحائف کا فتویٰ یہ ہے کہ :

" وہ عوام سے بہت حد تک لاتعلق رہتے ہیں ۔ انہیں دنیا کے موجودہ حالات اور وقت کے تقاضوں کا کوئی علم نہیں ان کا طرز استدلال زمانہ کے ذہن سے بہت پیچھے ہے اور وہ حکمرانوں کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں "

اب یہ فیصلہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے کہ جماعت اسلامی کے سربراہ کا یہ فتوے صحیح ہے یا غلط ؟ دیانت دارانہ ہے یا معاندانہ ؟

وزیر اعظم کا جواب

مولانا عثمانی مرحوم کے متذکرہ بالا خط کا حسب ذیل جواب موصول ہوا :-

پاکستان سیکرٹریٹ کراچی ۸ر اکتوبر ۱۹۵۵ء

کرم فرمائے بندہ !

السلام علیکم : حسب ہدایت عزت مآب وزیر اعظم صاحب آپ کے کرم نامہ اور سوالنامہ کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے ، اطلاعاً عرض ہے کہ پاکستان کے نصاب تعلیم سے اسلامیات کا مضمون حذف کرنے کی خبر بالکل بے بنیاد ہے اور رقم کردہ سوالات نمبر ۱ و نمبر ۲ زیر غور ہیں ۔ فقط آپ کا خادم

صدیق علی خاں معتمد سیاسی وزیر اعظم پاکستان

مکتوب ثانی

مولانا عثمانی نے مذکورہ بالا خط کا فوراً یہ جواب وزیر اعظم پاکستان کو ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو بھیجا :-

مکرمی المحترم دام اقبالہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

میرے عریضہ کے جواب میں گرامی نامہ مورخہ ۸ر اکتوبر ۵۵ء پرائیوٹ سیکرٹری کے قلم سے موصول ہو کر موجب عزت ہوا ۔ بہت بہت شکریہ ! میں نے اخبار الجماعت کراچی اور اخبار تسنیم لاہور میں پڑھا تھا کہ صوبائی اسمبلی کے ہندو ممبران مشرقی پاکستان میں یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ پاکستان کے نصاب تعلیم سے دینیات کا مضمون حذف کر دیا جائے اندیشہ ہے کہ جگتو فرنٹ کے ممبروں سے ساز باز کر کے صوبہ میں وہ کامیاب ہو جائیں گے ۔

میرے سوال نمبر ۱ و نمبر ۲ کے بارہ میں تحریر فرمایا گیا ہے کہ وہ زیر غور ہیں ۔ مکرما ! یہ دونوں مطالبے ہرگز اس قابل نہیں کہ ان پر غور کیا جائے ان کو فوراً رد کر دینا

چاہیئے ۔ آخر میں ایک بات اور عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جب کوئی چھوٹی سلطنت کسی بڑی سلطنت کے ساتھ اپنے کو وابستہ کر دیتی ہے اور اس کے قوانین اپنے یہاں رائج کر دیتی ہے تو بڑی سلطنت کی قوت اور مدد اس کے ساتھ ہو جاتی ہے جب تک مسلمانوں کے دن اچھے تھے تو انہوں نے اپنی سلطنت کو سب سے بڑی سلطنت یعنی حکومت الٰہی کے ساتھ وابستہ کر دیا تھا اس کے قوانین اپنے یہاں رائج کر دیئے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ غیبی طاقت ان کے ساتھ تھی اور یہ ہر مرحلہ میں بڑی سے بڑی طاقت کے مقابلہ میں کامیاب تھے ۔ یہی اب کیا جائے تو غیبی امداد آپ کے ساتھ ہو گی ۔

پاکستان اس وعدے پر اس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا کہ اس کو ایک مثالی مملکت بنایا جائے گا ۔ مگر افسوس ! یہ وعدہ اب تک شرمندہ ایفا نہیں ہوا بلکہ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ دیانت و امانت ، خدا ترسی و پرہیزگاری اور اخلاقی معاشرتی پہلو سے اس وقت پاکستانی مسلمان بجائے ترقی کے بہت تنزل کی طرف جا رہے ہیں ۔ ضرورت ہے کہ اس وعدہ اور مقصد کو جلد سے جلد پورا کیا جائے ۔ ورنہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ قدرت کی طرف سے کس طرح بار بار ہم کو متنبہ کیا جا رہا ہے ۔ ہر سال سیلاب وغیرہ سے اس قدر نقصان پاکستان کو پہنچتا ہے کہ اس کی ساری ترقی خاک میں مل جاتی ہے ۔ قدرت ہم کو خبردار کرتی ہے کہ کافروں کے طریقہ پر ترقی کرو گے تو حق تعالیٰ ساری ترقیوں کو ذرا سی دیر میں ملیامیٹ کر کے رکھ دے گا ۔

اسلامی مملکت کی ترقی کا ایک ہی راستہ ہے کہ اپنے کو حکومت الٰہیہ سے وابستہ کر کے خدائی قانون اپنا کر ترقی کرے الذین ان مکنا ھم فی الارض ۔ اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام معاملات کا انجام ہے اس سے مسلمانوں کو وابستہ ہونا چاہیئے ۔ امید

ہے کہ ان معروضات پر غور فرمایا جاوے گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی وزارت کو استحکام و قوت عطا فرمائے اور آپ کے ذریعہ سے پاکستان میں دستورِ اسلامی و قانون شرعی جلد سے جلد نافذ ہو جائے تاکہ وہ صحیح معنوں میں ایک مثالی اسلام کی سلطنت بن جائے۔ والسلام مع الاحترام

ظفر احمد عثمانی (تعمیر پاکستان)

قریباً ایک ماہ کے بعد کراچی میں چوہدری محمد علی وزیر اعظم پاکستان نے سیرت کے جلسہ میں ایک اہم تقریر فرمائی جس کا ریکارڈ ریڈیو پاکستان سے نشر کیا گیا۔ اس میں وزیر موصوف نے امت مُسلمہ کو اسوۂ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی تھی، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی پر اس تقریر کا یہ ردِ عمل ہُوا کہ انہوں نے اسی وقت وزیر اعظم کو ایک تبلیغی خط لکھا اور انہیں اپنے کہنے پر عمل کی ترغیب دی۔

وزیر اعظم کے نام مولانا عثمانی کا تبلیغی مکتوب گرامی

محترم المقام!
السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

میں نے ۱۲ ربیع الاول کو آپ کی تقریر دلپذیر کا ریکارڈ سُنا جو آپ نے جلسہ سیرت کراچی میں کی تھی۔ ماشاء اللہ بہترین تقریر تھی۔ مگر دل یہ چاہتا ہے کہ تقریر سے زیادہ آپ کی حکومت کا عملی کارنامہ سامنے آئے۔ اس میں کیا شُبہ ہے کہ اگر مسلمان اپنے رسولؐ کی سیرت پر عمل پیرا ہو جائیں تو کوئی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن ضرورت اس کی ہے کہ وزیر اعظم اور ان کی حکومت ایسا رویہ اختیار کرے جس سے قوم خود بخود اسوۂ رسول پر چلنے لگے۔

مثال کے طور پر تمام خرافات بند کر دی جائیں جن سے مسلمانوں کے اخلاق و اعمال خراب ہوتے ہیں۔ جیسے شراب کی خرید و فروخت، سینما، جُوا بازی، رنڈی خانے، فحش لٹریچر وغیرہ یک لخت بند کر دیئے جائیں۔ دستور اسلامی کا جتنا حصہ، ناظم الدین بی پی سی رپورٹ میں طے ہو چکا ہے اس کو بحال رکھا جائے صرف اس کی خامیاں دُور کر دی جائیں، جو ترمیمات علماء سے معلوم ہو سکتی ہیں، عدالتوں میں بہت جلد شرعی قانون نافذ کیا جائے جو فتاویٰ عالمگیری کی صورت میں پہلے سے موجود ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ ہو چُکا ہے۔ نصاب تعلیم میں دینیات و اخلاق کی تعلیم پر زور دیا جائے مجھے اخبارات میں یہ معلوم کر کے بہت دُکھ ہوا کہ اسلامی دستور کا جو مسودہ آپ کی حکومت قوم کے سامنے لانے والی ہے اس میں سے رہنما اصول کا باب نکال دیا گیا ہے قرارداد مقاصد بھی بدل دی گئی ہے اور وہ دفعات بھی نکال دی گئی ہیں جن میں کتاب و سُنت کی پابندی کو تمام قوانین میں لازم کیا گیا ہے۔ صدر جمہوریہ کے لیے اسلام کی شرط نہیں رکھی گئی۔ اگر آپ کی حکومت کا کارنامہ یہی ہو گا تو سیرت پر تقریر کرنا محض بے کار ہے۔

آپ کو سوچنا چاہیئے کہ اس وقت پاکستان سخت نازک دور سے گُزر رہا ہے۔ مخالف طاقتیں سر اُٹھا رہی ہیں۔ اس وقت حکومت کو اللہ کی مدد اور قوم کے تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ اگر دستورِ پاکستان کا نمونہ وہی ہُوا کہ جو اخبارات سے معلوم ہُوا ہے تو نہ خدا کی مدد آپ کے ساتھ ہو گی نہ قوم کا تعاون حاصل ہو گا۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ پہلے سے زیادہ انتشار پیدا ہو جائے گا۔ ہم نے پاکستان اس لیے نہیں حاصل کیا تھا کہ اس میں مخلوط انتخاب رائج کر کے دوقومی نظریہ کو باطل کر دیں جو پاکستان کی بُنیاد ہے اور اس کا دستور بھی سیکولر بنائیں۔ اُمید ہے کہ ان حقائق کو نظر انداز نہ کیا جائے گا۔"

(ظفر احمد عثمانی)

مولانا کی یہ مخلصانہ اور حکیمانہ ترغیب بحمد اللہ مؤثر ثابت ہوئی اور چوہدری محمد علی صاحب وزیرِ اعظم نے اس مکتوب گرامی کا جواب اپنے قلم سے حسب ذیل دیا :-

" محترمی السلام علیکم !

آپ کے گرامی نامہ کا شکریہ ! جو مشورے آپ نے دیئے ہیں ان پر حتی الوسع عمل پیرا ہونے کی کوشش کروں گا ۔ والسلام "

مخلص محمد علی (تعمیر پاکستان ص۲۶۷)

وزیرِ اعظم کے خطوط سے حضرت مولانا کے خدشات کی تصدیق ہو رہی ہے ۔ کیونکہ ان خطوط میں جس طرح نصاب تعلیم سے اسلامیات کے مضمون کو حذف کر دینے والی خبر کی تردید کر دی گئی تھی اسی طرح اخبارات کی دوسری اطلاعات کی تردید نہیں کی گئی تھی۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مولانا مرحوم دور دراز مسجدوں اور مدرسوں میں رہنے کے باوجود حالات زمانہ اور رفتار واقعات سے بے خبر نہیں رہتے تھے ، بلکہ درس و تدریس وغیرہ کی علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ان کی چشم بصیرت و فراست پیش آمدہ واقعات کا بھی جائزہ لیتی رہتی تھی اور مودودی صاحب اپنی جماعت سمیت عوام میں جو ان علماء ربانی کی عظمت اور اہمیت گھٹانے میں مشغول تھے جو آئین اسلامی کے لیے مخلصانہ اور بے غرضانہ جد و جہد میں مصروف تھے اور ان کے خلاف یہ جاہلانہ پراپیگنڈہ کر رہے تھے کہ " یہ لوگ دنیا کے موجودہ حالات ، تقاضوں اور عوام سے بہت حد تک لاتعلق ہیں " (الاعتصام ۲۲ جولائی ۱۹۵۵ء) " ان کا طرز استدلال زمانہ سے بہت پیچھے ہے اور وہ حکمرانوں کے ہاتھوں کھیل رہے ہیں " مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کے ان پُر تاثیر تاریخی خطوط نے اس پراپیگنڈہ کی قلعی کھول کر رکھ دی اور واضح کر دیا کہ مودودی صاحب علماء کرام کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا کرنے کی جو

کوشش کر رہے تھے وہ خود غرضی پر مبنی ہے اور علمائے کرام فی الواقع ایسے نہیں تھے جیسا کہ ان کو ظاہر کیا جا رہا تھا بلکہ ان کی فراست ان کی بصیرت آنے والے واقعات کو پہلے سے تاڑ لیتی تھی ۔ ان کی نظر ہر وقت واقعات کی رفتار پر رہی ہے اور وہ تعمیری جد و جہد میں مصروف رہے ہیں ۔ بخلاف مودودی صاحب کے کہ وہ اپنی انفرادیت پسندی کے ماتحت ہمیشہ علماء سے الگ رہنے کی کوشش میں مصروف رہے اور علماء کے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہے اور اپنی تخریبی کارروائیوں کی وجہ سے حکومت کے کام میں بھی رکاوٹ ڈالتے رہے ہیں ۔

لاء کمیشن کی ممبری

جب چوہدری محمد علی وزیرِ اعظم کی کوششوں کے نتیجہ میں ان کے پیش کردہ دستور کو ۲۹ فروری ۱۹۵۶ء کو رات کے ۱۲ بجے دستور ساز اسمبلی نے منظور کر لیا اور اس کی رو سے صدر پاکستان کی طرف سے ایک ایسے قانونی کمیشن کا تقرر لازمی تھا جو اسمبلی کو تدریجی طور پر اسلامی قوانین بنانے کے لیے سفارش کرتا رہے تو اس کی ممبری کے لیے اعزازی طور پر حضرت مولانا مرحوم کو بھی منتخب کیا گیا تھا ۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کے متعدد اجلاسوں میں شرکت فرما کر اراکین لاء کمیشن کی دینی رہنمائی کا فرض انجام دیا ۔

اس کمیشن کی افادیت کے بارے میں احقر کے خدشہ ظاہر کرنے پر حضرت مولانا مرحوم نے ارقام فرمایا :-

" رہا یہ کہ اس کمیشن سے اچھے نتائج برآمد ہونے کی امید ہے یا نہیں تو اس سے زیادہ نہیں کہ موجودہ قوانین کو موافق شریعت بنانے کا طریقہ بتلا دیا جائے کہ اس قانون کو اس طرح نہیں اس طرح کر دیا جائے آگے حکومت عمل کرے گی یا نہیں اس کا مدار حکومت پر ہے اچھے ہوئے تو عمل ہو گا ورنہ قانون کاغذ ہی میں رہے گا ۔ " (۲۷ / ۱ / ۷۶ھ)

جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو

یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے علماء کی دو بڑی طاقت ور تنظیمیں سرگرم عمل تھیں۔ ایک کانگرس اور متحدہ قومیت کی حامی جمعیت علماء ہند تھی اور دوسری جداگانہ نظریۂ قومیت کی داعی جمعیت علماء اسلام، مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کا ساتھ دے رہی تھی۔ پہلی جماعت کے سربراہ مولانا حسین احمد مدنی مہاجر مدنی اور اُن کے رفقاء تھے اور دوسری جماعت کی تائید میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی اور سید سلیمان ندویؒ کے علاوہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے متوسلین اور دوسرے جملہ خلفاء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ وغیرہم تھے۔

تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان بن گیا اور دنیا کے نقشہ پر مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت وجود میں آگئی تو اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ تقسیم ملک سے پہلے نظریہ پاکستان کی حمایت و مخالفت کی بنیاد پر جو علماء کی لیگی اور کانگرسی دو قسموں میں تقسیم ہو رہی تھی اب اس کو ختم کر دیا جائے اور اس خداداد مملکت کو ایک خالص اسلامی ملک بنانے کی کوشش میں سب متحد ہو جائیں۔ اب جب کہ ایک اسلامی مملکت وجود میں آچکی ہے اور وہ اختلافی مسئلہ بھی طے ہو گیا ہے کہ ہندوستان منقسم ہو یا متحد رہے تو اب علماء میں اس گروہ بندی اور نظریاتی تقسیم کا کوئی جواز باقی نہیں رہا اور پاکستان کے قائم ہو جانے کے بعد پاکستان میں کانگرس کے نظریہ متحدہ قومیت کی حمایت اور پرچار کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں رہی۔

چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پاکستان کے ان علماء کرام کو جو پہلے

کانگرس کے حامی تھے اور جمعیت علمائے ہند سے تعلق رکھتے تھے، جمعیت علمائے اسلام سے مل کر کام کرنے اور پاکستان کو ایک خالص اسلامی مملکت بنانے کی جدوجہد میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ اگرچہ اس وقت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ نے یہ عذر کر کے جمعیت علماء اسلام کو پاکستان میں منظم کرنے سے پہلو تہی کی اور صرف تعاون کرنے پر اکتفا کیا کہ ہم سابق کانگرسیوں کا میدان میں آنا ٹھیک نہیں ہے۔ آپ حضرات اس نیک کام کو جاری رکھیں ہم لوگ آپ کی ماتحتی میں کام کریں گے۔ ہمیں حضرت مدنیؒ کا یہی حکم ہے کہ آپ لوگوں سے تعاون کیا جائے۔"

مگر دوسرے بہت سے وہ دینی افراد اور علماء کرام جو پہلے پاکستان کے مخالف تھے اس پر آمادہ ہو گئے اور یقیناً ان میں سے بہت سے افراد نے اپنے ذہن کو پاکستان کے وجود سے ہم آہنگ کر کے اخلاص کے ساتھ حضرت مولانا عثمانی سے تعاون شروع کر دیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صرف تین سال بقید حیات رہے اور ۱۹۴۹ء میں حضرت علامہ کا انتقال ہو گیا۔ جمعیت علماء اسلام کی جدید تشکیل بشمول ان علماء کے جو پہلے جمعیت علمائے ہند سے تعلق رکھتے تھے، اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھے، عمل میں آئی۔ پہلے کراچی میں جمعیت علماء اسلام قائم ہوئی حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی صدر منتخب ہوئے پھر کل پاکستان کی بنیاد پر اس تنظیم کو قائم کیا گیا اور حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کے مکان پر اجتماع ہوا۔ اس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا شیر محمد صاحب سندھی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا متین خطیب اور مولانا داؤد غزنویؒ شریک تھے۔

اس اجتماع میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب کو جمعیت علماء اسلام کا امیر بنایا گیا مولانا احمد علی لاہوری اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کو نائب امیر منتخب کیا گیا اور مولانا محمد متین خطیب ناظم مقرر ہوئے۔

اس اجتماع میں اگرچہ نظریۂ پاکستان کے حامی علماء کے ساتھ ایسے علماء کو بھی شریک کیا گیا تھا جو پہلے نظریۂ پاکستان کے حامی نہیں تھے مگر اُن کے بیانات سے اُن کے بارے میں یہی گمان پیدا ہو چلا تھا کہ انہوں نے پاکستان بن جانے کے بعد نظریۂ پاکستان کو قبول کر لیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی ۱۹۴۹ء تک علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علالت اور ضعف کے باوجود اسلامی دستور کے لیے فضا ہموار کرنے کی خاطر مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے دورے کئے اور ہر جگہ دینی عناصر اور علمائے کرام کو پاکستان میں اسلامی نظام کی سعی کے لیے تیار کیا۔ اور قرارداد مقاصد کو اسمبلی میں منظور کرانے کے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم رحمتہ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ تاریخ دستور اسلامی کا ایک سنہرا کارنامہ ہے۔

مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریروں کے ذریعے اور عمائد و زعماء مسلم لیگ سے ملاقات کر کے اس دستور اسلامی کے سلسلہ میں جو سعی بلیغ فرمائی اس کا مختصر سا خاکہ اُوپر گزر چکا ہے۔

⁂

مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء اور مولانا کا بہ حیثیت امیر عملی جدوجہد فرمانا

۲۲ر اگست ۱۹۶۹ء کو کراچی میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے مقتدر علماء کرام پر مشتمل مرکزی جمعیۃ علماء اسلام کے مجلس شوریٰ کا اجتماع ہوا جس میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء عمل میں آیا۔ اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو جمعیت کا امیر منتخب کیا گیا۔ انتہائی ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود محض سوشلزم اور دوسرے لادینی نظریات کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی۔ چنانچہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے اہم مقامات پر جمعیت کے خصوصی اجتماعات اور جلسوں میں جہاں تک ممکن ہوا آپ بنفس نفیس شرکت فرماتے رہے۔ چنانچہ ۷ر ستمبر اور ۸ر ستمبر ۱۹۶۹ء کو لاہور میں شہریان لاہور کی طرف سے مرکزی جمعیت کے امیر اعلےٰ اور ممتاز رہنماؤں کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کی تفصیل ہفت روزہ "زندگی" نے بایں الفاظ پیش کی ہے :-

"۷ر ستمبر کو پاک لگژری ہوٹل کے لان میں، رانا نذر الرحمٰن انجمن آرائی میں مصروف تھے لان کھچا کھچ بھرا تھا۔ صوفوں کی ایک لمبی قطار میں علماء کرام بیٹھے تھے مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مولانا اطہر علی، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا صدیق احمد، مولانا نور احمد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، شہر علم بسا تھا۔

مرکزی جمعیت علماء اسلام کے رہنما کرا‌‌‌چی اکٹھے ہوئے وہاں سے لاہور پہنچے تاکہ عوام کو فکری اور مذہبی رہنمائی مہیا کریں اور سوشلزم کے خلاف جہاد کی ترغیب دے سکیں۔ رانا نذر الرحمٰن نے خوب دھڑلے دار سپاسنامہ پڑھا۔ کانگرسی مولویوں کے لتے لیے اور سوشلسٹوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔ اس کے بعد مولانا

ظفر احمد عثمانی نے خطاب کیا۔

نحیف وضعیف مولانا عثمانی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے بھانجے اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے دست راست ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ پاکستان کا علم بلند کیا۔ اُس وقت ایسے ضعیف نہ تھے۔ اب عالم پیری میں پھر نظریۂ پاکستان کا دفاع کرنے نکلے ہیں۔ پہلے غیروں سے مقابلہ تھا اب آستین کے سانپوں کو مارنا ہے مرحلہ سخت ہے لیکن اُنہیں جان عزیز نہیں "

پھر ۱۶ مئی ۱۹۷۰ء کو لاہور کے جلسۂ عام میں جو موچی دروازہ کے میدان میں منعقد ہوا تھا جلسہ کی صدارت اور مرکزی جمعیت کے نئے پرچم کی رسم پرچم کشائی بھی مشرقی ومغربی پاکستان کے علماء کرام کی موجودگی میں حضرت مولانا مرحومؒ نے انجام دی تھی۔ اس کے علاوہ پشاور، کوہاٹ، بنوں اور حیدرآباد کے مقامات پر جلسہ ہائے عام میں آپ کی شرکت بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ آپ نے ان مقامات پر جلسہ ہائے عام سے خطاب فرمایا اور عامۃ المسلمین کو سوشلزم اور دُوسرے لادینی نظریات کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا۔

۱۸ جنوری ۱۹۷۰ء کو پلٹن میدان ڈھاکہ میں جماعت اسلامی کے جلسۂ عام میں ہنگامہ آرائی کے بعد مشرقی پاکستان میں عام طور پر یہ تاثر قائم ہو رہا تھا کہ اب ڈھاکہ میں اسلامی نظام کی حامی کوئی سیاسی جماعت جلسہ عام نہیں کر سکے گی لیکن اس کے صرف ایک ہفتہ بعد یعنی ۲۴ جنوری کو مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے زیر اہتمام ریس کورس میدان میں ایک عظیم الشان جلسۂ عام کا اہتمام کیا گیا جلسہ میں کم از کم ڈیڑھ لاکھ افراد شریک تھے جس میں آخر تک سکون قائم رہا۔ نہ کسی شخص نے کوئی اعتراض کیا نہ کوئی مخالف نعرہ لگایا گیا۔ یہ جلسہ بھی حضرت مولانا مرحومؒ کی

صدارت میں ہی منعقد ہوا تھا اور اس میں آپ نے خطاب بھی فرمایا تھا۔ اور مولانا احتشام الحق تھانوی نے بھی اس جلسہ میں تقریر کی تھی۔

در حقیقت مولانا احتشام الحق تھانوی اس وقت مرکزی جمعیت علماء اسلام کے امیر اعلیٰ مولانا ظفر احمد عثمانی کی قیادت میں وہی کردار ادا کر رہے تھے جو قیام پاکستان کی جدوجہد میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے مولانا شبیر احمد عثمانی کی قیادت و نیابت میں ادا کیا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی جمعیت علماء اسلام کے صدر اور قائد تھے مگر بوجہ ضعف مرض زیادہ کام کے متحمل نہیں تھے اس لیے عملی طور پر تمام کام مولانا ظفر احمد عثمانی انجام دیتے تھے اور اس وقت مولانا ظفر احمد عثمانی ضعیف العمر تھے تو مولانا احتشام الحق تھانوی نے مُلک کے ایک کونے سے دُوسرے کونے تک طوفانی دورہ کر کے اعلانِ حق کا فرض انجام دیا اور حقِ نیابت ادا کر دکھلایا۔ مولانا مرحوم نے بھی اپنی قوت سے بڑھ کر اظہارِ حق میں حصّہ لیا اور بے انتہا ضعف کے باوجود طویل طویل سفر کر کے مشرق ومغرب میں رائے عامہ کو اسلام کے حق میں ہموار کرنے کی جدوجہد میں بھرپور عملی حصّہ لیا۔ اس عملی جدوجہد کے علاوہ مختلف فتاویٰ اور موقع بموقع حسب ضرورت بیانات کے ذریعے بھی مسلمانوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ جو اِس وقت مختلف اخبارات اور رسائل میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

۱۱۳ علماء کا فتوے سوشلزم اور سرمایہ داری نظام کے خلاف اسلام ہونے کے بارہ میں جب اس عنوان سے فتوے دیا گیا تو اس پر بھی حضرت مولانا مرحوم کے دستخط ثبت تھے۔

اخبارات میں سوشلزم کے کُفر ہونے کا یہ فتوے شائع ہوتے ہی

رائے عامہ پر اس کا خاطر خواہ اثر ہونے لگا تو اس کے ردِ عمل کے طور پر فتوے دینے والے علمائے حق کے خلاف ملک کے سوشلسٹ اور نیشنلسٹ عناصر سب سے زیادہ ناراض اور خفا نظر آئے اور ایسا ہونا ہی چاہیئے تھا اس لیے کہ قرآن و سنت کی صحیح تشریح اور علمائے حق کے صحیح فتاوے ہر دَور میں حق و باطل کے لیے کسوٹی ثابت ہوتے رہے ہیں جس سے باطل اور غلط عناصر ہمیشہ ہی گھبراتے اور شور مچاتے رہے ہیں۔ ایسے عناصر کی طرف سے علماء حق کے خلاف زہر افشانی اور الزام تراشی غیر متوقع نہیں تھی۔ مگر اس فتوے پر بعض دینی افراد اور جماعتوں کا واویلا اور چیخ و پکار کرنا بڑا ہی تعجب خیز اور معنی خیز تھا۔ یہاں تک کہ بعض دینی جماعتوں کے سربرآوردہ افراد نے اس گھبراہٹ میں راولپنڈی سے ایک مُشترکہ بیان کے ذریعے ان فتوے دینے والے ۱۱۳ علماء کے خلاف قانونی کارروائی کرنے اور مارشل لاء کے تحت سزا کا مطالبہ بھی کر ڈالا تھا۔

معاشی اصلاحات کا ۲۲ نکاتی مختصر خاکہ

سرمایہ دارانہ نظام کی ستائی ہُوئی دُنیا کو اس زمانے میں سوشلسٹ عناصر نے یہ فریب دینے کی کوشش کی ہے کہ اُن کی معاشی مُشکلات کا حل اسلام میں نہیں بلکہ سوشلزم میں ہے۔ علمائے کرام کی طرف سے سوشلزم کے کُفر ہونے کا فتوے مُلک میں شائع ہُوا تو اسلامی نظام اور تعلیمات سے ناواقف نوجوانوں کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہُوا کہ اسلامی نظام میں غریبوں کی موجُودہ مشکلات کا حل کیا ہے؟ اس لیے علماء حق نے اسلامی معاشی اصلاحات کے متعلق مُتفقہ مختصر خاکہ پیش کیا۔ یہ پُورا خاکہ مرکزی جمعیت علمائے اسلام کے ہفت روزہ "صوت الاسلام" مجریہ ۱۲ر جون ۱۹۷۰ء میں شائع ہُوا تھا۔ ان اصلاحات پر

۱۱۸ علماء کے دستخطوں کا عکس بھی مذکورہ شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ ان علماء میں ہی بحیثیت صدر کُل پاکستان جمعیت علماء اسلام کے مولانا مرحوم کا نام گرامی بھی سرفہرست شامل ہے۔

علماء کرام کے اس خاکہ میں ارتکازِ دولت کے تمام ذرائع مثلاً سُود، سٹہ انشورنس اور قمار کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ اگر حکومت اس کو مُلک میں نافذ کر دے تو تمام معاشی اُلجھنیں جن سے ملّت آج دوچار ہے سُلجھ جائیں۔ ماؤ اور مارکس کے نظریات کے ساتھ سرمایہ دارانہ نظام بھی آپ اپنی موت مر جائے اور اقتصادی حالت بہتر ہو کر عام آدمی کی حالت بھی بہتر ہو جائے۔

اسلامی نظام کے بُنیادی اصُول

مولانا مرحوم نے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کی جمعیت کا منشور کیا ہوگا؟ حسب ذیل تحریر منشور کے دیباچہ کے طور پر سپرد قلم فرمادی تھی جس کو افادہ عام کے لیے اس جگہ بعینہٖ "صوت الاسلام" ۱۲ر جون ۱۹۷۰ء سے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ صوت الاسلام کی عبارت حسب ذیل ہے:-

" اسلامی نظام کے بنیادی اصول

ہمارا منشور وہی ہو گا جو قرآن مجید میں چودہ سو سال پہلے بتادیا گیا تھا۔

مولانا ظفر احمد عثمانی امیر اعلیٰ مرکزی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

مجھ سے بارہا بعض حضرات دریافت کرتے ہیں کہ آپ کی مرکزی جمعیت علماء اسلام کا منشور کیا ہو گا؟ میں نے جواب دیا کہ جمعیت کا منشور وہی ہو گا۔ جو قرآن حکیم میں چودہ سو سال پہلے بتادیا گیا ہے۔ چنانچہ اس منشور کا دیباچہ قرآنی آیات ہی سے شروع کیا جاتا ہے۔ حق تعالےٰ فرماتے ہیں:

ان الله يدافع عن الذين امنوا ان الله لا يحب كل خوان
كفور اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على
نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا
ان يقولوا ربنا الله ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض
لهدمت صوامع وبيع وصلوة ومساجد يذكر فيها
اسم الله كثيرا ولينصرن الله من ينصره ان الله لقوى
عزيز الذين ان مكنهم فى الارض اقاموا الصلوة و
اتوا الزكوة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر
ولله عاقبة الامور ـ

ترجمہ :۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ان مشرکین کے غلبہ اور ایذا کو) ایمان والوں سے (عنقریب) ہٹا دے گا۔ بے شک اللہ کسی دغا باز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا (بلکہ اُن سے ناراض ہے) اس لیے انجام کار ان کو مغلوب اور مومنین مخلصین کو غالب کر دے گا۔ اب ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت دے دی گئی جن سے (کافروں کی طرف سے) لڑائی کی جاتی ہے کیونکہ (ان پر بہت) ظلم کیا گیا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے غالب کر دینے پر بڑی قدرت رکھتا ہے جو اپنے گھروں سے (بے وجہ) نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ (اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے) لوگوں کا ایک دُوسرے (کے ہاتھ سے) زور نہ گھٹاتا رہتا ہے۔ (کہ اہلِ حق کو اہلِ باطل پر وقتاً فوقتاً غالب کرتا رہتا) تو (اپنے اپنے زمانوں میں) نصاریٰ کے خلوت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے

اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں (اور دوسروں کو بھی نماز کی تاکید کریں گے) اور زکواۃ دیں گے اور دوسروں کو نیک کاموں کا امر اور بُرے کاموں سے منع کریں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔" (پس اہلِ باطل کے موجودہ غلبہ سے یہ کیونکر کہاں سکتا ہے کہ انجام بھی اُن کا یہی رہے گا، بلکہ ممکن ہے کہ اس کا برعکس ہو جائے۔ چنانچہ جب تک مسلمان نماز کے پابند رہے زکواۃ دیتے رہے، نیکی پھیلاتے رہے بدی کو مٹاتے رہے اللہ تعالیٰ ان کو کفار پر غالب کرتا رہا)۔

ف :۔ ان آیات کی پُوری تفسیر بیان القرآن صـ ۴۲، ۵۰، ۷ج، میں ملاحظہ ہو جس سے وہ تمام شبہات رفع ہو جائیں گے جو بظاہر یہاں بعض لوگوں کو پیش آتے ہیں۔

ا ـــــ پس اگر اللہ نے چاہا ہماری جماعت برسرِ اقتدار آگئی تو سب سے پہلے ہم سب مُسلمانوں کو نمازی بنائیں گے۔ عمداً نماز چھوڑنے کو قانونی مجرم قرار دے کر سزا دیں گے کیونکہ نماز ایمان کے بعد سب سے بڑا فرض ہے اور اگر نماز باقاعدہ پڑھی جائے تو فحشا و منکر سے روکتی ہے اور جماعت سے پڑھی جائے تو قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہے معاشرہ کو دُرست کرتی ہے ان الصلوۃ تنھی عن الفحشا والمنکر نماز سے اللہ کی یاد دل میں جمی رہتی ہے ولذکر اللہ اکبر اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے خدا سے غفلت ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

۲ ـــــ پھر ہم مالداروں، سرمایہ داروں، زمینداروں سے زکواۃ اور عشر و نصف عشر لے کر فقراء و مساکین پر تقسیم کریں گے۔ ہم مالداروں، سرمایہ داروں اور زمینداروں کی

ذاتی ملکیت کو باطل نہ کریں گے مگر ان کو زکواۃ، عشر ادا کرنے پر مجبور کریں گے ہم بنکوں انشورنس کمپنیوں کو قومی ملکیت نہ بنائیں گے بلکہ ان کو عقد مضاربت وغیرہ کے اسلامی طریقے اختیار کرنے پر مجبور کریں گے اور جو سُودی رقم بنکوں اور انشورنس کمپنیوں میں جمع ہے اس کو اصل مالکوں کو واپس کر دیں گے اور جس کا مالک معلوم نہ ہو اس سُودی رقم کو فقراء و مساکین پر صرف کریں گے۔

۳—— ہم نیکی پھیلائیں گے اور سب سے بڑی نیکی عدل و انصاف اور احسان اور قرابت داروں کو ان کا حق دینا۔ میراث کو باقاعدہ تقسیم کرنا، یتیموں، بیواؤں اور اپاہجوں و معذوروں کی نگہداشت کرنا ہے۔ ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔

"یقیناً اللہ تعالےٰ عدل و انصاف اور احسان کا حکم دیتے ہیں اور قرابت والوں کو ان کا حق دینے کا بھی اور بے حیائی اور ہر بُرائی سے منع کرتے ہیں اور ظلم سے بھی"۔

۴—— ہم ہر بُرائی سے رعایا کو روکیں گے اور سب سے بڑی بُرائی زناکاری، عریانی بے حیائی اور شراب خوری، سود خوری، رشوت خوری، چوری، ڈکیتی اور غریبوں کمزوروں پر ظلم کرنا ہے، ہم اللہ کے بھروسہ پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر اسی طرح کا نظام اسلام قائم ہو گیا تو ملک میں کوئی ننگا، بھوکا گھر نہیں رہے گا، ہم ہر بچہ کا وظیفہ بیت المال سے مقرر کریں گے جب تک کہ وہ بھی کسب معاش کے قابل نہ ہو جائے کیونکہ اس وقت تک وہ بھی معذوروں میں داخل ہے۔ ہم طلبہ کے لیے بھی جب تک وہ تعلیم حاصل کریں گے بیت المال سے وظیفہ مقرر کریں گے۔

" للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضرباً فی الارض

ہم مُسلمانوں کو بھائی بھائی بنائیں گے۔ جغرافیائی اور قبائلی عصبیت سے روکیں گے ہم دین دار، دیانت دار لوگوں کو حکومت کے مناصب پر قائم کریں گے بشرطیکہ وہ اس کام کے قابل بھی ہوں جو کام ان کو دیا جائے۔ کسی کو محض ڈگری حاصل کر لینے یا سفارش بہم پہچانے پر کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا۔ بلکہ کام کی قابلیت کو ہی دیکھا جائیگا۔ ہم آہستہ آہستہ اردو بنگلہ میں تمام علوم کی تعلیم کا انتظام کریں گے۔ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا طریقہ تدریجاً بند کر دیں گے۔ انگریزی زبان کی تعلیم کے ہم خلاف نہیں ہیں۔ ہم دینی مدارس کے طلبہ پر بھی عربی اور انگریزی زبان بولنے اور لکھنے پڑھنے کے لیے زور دیں گے کیونکہ تبلیغ کے لیے اس کی ضرورت ہے۔

ہم ممالک اسلامیہ اور ممالک غیر اسلامیہ میں تبلیغ کا پُورا اہتمام کریں گے تاکہ کفار بھی اسلامی محاسن سے واقف ہو جائیں اور مسلمان بھی پکے مسلمان بن جائیں۔

ہم مسلمانوں کو اسرائیل اور اُس کے معاونین کے خلاف جہاد کے لیے تیار کریں گے تاکہ مسجد اقصےٰ اور فلسطین پر مُسلمانوں کا دوبارہ قبضہ ہو جائے۔ اس کے لیے مدارس، سکولوں اور کالجوں وغیرہ میں عسکری تعلیم کا انتظام کریں گے تاکہ طلباء بھی جہاد کر سکیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت نظام اسلام جاری کرنا ممکن نہیں وہ ہمارے منشور کا دیباچہ پڑھ کر بتلائیں کہ اس میں کیا چیز ناممکن العمل ہے؟

رہا یہ کہ علماء دنیوی علوم سے ناواقف ہیں تو بحمد اللہ! بعض علماء بی اے ایم اے بھی ہیں اور بعض صالحین بھی ایسے ہیں جو دنیوی علوم کے ماہر ہیں، ہم ان سے بھی کام لیں گے۔ اور یہ کہنا کہ علماء سیاست سے بالکل بے بہرہ ہیں سراسر غلط ہے وہ اسلامی سیاست سے بخوبی واقف ہیں۔ جو شخص قرآن کریم اور

حدیث نبوی کے علوم و معارف سے پوری طرح واقف ہے اور جس نے حجۃ اللہ البالغہ " کا سمجھ کر مطالعہ کیا ہے وہ سیاست اسلامی سے ناواقف نہیں ہو سکتا اور شیطانی سیاست سے ناواقف ہونا کوئی عیب نہیں بلکہ عین کمال ہے ۔

لیکن اس کے باوجود علماء مسلمانوں کو اس سے بچانے کے لیے بقدر ضرورت اس کی واقفیت بھی حاصل کر لیتے ہیں ۔ جس طرح فلسفۂ یونان سے واقف ہوئے اور اس کا رد کر کے مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچایا اسی طرح آج کل کی سیاست سے واقف ہو کر مسلمانوں کو فتنہ سے بچاتے ہیں ۔

(بحوالہ صوت الاسلام)

مولانا مرحوم کا انٹرویو

تنگ نظر مخالفین کا ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے نظریہ کی تائید میں کسی دلیل کے پیش کرنے کے بجائے اپنے مخالف کو ذاتی طور پر ہدف طعن و تشنیع بنانا شروع کر دیتے ہیں ۔ چنانچہ ایک پمفلٹ لائل پور سے شائع ہوا جس میں یہی انداز اختیار کیا گیا تھا اور بہت ہی گھٹیا قسم کے ذاتی رکیک حملے کئے گئے تھے ۔ اس کی زبان ایسی سوقیانہ تھی جس کی توقع کسی بھی شریف انسان سے نہیں کی جا سکتی اور یہ پمفلٹ تو علماء کرام کی طرف سے شائع ہوا تھا ۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

مذکورہ رسوائے زمانہ پمفلٹ کے جواب میں حضرت مولانا مرحوم کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جو آپ کی عالی حوصلگی اور وسعت ظرفی کا عمدہ نمونہ ہے ۔

حضرت مولانا مرحوم نے مخالفین کی بدترین الزام تراشی کے جواب میں اصل واقعات کو بیان کرنے پر ہی اکتفا فرمایا اور " ادفع بالتی ھی احسن السیئہ " کے مطابق

مدافعت ہی فرماتے رہے ۔ کوئی جارحانہ کلمہ زبان پر نہیں آیا ۔ مولانا نے اس انٹرویو میں اپنے مجاہدانہ عزم کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے :

" انشاء اللہ ان باتوں سے ہمارے قدم نہ پیچھے ہٹیں گے نہ سست ہوں گے ۔ ہمیں ان الزامات کے جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں ، مگر ایک دفعہ عامۃ المسلمین کے سامنے اصل واقعات بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں "

(بحوالہ انٹرویو صـ)

مولانا مرحوم نے اس انٹرویو کے آخر میں دوسری جماعتوں کے ساتھ اپنے اختلاف کی حدود بھی متعین فرما دی ہیں ۔ فرماتے ہیں :-

" ہم علمائے حق سے ہرگز برسرپیکار نہیں بلکہ سوشلزم ، کمیونزم ، کیپٹل ازم ، نیشنلزم وغیرہ سے برسرپیکار ہیں اور جب تک زندہ ہیں پاکستان میں انشاء اللہ نظامِ اسلام کے سوا کوئی ازم نہ چلنے دیں گے پاکستان میں نظام اسلام ہی جاری ہو گا ۔ اگر دوسری جماعتیں بھی یہی چاہتی ہیں تو وہ سوشلزم کی حمایت اور پرچار چھوڑ کر ہمارا ساتھ دیں ۔ چشم روشن دل ماشاد ۔ اور اگر وہ یہ نہیں چاہتیں جیسا کہ ان کا منشور بتلا رہا ہے اور اُن کے حامیوں کے یہ بے ہودہ سوالات پتہ دے رہے ہیں تو بتلائیے اس میں ہمارا کیا قصور ہے ؟

ع خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپکا حسن کرشمہ ساز کرے

والسلام ظفر احمد عثمانی ، ۲۷ رجب ۱۳۸۹ھ ۔

چونکہ علماء کے ذمّہ اصل کام دینی رہنمائی اور ہدایت کا ہے اس لیے ملکی حالات اور سیاسیات میں بھی مسلمانوں کی رہبری اور رہنمائی کرنا اور اُن کے لیے صحیح راہ عمل تجویز کرنا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مرحوم نے بھی ایک عالم دین اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے بڑی حسن وخوبی کے ساتھ یہ فرض ادا فرمایا اور تحریر و تقریر کے ذریعے پاکستان میں لادینی ازموں کے خلاف مسلمانوں کو منظم اور آگاہ کرنے کی پُوری طرح کوشش فرمائی۔ مگر مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور طریق انتخاب کے غلط ہونے کی وجہ سے ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج توقع کے خلاف برآمد ہوئے اور نظریہ پاکستان کی حامی جماعتوں کو سخت مایوس کُن حالات کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں بالآخر سقوط ڈھاکہ کا المیہ پیش آیا اور پاکستان کا مشرقی حصّہ کٹ کر پاکستان سے علیحدہ ہوگیا۔

حضرت مولانا مرحوم کے نزدیک اس انتخاب میں ناکامی کی وجہ دُوسرے اسباب کے علاوہ اصولی طور پر انتخاب کا مخلوط ہونا تھا۔ چنانچہ ایک عریضہ کے جواب میں مولانا نے ارقام فرمایا:-

" مرکزی جمعیت کی شاخوں کو اس وقت تبلیغ احکام کا کام کرنا چاہیئے۔ اور یہ کہ آئندہ انتخابات میں انتخابات جُداگانہ پر زور دیں۔ انتخاب مخلوط کی مخالفت کریں اور اس انتخاب کو باطل قرار دیں کیونکہ مخلوط تھا۔ اسی لیے عوامی لیگ کامیاب ہوئی کہ ہندوؤں نے اس کو ووٹ دیئے اور پیپلز پارٹی کو قادیانیوں نے کامیاب کیا اگر انتخابات جداگانہ ہو تو قادیانی، قادیانی کو ووٹ دے گا مسلمانوں کو نہ دے سکے گا "

(۲۸ ربیع الاوّل ۱۳۹۱ھ)

غرضیکہ مخلوط انتخاب کے ذریعہ پاکستان کو جو عظیم نقصان پہنچا اور نظریہ پاکستان جس طرح مجروح ہوُا اس سے پہلے اس کی مثال پاکستان کی پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب تحریک پاکستان کی بُنیاد دو قومی نظریہ اور جُداگانہ انتخابات پر ہی رکھی گئی تھی تو اب اس بُنیاد کو ہلا کر اور اس کی جگہ مخلوط طریقہ انتخاب رائج کر کے پاکستان کی عمارت کو کیسے قائم رکھا جاسکتا تھا۔

مسلمانانِ پاکستان کے اس نظریہ میں تبدیلی کے اندر چونکہ اسلامی احکام اور اسلامیات سے ناواقفیت کے علاوہ شریعت اسلامی پر عمل کرنے میں سُستی اور بے پروائی کا بھی بڑا دخل ہے اس لیے حضرت مولانا مرحوم نے اپنے اس والانامہ میں نیز دوسرے والاناموں میں بھی تبلیغ احکام پر ہمیشہ زور دیا ہے۔ ایک والانامہ میں ارشاد ہے:-

" اب آپ مرکزی جمعیت کے نام سے تبلیغ کا کام کریں۔ مسلمانوں کے معاشرہ کو درست کیا جائے۔ لوگوں کو نماز روزہ اور شعائر اسلام کا پابند کیا جائے "

(۲۰ ۱ ۱۳۹۲ھ)

بعد میں جب ہزاروی گروپ بھی مفتی محمود اور ہزاروی گروپوں میں تقسیم ہوگیا تو یہ سوال پیدا ہوُا کہ ان دونوں میں سے کس کا ساتھ دیا جائے تو چونکہ مخلوط انتخابات وغیرہ سیاسی نظریات میں یہ دونوں گروپ متحد ہیں اور ایسے عناصر کی تائید و حمایت کرتے رہے ہیں جو پاکستان کے بنیادی طور پر مخالف اور قیام پاکستان کے خلاف ہیں اس لیے حضرت مولانا مرحوم نے ان دونوں میں سے کسی گروپ کو بھی اس قابل قرار نہیں دیا کہ اس کا ساتھ دیا جائے اور جب تک صحیح اصولوں پر اپنی سیاسی جماعت ہو۔ صرف تبلیغ احکام کے کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت مولانا ارقام فرماتے ہیں:-

”ہزاروی گروپ اور محمودی گروپ دونوں میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے اس لیے جب تک اپنی سیاسی جماعت قائم نہ ہو صرف تبلیغ سے کام لیا جائے حکومت کی مخالفت ہی نہ کی جائے مسلمانوں کو شریعت پر چلنے کی ترغیب دی جائے یہی ہماری سیاست ہے باقی حالاتِ موجودہ سے آپ بخوبی واقف ہیں۔“

والسلام

ظفر احمد عثمانی جمعہ ۲۶ر شوال ۱۳۹۳ھ۔

واقعی مسلمان کی سیاست یہی ہے کہ شریعت پر خود عمل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو شریعت پر چلنے کی ترغیب دی جائے۔ یہاں تک کہ جس وقت مرکزی جمعیت علمائے اسلام سیاسی کام کر رہی تھی اس وقت بھی حضرت مولانا مرحوم نے اس بات کی ہدایات جاری فرمائیں۔ چنانچہ مولوی سلمان احمد صاحب خطیب جامع مسجد ٹوبہ ٹیک سنگھ کو مرکزی جمعیت کے لیے کام کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے ارقام فرمایا تھا: ”کام یہ ہے کہ اسلام اور نظامِ اسلام پر قوم کو متحد کیا جائے دُوسرے کافرانہ نظاموں سے برأت کا اظہار کریں۔ معاشرہ کی اصلاح کریں۔ لوگوں کو نماز جماعت اور شعائر اسلام کے احترام کی ترغیب دیں۔“ (۲۰ ج ۲ ۱۳۸۹ھ)

نماز جماعت اور شعائر اسلام کی پابندی کا خیال مسلمانوں کے اندر اگر پیدا ہو جائے اور معاشرہ کی اصلاح ہو جائے تو پھر لازماً ان کے سیاسی رجحانات اور ملکی نظریات بھی اسلام کے موافق ہو جائیں اور خود بخود دوسرے تمام ازموں اور کافرانہ نظاموں سے بیزاری اور علیحدگی کا جذبہ اُن کے اندر پیدا ہو جائے۔ نظام اسلام کے قیام کے لیے مسلمانوں میں شعائر اسلام کے احترام اور احکام اسلام کی پابندی کا جذبہ پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ حضرت مولانا مرحوم کے

ارشاد کے موافق تبلیغ احکام اور شریعت پر چلنے کی لوگوں کو ترغیب دینے کا اہتمام کیا جائے اور اس پر پوری محنت کی جائے تو یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے اور اہل علم کا اصل کام اور ان کی صحیح سیاست یہی ہے۔ اللہ تعالے ہم کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے ۱۹۶۹ء کی سیاسیات ملکی میں علمی رہنمائی کے ساتھ عملی طور پر حصہ لے کر علماء کے لیے سیاسیات میں عملی حصہ لینے کا طریق کار مقرر فرما کر اس کی حدود متعین فرما دی ہیں اور واضح فرما دیا ہے کہ علماء کا اصل کام تبلیغ احکام اور علمی مشاغل میں انہماک و اشتغال اور اصلاحِ معاشرہ ہے۔ عملی سیاسیات میں حصہ لینے کی ضرورت اگر پیش آجائے تو بقدرِ ضرورت اس میں حصہ لینے اور اس ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد علماء کو پھر اپنے اصل کام کی طرف رجوع کر لینا چاہیے۔ اور درس و تدریس اور تبلیغ احکام میں مشغول ہو جانا چاہیے۔ اپنے ضروری مشاغل کو ترک کر کے عام سیاسی لیڈروں کی طرح جوڑ توڑ اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ہی ہر وقت نہیں لگا رہنا چاہیے۔ اس لیے حضرت مولانا مرحوم ۱۹۷۰ء کے بعد عملی سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے تھے اور پھر اپنے انہی سابقہ علمی مشاغل ارشاد ہدایت خلق کے کام میں مشغول ہو گئے تھے جو علماء کا اصل فرضِ منصبی ہے اور مدت العمر اسی فرضِ منصبی میں مشغول و منہمک رہے۔ رحمہ اللہ علیہ۔



باب نہم

سفرِ آخرت[1] اور مرضِ وفات کے حالات

ع جب نام تیرا لیجیے تب آنکھ بھر آوے
اس طرح کے جینے کو کہاں سے جگر آوے

ط حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شُد
روئے گُل سیر ندیدم و بہار آخر شُد

حضرت مولانا کو عرصہ سے ضعف قلب کی شکایت تھی، اس کے ساتھ ہی گردوں میں ورم بھی اکثر ہو جاتا تھا۔ کبھی کبھی پیشاب میں پیپ بھی آنے لگتی تھی۔ گردوں کے عارضہ کی وجہ سے بلڈ پریشر کی شکایت بھی ہو جاتی تھی۔ ڈاکٹر کیپٹن سید محمود علی علوی قلب کا علاج کیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۰ء کی بات ہے گردہ کی شکایت کے سلسلہ میں بغرض علاج کراچی تشریف لائے اور ڈاکٹر علوی صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے تفصیلی معائنہ

[1] سفرِ آخرت کے یہ حالات مولانا ظہور احمد صاحب تھانوی اور مولوی محمد مرتضےٰ سلمٰہ صاحبزادگان حضرت مولانا مرحوم کے لکھے ہوئے حالات کا اختصار و انتخاب ہے۔ یہ حالات احقر کو مکرمی جناب حاجی ظفر علی صاحب راولپنڈی متوسل حضرت مولانا مرحوم کی عنایت سے دستیاب ہوئے ہیں اور ذیلی عنوانات کا اس پر احقر نے اضافہ کیا ہے۔ (راقم الحروف)

کرنے کے بعد ضعف قلب کی طرف سے تشویش ظاہر کی اور بتایا کہ آپ کی نبض غیر منتظم ہے ایک منٹ میں چار بار رُکتی ہے اس کا علاج بہت ضروری ہے اور اس کے لیے آپ کو کم از کم دو ماہ تک کراچی میں قیام کرنا ہوگا تاکہ اس کا علاج مکمل ہو سکے۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ ہاں مجھے یہ بات معلوم ہے۔ اب سے دس سال پیشتر حکیم محمد اسعد صاحب اجمیری نے مجھے یہ بات بتلائی تھی لیکن میں اب تک زندہ ہوں اور حکیم اسعد صاحب اجمیری اللہ کو پیارے ہو گئے۔

میری صورت حال یہ ہے کہ ضرورت مند لوگ دُور دُور سے آتے ہیں اور میرے ٹنڈو اللہ یار میں نہ ہونے سے انہیں بڑی مایوسی اور تکلیف ہوتی ہے اس لیے میں دو ماہ تو قیام نہیں کر سکتا، میں صرف دو ہفتہ قیام کر سکتا ہوں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ آپ کی دوائیں جاری رہیں اور میں اپنا آدمی بھیج کر دوائیں آپ سے منگاتا رہوں اور حالات سے آپ کو مطلع کرتا رہوں۔ ڈاکٹر صاحب کا اصرار تھا کہ دل کا معاملہ ہے میں آپ کو اپنی نگرانی میں دوائی دینا چاہتا ہوں۔ اتنی دُور سے علاج کرنا ممکن نہیں، لیکن حضرت مولانا کراچی کے اتنے طویل قیام پر راضی نہیں ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گردوں کا علاج ہوتا رہا اور دل کا باقاعدہ اور مکمل علاج کبھی نہ ہو سکا۔ ہر پانچ چھ مہینے کے بعد تنفس وغیرہ کی شکایت ہوتی تھی یا بلڈ پریشر بڑھ جاتا تھا تو وہ علاج کے لیے کراچی تشریف لے آتے تھے اعزہ کے بار بار اصرار اور ضرورت مند لوگوں کی مشکلات کا عذر فرمایا اور کراچی کے لیے مسلسل دو ماہ کا قیام منظور نہیں فرمایا اور ہر مرتبہ یہ فرما کر ٹنڈو الٰہیار واپس چلے جاتے کہ میں دوا وہاں سے منگواتا رہوں گا۔ لیکن یہ سلسلہ کچھ دن جاری رہتا تھا اور پھر بند ہو جاتا تھا۔

حضرتؒ کو بلڈ پریشر اور پیچش کا مرض ایک طویل عرصہ سے تھا جو بار بار اُن کی

خرابیٔ صحت کا باعث بنتا رہا۔ علاج کے لیے بدرجہ مجبوری متعدد بار کراچی تشریف لے جاتے رہے مگر وہاں پہنچتے ہی واپسی کی فکر ہو جاتی تھی کہ وہاں اسباق کا ناغہ ہو رہا ہے اور وارد و صادر لوگوں کو مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اس طرح ہر دفعہ علاج ادھورا ہی رہ جاتا ہے۔

رمضان شریف سے پہلے آپ کراچی کے ایک مشہور اور نہایت قابل ہومیوپیتھک ڈاکٹر شیخ احمد صاحب کا علاج کرا رہے تھے۔ آپ کا قیام ٹنڈو الٰہ یار میں ہی تھا اور آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا عمر احمد صاحب ڈاکٹر صاحب کو حالات کی اطلاع دیکر دوائیں بھیجتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ جسم انسانی میں کچھ ایسے غدود ہیں جن کا ضعف بڑھاپے کا باعث بنتا ہے اور وہ انہی غدودوں کی تقویت کے لیے دوائیں دیتے رہتے تھے اور ان دواؤں سے حضرت کو کافی فائدہ ہو رہا تھا اور وہ بڑی دلچسپی سے دوائیں استعمال فرما رہے تھے۔

روزہ کی پابندی

مولانا عمر احمد کے خط میں ڈاکٹر صاحب کا مشورہ یہ تھا کہ آپ اس رمضان شریف میں روزے نہ رکھیں اس کے بجائے فدیہ دے دیں کیونکہ اس وقت عمر کے طبعی ضعف کے علاوہ مرض کا ضعف بھی بہت ہے۔ تھوڑا بہت دوا سے جو فائدہ محسوس ہونے لگا ہے روزہ رکھنے سے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ مگر حضرت مولانا نے اس کو ایسی بات سمجھا جیسے کسی نے یہ ایک طفلانہ بات کہہ دی ہو۔ مولانا دیر تک اس پر مسکراتے رہے۔ حضرت کے چھوٹے صاحبزادہ مولوی محمد تقی صاحب نے عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں کہ آپ اس مرتبہ فدیہ دیدیجئے۔ حضرت اس پر پھر مسکرائے اور فرمایا "ہوں! منتی مُفت کے بنے ہو"
پھر غالباً حضرت عباسؓ کا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ نوّے برس کے تھے، بہت کمزور اور کمزور ہو گئے تھے۔ آپ پر روزہ کی اس قدر شدت ہوتی تھی کہ آپ پانی کے ٹب میں بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے روزے رکھے۔ اور فدیہ نہیں دیا جبکہ میں تو بہت صحت مند ہوں۔ حضرت مولانا اس کے بعد بہت اشتیاق کیساتھ رمضان المبارک کی آمد کے منتظر رہے۔ شعبان ۲۹ر تاریخ کو ٹنڈو الٰہ یار میں چاند نظر نہیں آیا۔ اور ریڈیو سے بھی چاند کی اطلاع تاخیر سے آئی۔ نو بجے کی یہ اطلاع سُن کر صاحبزادہ نے مولانا کو بتلایا کہ چاند ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر حضرت مولانا کے چہرے پر ایک عجیب اطمینانی کیفیت طاری ہو گئی اور روزے رکھنے شروع فرما دیئے۔ رمضان کے پہلے ہفتہ میں سخت گرمی پڑی، سارے لوگ گرمی کا شکوہ کر رہے تھے۔ مگر اس پیرانہ سالی اور ضعف عمر میں حضرت مولانا کی پختگی عزم اور ہمت مردانہ پر آفرین ہے کہ حضرت موصوف کی زبان پر تو کیا حرفِ شکایت آتا چہرۂ مبارک پر بھی کسی قسم کی گرانی کے آثار محسوس نہیں ہوتے تھے اور جب کوئی گرمی کا شکوہ کرتا تو مسکرا دیتے اور فرماتے کہ اپنے بندوں کے لیے یہ بھی اللہ کا امتحان ہے۔

حضرت مولانا نے بڑے اہتمام اور اشتیاق کے ساتھ رمضان المبارک کا آغاز فرمایا اور افطار مسجد میں کرتے اور پھر گھر تشریف لے جاکر تراویح کے لیے دوبارہ مسجد میں تشریف لاتے تھے۔

تراویح اور روزہ کے ساتھ معمولات

مگر اب تراویح خود نہیں پڑھاتے تھے بلکہ دُوسرے کا سُنتے تھے اور نمازِ تراویح بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے مگر جہاں تک ہو سکتا تھا مسجد میں ہی پڑھنے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ روزہ کے ساتھ بھی دن کے اپنے معمولات میں مصروف رہتے تھے۔

پیچش کی شدت میں بھی روزہ پورا فرمایا

اس طرح رمضان شریف کے تین دن بخریت اور اچھے گزرے لیکن چوتھے روزہ سے پیچش ہوگئی۔ صاحبزادہ نے پیچش کی گولیاں لاکر دیں جن کو اکثر استعمال فرمایا کرتے تھے اور اُن سے فائدہ ہوا کرتا تھا لیکن اس دفعہ اُن سے فائدہ نہیں ہوا۔ شام ہوتے ہوتے پیچش بڑھ گئی اور حضرت مولانا مرحوم اب بھی روزہ سے تھے حالانکہ تمام دن کی پیچش سے آپ نڈھال ہوگئے تھے۔

حضرت کی چھوٹی اہلیہ نے بہت اصرار کیا کہ آپ افطار فرمالیں۔ لیکن حضرت مولانا افطار پر کسی طرح راضی نہ ہوئے اور روزہ پورا فرمایا۔ شام کو ڈاکٹر کو بلایا انہوں نے کیپسول لکھ کر دیئے لیکن پیچش کا اثر اگلے دن بھی رہا۔ پانچ چھ روز آپ کی طبیعت ناساز رہی اور بیحد کمزوری ہوگئی مگر اس کے باوجود روزے رکھتے رہے۔

تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام

البتہ تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہیں لے گئے اور آپ کے چھ سپارے ناغہ ہوگئے جس کا حضرت کو بے حد قلق تھا۔ ۲۵ رمضان المبارک کو جب مسجد میں قرآن مجید ختم ہوا تو آپ نے حافظ صاحب سے کہا کہ میرے جو سپارے چھوٹ گئے تھے وہ دوبارہ سُنا دو اور تمام نمازیوں سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو اختیار ہے چاہے تو میرے ساتھ تراویح پڑھیں یا الگ اپنی نماز پڑھ لیں مگر نمازیوں نے آپکا ساتھ نہیں چھوڑا۔ بوجہ بیماری کے جو سپارے رہ گئے تھے اس طرح آپ نے اُن کو تراویح اور مسجد میں ہی سُننے کا اہتمام فرمایا اور روزے تو آپ نے چھوڑے ہی نہیں تھے۔

عیدی کی تقسیم اور عید پڑھانا

رمضان المبارک گزر گیا۔ عید کی خوشی میں حسب معمول سب کو عیدی تقسیم فرمائی

اور گھر میں شیر پکوایا احباب کو کھلایا اور عید کی نماز حضرت والا نے خود ہی پڑھائی البتہ خطبہ مولانا محمد مالک صاحب نے پڑھا۔

صحت کا عود کر آنا اور معمول کے موافق کام کرنا

عید کے بعد آپ حیرت انگیز طور پر صحت یاب ہوگئے حالانکہ رمضان میں تکلیف بھی رہی تھی اور روزہ بھی رکھتے تھے لیکن ماشاء اللہ آپ بالکل اچھے ہوگئے تھے اور تمام معمولات شروع کردیئے تھے۔ صبح کے وقت دفتر مدرسہ میں تشریف لاتے ڈیڑھ دو گھنٹہ وہاں بیٹھتے خطوط کا جواب دیتے، تعویذات بھی لکھتے اور پھر شام کو عصر اور مغرب کی نماز میں بھی تشریف لاتے۔ آپ کی قوت اس قدر بحال ہوگئی تھی کہ آپ چلنے میں بغیر لاٹھی کے چلنے کی کوشش فرماتے تھے۔ مدرسہ کی مسجد کا صحن کافی بڑا ہے اس کو عبور کرتے ہوئے آپ اپنے عصا کو ہاتھ میں اُٹھا لیتے اور بغیر کسی سہارے کے چلتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی تھی، اس طرح اطمینان سے پورا ماہ شوال گزر گیا۔

آخری مرتبہ درس بخاری شروع فرمانا

شوال کے آخر میں مدرسہ بھی کھل گیا تھا۔ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کا درس دینا بھی شروع کر دیا تھا۔ حضرت کو درس بخاری سے بڑا ہی شغف تھا۔ بخار میں بھی اکثر ناغہ نہیں فرماتے تھے اگر مدرسہ میں جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی تو طلبا کو گھر پر بلوا لیتے تھے اور گھر پر ہی درس دیتے تھے۔ شروع سال میں بھی آپ نے اسی محبت اور شغف اور لگاؤ کے ساتھ درس بخاری شروع کرا دیا۔

بلڈ پریشر اور نمونیہ کی تکلیف اور اُس کا علاج

چار پانچ روز کے بعد آپ کو بلڈ پریشر کا اثر ہوگیا آپ مستقل طور پر بلڈ پریشر کی گولیاں استعمال کیا کرتے تھے ایک گولی صبح اور ایک گولی شام کو۔ آپ نے اُن کی تعداد بڑھا دی جس سے آپ کی طبیعت ٹھیک ہوگئی لیکن دو تین روز کے بعد پھر اس کا اثر ہُوا اور اس کے ساتھ ہی نزلہ اور زکام کا اثر بھی معلوم ہُوا اسں کے لیے جوشاندہ وغیرہ کا استعمال کیا لیکن افاقہ نہیں ہُوا بلکہ طبیعت اور بگڑ گئی پھر علاج بدلا اور دو تین دن ڈاکٹری علاج رہا مگر فائدہ نہیں ہُوا۔

ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہوگیا تھا اور طبیعت زیادہ خراب ہوتی جا رہی تھی۔ بلڈ پریشر برابر بڑھ رہا تھا۔ ساتھ ہی سخت کھانسی اور بخار بھی تھا۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقادر صاحب ایم بی بی ایس کو بُلایا گیا، اُن کی تشخیص میں یہ نمونیہ تھا اُنھوں نے اس کا علاج شروع کر دیا۔ یہ علاج بھی تین روز تک جاری رہا۔ اس سے اتنا فائدہ ہُوا کہ مرض میں مزید اضافہ نہ ہُوا لیکن تکلیف بدستور رہی۔ بلڈ پریشر کی وجہ سے لیٹ نہیں سکتے تھے، سانس میں دشواری ہوتی تھی اور کھانسی برابر اُٹھ رہی تھی اور بڑی مقدار میں بلغم خارج ہو رہا تھا۔ اس مرض میں آپ کو جس قدر ضعف ہُوا اتنا اس سے پہلے کبھی نہ ہُوا تھا حالانکہ پہلے بھی وہ کئی بار شدید بیمار ہُوئے تھی کہ کئی مرتبہ ایسی بیماری آئی کہ گھر والوں کو مایوسی کا احساس بھی ہُوا۔

رمضان المبارک کی علالت میں بھی آپ کی حالت تشویش ناک ہوگئی تھی خصوصیت کے ساتھ بیماری کے دنوں کے روزوں سے سخت تشویش تھی، کمزوری خونی پیچش، اوپر سے روزے۔ لیکن ان سب کے باوجود اس وقت حضرت کو اتنی کمزوری نہیں ہوئی تھی جتنی کہ اب چند روز کی بیماری میں ہوگئی تھی۔

علاج کے لیے کراچی کا سفر

چونکہ مرض میں افاقہ کے آثار نظر نہیں آرہے تھے گھر والوں کا اصرار ہُوا کہ علاج کے لیے کراچی لے جایا جائے۔ اوّل تو آپ ٹالتے رہے لیکن زیادہ اصرار کے بعد راضی ہو گئے اور اپنے چھوٹے صاحبزادہ کو فرمایا کہ اپنے بھائی کو کراچی فون کر دو کہ وہاں سے وہ کسی کی گاڑی بھیج دیں۔ یہ ۱۳ر نومبر ۷۰ء کے مطابق ۸ر ذیقعدہ بروز ہفتہ کی بات ہے ان کو فون کیا گیا اگلے دن اتوار تھا۔ اس دن گاڑی نہ آسکی اس لیے پیر کے دن ۱۵ر نومبر مطابق ۱۰ر ذیقعدہ کراچی کو روانگی ہوئی۔ کراچی کے اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے چھوٹے صاحبزادہ اور چھوٹی اہلیہ تھی۔ کار میں سواری کے وقت انتہائی کمزوری کے آثار معلوم ہو رہے تھے مگر پھر بھی مولانا مرحوم میں ماشاء اللہ اس وقت اتنی ہمت تھی کہ سہارے سے پاؤں چل سکتے تھے۔ گھر کے اندر سے خُود چل کر کار تک آئے اور راستہ میں چائے بھی پی اور بخیریت کراچی پہنچ گئے۔ یہاں بھی سہارے کے ساتھ خُود چل کر کار سے گھر کے اندر آگئے لیکن اس کے بعد ضعف اتنا بڑھا کہ اگر لیٹے ہوئے بیٹھنا چاہتے تھے تو بغیر کسی سہارے کے بیٹھ نہیں سکتے تھے۔

ایک الہامی واقعہ

یہاں ایک الہامی واقعہ کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کراچی جانے سے ایک روز پہلے کی بات ہے کہ شام کے وقت ڈاکٹر صاحب کا انتظار تھا وہ آنے کا وعدہ کر گئے تھے لیکن مغرب کے بعد تک وہ نہ آئے تو حضرت نے مدرسہ کے ایک طالب علم ابوالکلام نامی کو اُنہیں بلانے کے لیے بھیجا۔ لیکن وہ بھی جا کر رہ گیا۔ آٹھ بج گئے نہ ڈاکٹر صاحب آئے نہ ابوالکلام کوئی جواب لایا۔ مولانا دو رات سے سو نہیں سکے تھے بلکہ بلڈ پریشر کی وجہ سے لیٹ بھی نہیں سکتے تھے۔ بس بیٹھے ہی بیٹھے نیند کا غلبہ ہوتا تو اُونگھ سی آجاتی تھی اسی دوران کچھ

اونگھ سی آئی۔ کچھ دیر یہ کیفیت رہی پھر اچانک چونک سے گئے اور ادھر اُدھر دیکھنے لگے، ڈاکٹر صاحب کے انتظار میں صاحبزادہ محمد مرتضےٰ سامنے بیٹھے ہوئے تھے ان سے فرمایا کہ ڈاکٹر نہیں آئے گا۔ کچھ خاموش رہ کر پھر فرمایا کہ میں ابھی ابھی کچھ اونگھ سا گیا تھا کہ میں نے ایک آواز سنی کہ ڈاکٹر صاحب حیدر آباد گئے ہیں اور وہ نہیں آئیں گے۔ صاحبزادہ کچھ حیرت زدہ ہوئے کہ اتنے میں ابوالکلام بھی واپس آگیا اور اس نے بتایا کہ ڈاکٹر صاحب باہر گئے ہوئے ہیں اور وہ مجھے نہیں ملے۔ صاحبزادہ نے مولانا کو یہ بات بتلائی کہ ڈاکٹر صاحب باہر گئے ہوئے ہیں اور وہ مجھے نہیں ملے۔ صاحبزادہ نے حضرت مولانا کو یہ بات بتلائی تو آپ مسکرائے اور پھر مطمئن ہو کر عشاء کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔

کراچی کا علاج

کراچی پہنچ کر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاکٹر علوی صاحب کو بلانے کے لیے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب آئے انہوں نے تفصیلی معائنہ کیا اور بتایا کہ دل بہت کمزور ہے۔ حتیٰ کہ دل کی ضربات آلے سے پوری طرح سنی نہیں جا سکتی۔ نبض کی ضربات ایک منٹ میں ایک سو پچاس تھیں بلڈ پریشر اوپر کا دو سو پچیس اور نیچے کا ایک سو بائیس تھا۔ دونوں پھیپھڑے نمونیہ سے متاثر تھے ڈبل نمونیہ ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے تاکید کی کہ حضرت مولانا کو مکمل آرام کی ضرورت ہے کوئی شخص ان سے ملنے کے لیے نہ آئے اور نہ کوئی شخص حضرت مولانا سے گفتگو کرنے کی کوشش کرے۔ دو دن بہت خطرے کے ہیں۔ اگر یہ دو دن خیریت کے ساتھ گزر گئے تو پھر خطرہ سے باہر ہو جائیں گے۔ یہ تاکید کر کے چلے گئے اور انہوں نے جا کر فوراً دوائیں بھیجدیں اور ان کا استعمال شروع کر دیا گیا۔

مولانا کی آمد کی عدمِ اطلاع کا عذر

مولانا کی نازک حالت کے پیشِ نظر یہی مناسب سمجھا گیا کہ کسی کو آپکی تشریف آوری کی اطلاع نہ کی جائے۔ چنانچہ مولانا کے قریب ترین اعزہ کو بھی اطلاع نہیں کی گئی۔ دوسرے ذرائع سے اگر کسی کو اطلاع ہو بھی گئی تو ملنے اور بات کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اور ڈاکٹر کی ہدایت کی سختی سے پابندی کی گئی۔

علاج بدلنے کا مشورہ

بعض ڈاکٹروں نے یہ مشورہ دیا کہ حضرت مولانا کو امراضِ قلب کے ہسپتال میں داخل کر دیا جائے۔ لیکن ڈاکٹر علوی صاحب کی مخالفت پر انہوں نے بھی یہ رائے دی کہ علوی صاحب کا علاج جاری رکھا جائے۔

مرض میں افاقہ

ایک رات یہاں آنے کے بعد بھی تنفس کی شدت رہی اور لیٹ نہ سکے۔ دوسری رات کمر کے پیچھے کئی تکیے لگا دیئے تاکہ ان سے سہارا لگا کر ہی کچھ سو سکیں۔ آخر شب میں دیکھا گیا کہ مولانا سیدھے لیٹے سو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر سب کو بہت خوشی حاصل ہوئی۔ تیسری رات سے سیدھے لیٹ کر سونے لگے تھے، نبض کی رفتار بھی کم ہو رہی تھی اور بلڈ پریشر بھی کم ہو رہا تھا۔ پیشاب ٹیسٹ کرایا گیا تو گردوں میں بھی تکلیف تھی، مختلف کاسٹ پیشاب میں آرہی تھیں۔ نمونیہ کی وجہ سے کھانسی برابر اٹھتی تھی اور بلغم خارج ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر کی ہدایت تھی کہ صبح، دوپہر اور شام کو حضرت کی نبض دیکھ کر بتایا جائے کہ ایک منٹ میں کس قدر ضربات ہوتی ہیں چنانچہ دن میں تین مرتبہ ڈاکٹر صاحب کو نبض کی ضربات سے ٹیلیفون سے رپورٹ دی جا رہی تھی اور ڈاکٹر برابر تاکید کر رہا تھا کہ آپ غذا بڑھائیں۔

غذا :۔ بیماری میں عام طور پر مولانا ڈبل روٹی سالن کے ساتھ کھایا کرتے تھے۔ اس مرتبہ میٹھی غذاؤں کی فرمائش فرماتے تھے، عموماً دوپہر کو دودھ اور ڈبل روٹی اور شام کو سُوجی کا حریرہ بادام ڈال کر کھاتے تھے البتہ ناشتہ میں بمشکل ایک انڈا لیتے تھے، نمکین غذا صرف یہی ہوتی تھی اور کبھی کبھی اصرار کرنے پر روٹی سالن قبول فرمایا تو آدھی روٹی سے زیادہ نہ کھا سکے اس لیے اس پر اصرار ترک کر دیا گیا۔ دوپہر اور شام کو ایک ایک گلاس موسمی کا جوس بڑے اصرار کے بعد لیتے تھے۔ وفات سے تین روز پیشتر موسمی کا جُوس لینے سے انکار کر دیا کہ اس سے کھانسی زیادہ ہو جاتی ہے۔ رات کو ایک پیالہ دُودھ بھی بڑے ہی اصرار کے بعد پلایا جاتا تھا۔

انتقال سے ایک ہفتہ پیشتر نبض کی رفتار بالکل ٹھیک ہو چکی تھی۔ بلڈ پریشر بھی تقریباً نارمل ہو چکا تھا۔ دل کی حالت بہت بہتر ہو چکی تھی۔ گردوں کا فعل بھی بڑی حد تک صحیح ہو چکا تھا۔ قارورہ میں جو مختلف کاسٹ آ رہی تھیں اُن میں نمایاں کمی آگئی تھی اور پھیپھڑے تقریباً صاف ہو چکے تھے صرف ہوا کی نالیوں میں بلغم کا اثر موجود تھا لیکن کمزوری میں کمی نہیں ہو رہی تھی۔ جب بھی دریافت کیا جاتا تو کمزوری کی شکایت فرماتے۔

حالتِ غنودگی میں بھی نماز کے وقت افاقہ ہو جاتا تھا

اکثر غنودگی رہتی تھی، لیکن عین نماز کے وقت چونک کر اُٹھ جاتے تھے اور دریافت فرماتے کہ کیا وقت ہے؟ فلاں وقت کی اذان ہو گئی ہے؟ جب بتایا جاتا تھا کہ اذان ہو چکی ہے تو فوراً تیمم کر کے نماز پڑھتے تھے اس کے بعد پھر آنکھیں بند کر کے لیٹ جاتے تھے غالباً غنودگی ہی ہوتی تھی۔ ڈاکٹر کہتے تھے مولانا کے لیے زیادہ سے زیادہ سونا بہت مُفید ہے۔

مولانا عمر احمد صاحب کو بُلانا

۲۰ر دسمبر کی شام کو چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے صاحبزادہ مولانا عمر احمد صاحب کو بُلایا وہ سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت خود بھی اس وقت تکیہ کے سہارے سے بیٹھے ہوئے تھے، دیر تک ان کی طرف غور سے دیکھتے رہے وہ منتظر رہے کہ کچھ فرمائیں گے لیکن کچھ فرمایا نہیں۔ ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ کچھ فرمانا چاہتے تھے۔ لیکن پھر ارادہ تبدیل ہو گیا۔ دریافت کرنے پر بات کو یہ فرما کر ٹال گئے کہ طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن کمزوری زیادہ ہے۔ جواب میں اطمینان دلایا گیا کہ انشاء اللہ کمزوری بھی آہستہ آہستہ دُور ہو جائے گی۔ اس کے بعد ایسی کوئی بات نہیں فرمائی جس سے یہ سمجھا جاتا کہ یہ بات فرمانے کے لیے بُلایا گیا تھا۔

انہی دنوں راولپنڈی اور ٹوبہ ٹیک سنگھ سے منجھلے صاحبزادہ مولانا قمر احمد سلمہٗ اور اُن کی بہنوں کے فون خیریت دریافت کرنے کے لیے آگئے وہ آنے کے لیے دریافت کر رہے تھے۔ حضرت مولانا نے نہایت اطمینان سے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ میری طبیعت پہلے سے بہتر ہے۔ البتہ کمزوری زیادہ ہے فی الحال آنے کا ارادہ نہ کریں۔ ان سب کا چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے اور آج کل سردی زیادہ ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے کرتہ اور آپ کی چادر کا ایک واقعہ

عرصہ ہوا ٹنڈو الہیار میں کچھ اہل بدعت کی طرف سے حضرت مولانا مرحوم کو دھمکیاں آ رہی تھیں جن کی وجہ سے سب کو تشویش تھی۔ حضرت مولانا نے ان دنوں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھا تھا کہ

فرمارہے ہیں مولوی ظفر! تمہارے پاس میرا کُرتا موجود ہے۔ تم اسے پہن لو تو انشاءاللہ وہ ہتھیار کا کام دے گا۔

اس کُرتہ کا تذکرہ ایک دن مولانا عمر احمد صاحب نے کیا کہ آپ کے پاس بڑے ابا (حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ) کا ایک کُرتہ تھا وہ کہاں ہے؟ فرمایا وہ تو الوری لے گئی تھی اس کے پاس ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میرے پاس بڑے ابا کی چادر ہے، جو حضرت نے مجھے مرحمت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ میاں عمر! یہ چادر تو معمولی سی ہے اور کافی پُرانی ہوگئی ہے مگر میں تمہیں اس لیے دے رہا ہوں کہ میں نے اسے بہت پہنا ہے۔ آپ اگر فرمائیں تو میں وہی چادر نکال دُوں۔ اس بیماری میں آپ وہ چادر اوڑھیے۔ باجی صاحبہ نے بھی کہا کہ وہ برکت کی چیز ہے اس کو ضرور اوڑھیے۔ مولوی عمر احمد صاحب نے وہ چادر اپنی لڑکی سے نکلوائی اور حاضر خدمت کی۔ حضرت نے اُسے ہاتھ میں لیا اور دیر تک سونگھتے رہے اس کے بعد اسے اوڑھ لیا اور کئی روز تک برابر اوڑھتے رہے۔

۱۸ دسمبر کی صبح کو حضرت نے مولوی عمر احمد صاحب سے ناشتہ کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے تکیہ کو ادھر یعنی پائین کی طرف کر دو۔ عام طور سے سر کے نیچے دو تکیے رکھا کرتے تھے۔ اس بیماری میں تین تکیے رکھنے لگے تھے۔ مولوی صاحب نے تکیے پائنتی کی طرف رکھ دیئے۔ اب آپ اس طرح لیٹ گئے کہ سر مشرق کی سمت میں تھا اور چونکہ سر کے نیچے تین تکیے تھے اس لیے قبلہ بالکل چہرے کے سامنے تھا۔ مغرب کی سمت میں ایک خوشنما کتبہ لگا ہُوا تھا جس پر نہایت ہی خوشخط اهدنا الصراط المستقیم لکھا ہُوا ہے۔ پہلے تو وہ کتبہ سرہانے کی طرف ہُوا کرتا تھا اب لیٹنے کے بعد اس کتبہ پر نظر پڑی۔ فرمایا کہ اس کتبہ کو یہاں سے ہٹا دو۔ اس کی طرف میرے پاؤں

ہو رہے ہیں۔ چنانچہ فوراً اس کو وہاں سے الگ کر دیا گیا۔ اب آپ بالکل قبلہ رُخ ہو کر لیٹ گئے۔ لیکن اس سارے ردّ و بدل اور عمل کی مصلحت اس وقت تو کسی کی سمجھ میں نہیں آئی لیکن بعد میں سمجھ میں آرہا ہے کہ یہ کس بات کے لیے تیاری ہو رہی تھی۔

اس کے بعد دوائیں دی گئیں اور نبض دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو نبض کی رپورٹ دے کر مولوی صاحب کالج چلے گئے۔

بعض اعزہ کی ملاقات

ان کے جانے کے بعد مولوی عمر احمد صاحب عثمانی کے خالو یعنی مکرمی جناب ڈپٹی سید علی سجاد صاحب اور خالہ صاحبہ اور خالہ زاد بھائی علی خلادرضا اور ماموں حکیم انوارالحق صاحب حضرت مولانا کی طبیعت کا حال دریافت کرنے آگئے۔ ان لوگوں کو کسی ذریعہ سے حضرت مولانا کی تشریف آوری اور علالت کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ یہ لوگ پہلے بھی نہایت خاموشی سے اندر والے کمرہ میں آجاتے تھے اور حال دریافت کر کے چلے جاتے تھے کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی ہُوئی تھی اور ملنے جُلنے سے منع کر دیا ہُوا تھا۔ اس مرتبہ بھی وہ ایسے ہی خاموشی کے ساتھ آئے اور برابر والے کمرے میں آکر بیٹھ گئے اور مولوی عمر احمد صاحب کی اہلیہ سے حضرت مولانا کی طبیعت کا حال دریافت کرتے رہے۔ لیکن اتفاق سے اس وقت حضرت مولانا جاگ رہے تھے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ کون لوگ آئے ہوئے ہیں؟ بتلایا گیا کہ مرتضےٰ کی خالہ اور خالو ڈپٹی سجاد علی صاحب آئے ہُوئے ہیں۔ فرمایا کہ میاں مرتضیٰ کے خالہ اور خالو نہیں مولوی عمر کے خالہ اور خالو ہیں انہیں بُلالو۔ چنانچہ انہیں بلایا گیا۔ میاں خلادسلمہٗ کو ڈاکٹر کے منع کرنے کی وجہ سے مولانا کے پاس جانے میں تامل ہُوا

مگر اُن کے والد اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ جب وہ خود بُلا رہے ہیں تو انکار کس طرح کردیں۔ مولوی عمر صاحب کی اہلیہ نے بھی یہی کہا کہ جب وہ بُلا رہے ہیں تو آپ چلے جائیے مگر زیادہ بات نہ کیجئے۔

حضرت مولانا بیٹھے ہوئے تھے باجی صاحبہ سے فرمایا کہ میری ٹوپی لاؤ۔ ان سے ٹوپی لے کر آپ نے اوڑھی۔ یہ سب لوگ حضرت مولانا کے سامنے سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے سلام کا جواب دیا اور کوئی بات نہیں کی۔

ڈپٹی صاحب دیر تک کچھ پڑھ کر حضرت پر دم کرتے رہے اور وہ برابر مُسکراتے رہے، صُبح کے وقت جب نبض دیکھی گئی تھی تو بالکل صحیح تھی یعنی فی منٹ رفتار ۸۰ تھی اور ایک بجے دن مولوی عمر احمد صاحب کے اصرار کے بعد سہارے سے اُٹھ کر بیٹھے اور موسمی جوس کا گلاس نوش کیا اور لیٹ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی بہت تاکید تھی کہ موسمی کا جوس دن میں دو مرتبہ ضرور دیا جائے اس سے آپ کو قوت بھی آجائے گی اور قبض بھی نہیں ہو گی، قبض کا ہونا آپ کے لیے اچھا نہیں ہے۔

اچانک نبض کے بند ہونے کا واقعہ

اس کے بعد اچانک نبض بند ہو گئی ہر چند تلاش کی گئی مگر نبض کا تو کہیں پتہ نہیں تھا۔ فوراً ٹیلیفون کر کے ڈاکٹر صاحب کو حال بتا کر آنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد پھر نبض دیکھی تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اب نبض بالکل صحیح تھی اور منظم تھی اور آنکھیں کھول دی تھیں، کوئی پریشانی کی بات نظر نہیں آرہی تھی۔ گھر والوں نے مشورہ دیا کہ ڈاکٹر صاحب کو اطلاع کر دی جائے کہ اب آنے کی ضرورت نہیں مگر مولوی عمر احمد صاحب نے کہا کہ ان کو فوراً آنے کے لیے کہا جا چکا ہے اور وہ چل چکے ہونگے ان کو آنے دیا جائے تو ہمارا مزید اطمینان ہو جائے گا۔ دس منٹ میں ڈاکٹر صاحب

پہنچ گئے۔ اُنہوں نے ہر چیز کو چیک کیا، نبض دیکھی، دل دیکھا، بلڈ پریشر کو دیکھا۔ حضرت نے ڈاکٹر سے باتیں کیں۔ اُٹھ کر تکیوں کے سہارے سے بیٹھ گئے۔ قریب ہی عمامہ رکھا ہوا تھا اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا۔ اس وقت اتنے تندرست معلوم ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے آہستہ سے کہا کہ ذرا اپنی باجی سے کہو کہ وہ بھی جھانک کر دیکھ لیں کتنے اچھے اور تندرست معلوم ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب آدھ گھنٹہ تک بیٹھے رہے اور ہم سب گھر والوں کو اطمینان دلا کر چلے گئے۔ چونکہ حضرت کی حالت کی طرف سے کافی اطمینان ہو چکا تھا، مولوی عمر احمد صاحب شام کو ایک جگہ کام چلے گئے اور کہہ گئے کہ حضرت کو آٹھ بجے تک کھانے سے فارغ کر دیا جائے تاکہ نو بجے تک دوائیں وغیرہ دی جاسکیں اور نو بجے کے بعد آرام اور نیند کر سکیں۔ سوا آٹھ بجے تک مولوی عمر احمد بھی گھر واپس آگئے اور آتے ہی دریافت کیا کہ حضرت نے کھانا کھالیا ہے؟ معلوم ہُوا کہ نہیں اُنہوں نے باجی صاحبہ سے کہا کہ آپ نے اباجی کو کھانا کھلا دیا ہوتا۔ باجی صاحبہ نے کہا کہ وہ ہمارے ہاتھ سے کھاتے کہاں ہیں وہ تو آپ ہی کے ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے حریرا اُتروا کر ٹرے میں رکھا اور عرض کیا کہ کھانا کھا لیجئے، فرمایا۔ لے آؤ۔ مولوی صاحب نے سہارا دے کر بٹھا دیا۔ ٹرے سامنے رکھ دی۔ چمچہ سے اطمینان کے ساتھ حریرہ کھایا، مولوی صاحب نے باجی صاحبہ سے ہنس کر کہا کہ دیکھئے اباجان ماشاء اللہ خُود اپنے ہاتھ سے کھا رہے ہیں۔ آپ سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ کھانا ان کے سامنے لا کر رکھ دیں تاکہ وہ اپنے ہاتھ سے کھانے سے فارغ ہو جائیں۔ مولوی صاحب کی اس بات پر حضرت نے اُن کی طرف دیکھا اور پھر مُسکرائے۔ اس کے بعد عشاء کی نماز پڑھی، نماز سے فراغت کے بعد دوائیں دی گئیں۔ ساری دوائیں خُود کھائیں۔ نو بجے نبض دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو رپورٹ دی۔ نبض

بالکل صحیح تھی۔ پھر دُودھ پینے کے لیے عرض کیا لیکن آج رات دُودھ پینے سے انکار فرمادیا۔ پلانے پر اصرار نہیں کیا گیا کیونکہ شام کو موسمی کے جُوس کا گلاس پلایا جاچکا تھا سب گھر والے پُورے اطمینان کے ساتھ رات کو دس بجے جبکہ مولانا بھی سو چکے تھے اپنے اپنے بستروں میں چلے گئے اور سو گئے۔

تاریخ اور وقت وفات

۸ر دسمبر صبح کو پانچ بجے کے قریب مولانا نے باجی صاحبہ سے پیشاب کرانے کے کہا۔ چنانچہ اُنہوں نے پیشاب کرایا اس کے بعد پھر لیٹ گئے اور انگلیوں پر کچھ پڑھتے رہے۔ مولانا کی یہ عادت تھی کہ عقد انامل کے ساتھ انگلیوں پر کچھ پڑھتے رہتے تھے یکایک فرمایا کہ مجھے گرمی لگ رہی ہے۔ لحاف اُتار دو۔ باجی صاحبہ کو لحاف اُتارنے میں تامل ہوا لیکن حضرت نے اصرار فرمایا۔ آخر اُنہوں نے لحاف اتار دیا۔ اس کے بعد پھر کچھ پڑھتے رہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے بٹھاؤ۔ چنانچہ باجی صاحبہ نے سہارا دے کر بٹھانا چاہا۔ ابھی بیٹھنے نہیں پائے تھے کہ دو مرتبہ فرمایا میں جا رہا ہوں میں جا رہا ہوں اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جسم کا سارا بوجھ باجی صاحبہ کے ہاتھ پر پڑا انہیں کچھ احساس ہوا۔ انہوں نے فوراً مولوی عمر احمد صاحب کو آواز دی کہ جلدی آؤ کہ دیکھو حضرت کو کیا ہوا؟

مولوی صاحب بھاگے آئے۔ نبض دیکھی تو نبض نہیں تھی۔ مرتضیٰ سلمہٗ کو آواز دی اُنہوں نے نبض دیکھی انہیں بھی نبض نہیں ملی۔ فوراً ٹیلیفون کے ذریعہ ڈاکٹر کو اطلاع دی اور انہیں فوراً آنے کی ہدایت کی۔ گھر کے سب لوگ حضرت کے گرد جمع ہو گئے۔ سب بار بار نبض دیکھ رہے تھے کیونکہ اس سے قبل ایک دن پہلے ایسا ہی دھوکہ ہو چکا تھا۔ لیکن اب نبض کا کہیں نشان نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب بھی

آ گئے اور آدھ گھنٹہ تک دل کا معائنہ وغیرہ کر کے مصنوعی تنفس جاری کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ آخر انہوں نے بھی کہدیا کہ موت کا کوئی علاج نہیں۔ میں نے کل دو بجے دن دیکھ کر کہا تھا کہ ہر چیز ٹھیک تھی۔ مگر اب صبر کیجیے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بعد وفات جسم مبارک کا حرکت کرنا

مولانا عمر احمد صاحب اس واقعہ فاجعہ کی عزیزوں اور حضرت کے متوسلین اور احباب کو ٹیلیفون پر اطلاع کر رہے تھے۔ آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ باجی صاحبہ تشریف لائیں اور ناراض ہونے لگیں کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ حضرت زندہ ہیں ان کا جسم اب تک گرم ہے ان کی اُنگلیاں اب تک حرکت کر رہی ہیں جیسے وہ کچھ معمول کے مطابق پڑھ رہے ہوں۔ اُنگلیوں کی حرکت کی گھر کے دوسرے لوگوں نے بھی شہادت دی۔ مولوی عمر احمد صاحب نے خود بھی دیکھا بدن واقعی گرم تھا آخر پھر ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی گئی اُنہوں نے کہا بدن تو اس لیے گرم ہے کہ لحاف اوڑھا رکھا ہے اور اُنگلیوں کی حرکت سمجھ میں نہیں آتی۔ ہو سکتا ہے کہ انگلیوں کے پوروں میں ابھی تک کچھ جان ہو اب اس جواب سے مایوسی ہُوئی۔

وفات کی اطلاع اور دفن کی جگہ متعین کرنا

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو ٹیلیفون کرنے کی کوشش کی گئی سب سے پہلے یہ بات طے کرنے کی تھی کہ حضرت کو دفن کہاں کیا جائے۔ مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں گھنٹی بجتی رہی کسی نے ٹیلیفون نہیں اُٹھایا۔ پھر مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو ٹیلیفون کیا۔ مفتی صاحب سے بات ہو گئی۔ پھر محمد اقبال صاحب ایڈووکیٹ کو اطلاع دی جو حضرت کے معتقدین میں سے ہیں اور اُن سے کہا کہ آپ

فوراً اپنی گاڑی میں مولانا احتشام الحق صاحب کے ہاں جایئے اور اُنہیں اطلاع کر دیجئے۔ چند منٹ بعد مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کا فون آیا کہ مَیں فوراً آرہا ہوں۔

حضرت مُفتی محمد شفیع صاحبؒ کی پیش کش

حضرت مفتی صاحب قبلہ کا دُوسرا فون آیا کہ اُنہوں نے پیش کش فرمائی مدرسہ دارالعلوم لانڈھی کے قبرستان میں جہاں علماء اور صلحاء مدفون ہیں حضرتؒ کی تدفین کا وہاں انتظام کیا جائے۔ تھوڑی دیر میں مولانا احتشام الحق اور مولوی احترام الحق صاحب آگئے۔ یہ مسئلہ اُن کے سامنے پیش کیا گیا اور حضرت مُفتی صاحب کی خواہش کا بھی ذکر کر دیا۔

موجودہ جگہ کی دفن کے لیے وجۂ ترجیح

اُنہوں نے مشورہ دیا کہ سب سے موزوں ترین جگہ پاپوش نگر ناظم آباد کا قبرستان ہے۔ جہاں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بھتیجے مولانا شبیر علی تھانویؒ مرحوم مدفون ہیں اگر ان کے ساتھ ہی اس احاطہ میں انتظام ہو جائے تو سب سے بہتر ہے۔ ورنہ سوسائٹی کے قبرستان میں حضرت مولانا مُفتی محمد حسن امرتسریؒ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے ساتھ دفن کیا جائے۔ کیونکہ حضرت مولانا مرحومؒ کو حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ اور حضرت پھولپوریؒ کے ساتھ سب سے زیادہ قریبی تعلق اور اُنس تھا اور بچپن سے آخر وقت تک تمام رشتہ داروں میں سب سے زیادہ اُنسیت مولانا شبیر علی کے ساتھ تھی اس لیے ان دونوں حضرات کے قرب کو پسند کیا گیا۔ ویسے بھی یہ قبرستان جائے قیام سے قریب تر ہی تھا اور قریبی

قبرستان میں دفن کرنے میں سُنت کی زیادہ موافقت بھی۔

دفن کی جگہ کا انتخاب

مولانا احتشام الحق صاحب نے کہا کہ مَیں دونوں ہی قبرستانوں میں خُود جا کر دیکھتا ہوں کہ وہاں گنجائش ہے یا نہیں اور پھر اس کی کوشش کرتا ہوں۔ چنانچہ دیکھا گیا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ کے احاطہ میں گنجائش موجود تھی۔ چنانچہ مولانا موصوف نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ورثاء سے رابطہ قائم کیا اور انہوں نے انتہائی خُوش دلی کے ساتھ اسے منظور کر لیا اور اجازت دے دی۔ چنانچہ تقریباً نو بجے مولانا احتشام الحق صاحب نے اطلاع دی کہ پاپوش نگر کے قبرستان میں انتظام ہوگیا ہے۔ اب غسل اور تکفین کا انتظام کیا جائے تاکہ تین بجے تدفین عمل میں آ سکے۔ ریڈیو و ٹیلی ویژن کو بھی اطلاع بھجوا کر تین بجے تدفین کا اعلان کرا دیا گیا۔

کراچی میں جو اعزّہ اور حضرتؒ کے متوسلین موجود تھے ان کے ٹیلیفون معلوم تھے ان کو فوراً فون کر کے اطلاع دینی شروع کی۔ راولپنڈی میں دونوں چھوٹے صاحب زادیوں اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بڑی صاحبزادی اور منجھلے صاحبزادے مولوی قمر احمد سلمہٗ کو اور ٹنڈو اللہ یار میں بڑی باجی اور اہلِ مدرسہ کو ٹیلیفون سے اطلاع دے دی گئی۔ کراچی میں جس نے بھی یہ خبر سُنی حیرت زدہ رہ گیا، کیونکہ یہاں کسی کو اب تک نہ صرف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی اطلاع تھی اور نہ علالت کی جس نے سُنا اچانک وفات کی خبر ہی سُنی۔ اس لیے ہر شخص کو بے انتہا رنج ہُوا۔

غُسل و کفن

حضرتؒ کے متوسلین میں بہت سے لوگ آ چکے تھے۔ بھائی محمد اقبال صاحب ایڈووکیٹ، بھائی حاجی محمد امین صاحب کو کفن اور ضروری

اشیاء خریدنے کے لیے کہا گیا۔ مولانا نور احمد صاحب سربراہ انجمن دعوت الحق کراچی بھی آچکے تھے۔ اُن کی نگرانی میں علماء و صلحاء نے اپنے ہاتھوں سے کفن بنایا۔ گھر کے برآمدہ میں حضرت کے آخری غسل دینے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ایسے ہی کچھ خوش قسمت علماء اور اصلحاء نے حضرت کو غسل دیا۔ چنانچہ دن کے ایک بجے جنازہ تیار ہو کر کمرے میں لاکر رکھ دیا گیا۔

آخری زیارت

لوگ باری باری آخری زیارت اور ایک جھلک دیکھنے کے لیے کمرے میں آرہے تھے اور زیارت کرکے وہاں سے ہٹتے جاتے تھے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر دن کے ایک بجے سے خبروں کے ہر بلٹن میں حضرتؒ کے وصال کا اعلان ہوتا رہا اور اس سے پہلے صبح کو سات بجے کے بعد ریڈیو پر مختصر اعلان کر دیا گیا تھا۔

لوگوں نے بتایا کہ دس بجے کے بعد ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنا پروگرام روک کر پانچ منٹ کا ایک بلٹن بھی نشر کیا تھا جس میں حضرت مولانا مرحوم کے حالاتِ زندگی کا تذکرہ تھا۔

نمازِ جنازہ کا اجتماع

نمازِ ظہر کے بعد تقریباً اڑھائی بجے دن جنازہ گھر سے روانہ ہوا۔ بعض نے جنازہ کو بس میں لے جانا چاہا مگر مجمع نے منع کر دیا۔ اور جنازے کو پیدل پاپوش نگر لے جایا گیا۔ جنازہ میں دار العلوم اور نیو ٹاؤن کے مدرسہ عربیہ کے طلبہ اور علماء کے علاوہ مجمع کافی تھا۔ کراچی شہر ہی کے نہیں بلکہ پاکستان کے تین چوٹی کے علماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے دو خلفاء طریقت یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم اور قبلہ ڈاکٹر عبدالحی صاحب بھی موجود تھے۔ اُن میں سے ہر شخص اپنی جگہ علم و فضل اور زہد و تقوے کا ایک پہاڑ ہے۔

نماز کی امامت

چونکہ فقہاء نے امامتِ نماز کے لیے زیادہ علم والے کو ترجیح دی ہے اور اس مجمع علماء اور صلحاء میں ورع و تقوے کے ساتھ علم و فضل میں درجہ کمال ظاہر ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا اس لیے حضرت مولانا مرحوم کے بڑے صاحب زادہ مولانا [illegible] احمد صاحب عثمانی نے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے مشورے سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ حضرت مفتی صاحب نے درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور نماز کی امامت فرمائی۔ گو اس وقت امامت کے لیے اس انتخاب کا فیصلہ علم و فضل کی بنیاد پر ہی کیا گیا۔ مگر قدرتی طور پر یہ بہت ہی مناسب اور موزوں فیصلہ تھا۔ کیونکہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کے بعد حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے خلفاء میں جس قدر تعلق خاطر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھا وہ کسی دوسرے سے نہ تھا۔

دفن کی جگہ کا انتخاب، نماز جنازہ کی امامت کے لیے انتخاب، کفن سینے اور غسل دینے کا انتظام یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مولانا مرحوم کی طرف سے آپ سے آپ ہی ہوتا چلا گیا۔

قبر میں اُتارنا

اب قبر میں جسدِ مبارک کے اُتارنے کا مرحلہ آیا تو یہ انتخاب بھی حضرت مولانا مرحوم کی عین مرضی کے موافق ہی تھا، چنانچہ مولانا عمر احمد صاحب اور مولوی مرتضیٰ سلمہٗ دونوں صاحب زادوں اور عزیز مُشیر علی سلمہٗ، مولانا شبیر علی تھانوی کے بڑے صاحب زادے، مدرسہ دارالعلوم ٹنڈوالٰہ یار کے مفتی مولانا محمد وجیہہ صاحب نے حضرت کو قبر میں اُتارا۔

ان سب لوگوں کے متعلق پہلے سے طے نہیں کیا گیا تھا مگر حضرت مولانا مرحوم کا روحانی تصرف معلوم ہوتا ہے کہ موقع پر خود بخود بالکل مناسب اور موزوں اشخاص اس کام کے لیے تجویز ہوتے چلے گئے۔

غرضیکہ اس علم و معرفت کے گرانقدر خزینہ کو زیرِ زمین اُتار کر اور علم و عمل کے اس گراں مایہ گنجینہ کو دفن کر کے ہمیشہ کے لیے خیرباد کہا اور تمام اعزہ اور متوسلین گردنیں جھکائے اپنے کو سراپا تصویرِ حسرت و حرماں بنائے خاموشی کے ساتھ واپس آ گئے۔

اللہ! اللہ! وہ بھی کیا منظر ہوگا جب حضرت مولانا مرحوم اس خزانہ علم و معرفت کو سپردِ خاک کر کے خالی ہاتھ واپسی ہوئی ہو گی۔ اللہ تعالےٰ حضرت مولانا مرحوم کے حسن خاتمہ کے طفیل ہم سب کو بھی حسن خاتمہ کی لازوال دولت نصیب فرمائے۔ اور حضرت مولانا مرحوم کی محبت و عقیدت کی برکت سے جنت الفردوس میں صحبت دائمہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

"موت انسان کا عمل منقطع کر دیتی ہے۔ صرف تین چیزیں رہ جاتی ہیں صدقہ جاریہ اور علم جس سے انتفاع ہو۔ اور اولادِ صالح جو اُس کے حق میں دُعا کرے۔"

حضرت مولانا مرحوم کے علوم و معارف اور آپ کی کتابوں سے تو اُمید ہے کہ انشاء اللہ تعالےٰ عرصہ دراز تک انتفاع ہوتا رہے گا۔ باقی صلبی اولاد صالح کے علاوہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین اور محبین کی ایسی معنوی اولاد کثیر تعداد میں موجود ہے جو حضرت مولانا مرحوم قدس سرہٗ کی مغفرت اور ارفع درجات کے لیے ہمیشہ دست بدعا رہنا خود اپنے لیے باعث سعادت تصور کرتی ہے۔

اللہ تعالےٰ ہم سب خدام کو اس دعا کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

اللّٰھم اغفر لہ وارفع درجتہ فی العلیین واعقبنا منہ عقبۃ حسنۃ وارفع لہ فی قبرہ نوراً المرضیۃ آمین یارب العلمین!

اب یہ احقر جملہ ناظرین سے رخصت ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی امداد اور حضرت مولانا مرحوم کی برکت سے جس طرح بھی بن سکا ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اس تذکرہ اور سوانح حیات کو پورا کر دیا۔ اللہ تعالےٰ اس ناچیز کی اس حقیر خدمت کو مقبول و نافع فرمائے اور جو لغزشیں اور کوتاہیاں اس کے لکھنے میں اس ناکارہ آوارہ سے سرزد ہوئی ہوں ان کو اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے۔ آمین۔ یارب العالمین۔ بحرمۃ سید المرسلین و خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت مولانا مرحومؒ ہمعصر علماءِ کرام اور مشائخ عظام کی نظر میں

حضرت مولانا مرحومؒ کو اپنے ہمعصر حضرات علمائے کرام اور مشائخ عظام کا بڑا اعتماد حاصل رہا ہے۔ اکابر علمائے کرام کی نظر میں آپ انتہائی رفیع اور بلند و بالا مقام پر فائز تھے۔

حضرت مولانا شیخ خلیل احمد سہارنپوری کے خصوصی تعلقات کے کئی واقعات تذکرۃ الخلیل میں مذکور ہیں اور بعض واقعات اس تذکرہ میں بھی گزر چکے ہیں۔ ایک واقعہ جس سے حضرت مولانا سہارنپوری کے اعتماد اور خصوصی تعلق کا اظہار ہوتا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

"حضرت مولانا سہارنپوری جس زمانہ میں ابوداؤد شریف کی شرح بذل المجہود کی تالیف میں مشغول تھے مولانا مرحومؒ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت بذل کے خاص مقامات دیکھنے کی ہدایت فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ ذرا اس کی عربیت پر بھی نظر کر لیں۔" (تذکرۃ الخلیل)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے علامہ سید سلیمان ندوی کے اس خط کے جواب میں جو انہوں نے حضرت مولانا مرحوم کے رسالہ کشف الدجیٰ کو ملاحظہ کرنے کے بعد حضرت کی خدمت میں لکھا تھا عبارت کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے اس سے میں کاتب عبارت کا زیادہ معتقد ہو گیا کہ ماہر کی شہادت ہے۔" (تذکرہ سلیمان ص۲۸۶)

مطلب واضح ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کاتب عبارت مولانا

ظفر احمد مرحوم کے معتقد تو پہلے ہی تھے مگر ایک ماہر سید سلیمان ندویؒ کی شہادت کے بعد زیادہ معتقد ہو گئے۔ اللہ اکبر! کیا ٹھکانہ ہے مولانا مرحوم کے مرتبہ اور مقام کا کہ حضرت حکیم الامتؒ کی نظر مبارک میں۔ اعلاء السنن کے حصہ رابعہ کے ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا مرحوم کے حق میں دعا اور مدح کے ساتھ اظہار مُسرت کے طور پر مولانا مرحومؒ کو ایک چادر بھی عنایت فرمائی تھی جس کا اظہار حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی تقریظ میں بھی ان الفاظ کے ساتھ فرمایا ہے:-

"وعلانی سرورا اضطرنی الی اظہارہ قولا بدعائی للمولف ومدحی للمولف وفعلا باعطاء ردائی لہ لاذخال السرور علیہ"

(اعلاء السنن حصہ ۴ ص۳۹ طبع ہند)

مولانا مرحوم کے ڈھاکہ چلے جانے کی وجہ سے کچھ عرصہ تک احکام القرآن کی تالیف کا کام بند رہا۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا تو مولانا مرحوم نے اس سلسلہ کو پھر شروع کر دیا چنانچہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ بروز جمعہ احکام القرآن عربی کی دوسری دفعہ تالیف کا کام جب حضرت مولانا مرحوم نے شروع کیا تو اس خوشی میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے عربی خطبہ کے ذیل کے چند فقرے حضرت مولانا مرحومؒ کے تبحر علمی کے ساتھ موصوف کے مقتدا اور پیشوا ہونے پر بھی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کیطرف سے بہت بڑی وزنی شہادت ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:-

الحمد للہ الذی وفق بعد اشارتی ابن اختی الذی ہو باذن اللہ تعالیٰ لعلوم الدین ینبوع ولورود الخیر متبوع المشتہر بالمولوی ظفر احمد لتالیف ہذا المجموع ا ہ۔ (انوار النظر ص۳۶)

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے اشارہ پر میرے بھانجہ کو جو بحمد اللہ تعالیٰ علوم دین کا سرچشمہ ہیں اور طالبان خیر کے پیشوا جو مولوی ظفر کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کتاب کی تالیف پر توفیق دی۔"

حضرت حکیم الامت تھانوی کی بارگاہ میں مولانا مرحوم کا جو مقام تھا وہ تو ان الفاظ مذکورہ سے ظاہر ہے ہی مگر اس کے علاوہ رسالہ القول المنصور پر حضرت حکیم الامت نے جو تقریظ تحریر فرمائی ہے اس میں تو مولانا مرحوم کی مدح اور توصیف میں ایسے کلمات ارقام فرمائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں۔ فرماتے ہیں "مختصر یہ کہ میں خود ایسے طرز سے لکھنے پر قادر نہ تھا کو بروئے حدیث ابن اخت القوم منہم وہ ہاتھ بھی حکماً میرے ہی ہاتھ ہیں مگر تمائز کے درجہ میں ان مولف کا نام مولوی ظفر احمد سلمہٗ ہے جن کا ذکر میں ایک شعر مدحی اور ایک شعر دعائی پر ختم کرتا ہوں۔

دھاں بنداں مدح توصیف است باز ندانیاں گو یم اندر مجمع روحانیاں

ساعد شہ مسکن ایں باز باد! تا ابد بر خلق ایں در باز باد

(النور جمادی الاول ۱۳۴۰ھ)

علامہ زاہد الکوثری مصری کی اعلاء السنن پر جو مفصل تقریظ مجلۃ الاسلام بابت ماہ شعبان ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی تھی اس کا اقتباس حسب ذیل ہے۔ حضرت علامہ کوثری کے نزدیک حضرت مولانا مرحوم کی علم حدیث میں وسعت نظر کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ دنیائے اسلام کے ایسے وسیع النظر اور متبحر عالم کا بے لاگ تبصرہ ہے جن کا حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی رسمی تعلق ملاقات وغیرہ کا بھی نہیں رہا ہے۔ وہ شخصیت کے دیکھے بغیر صرف حضرت مولانا کی کتاب سے ہی اس قدر متاثر ہو گئے ہیں:

اقتباس کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

وهذا العالم الجليل قد اشار الى تلميذه وابن اخته المتخرج فى علوم الحديث لديه المحدث الناقد الفقيه البارع مولانا ظفر احمد التهانوى زادت مآثره ان يستوفى ادلة ابواب الفقه بجمع احاديث الاحكام فى الابواب من مصادر صعبة المنال مع الكلام على كل حديث فى ذيل كل صفحة بما تقتضى به صنعة الحديث من تقوية وتوهين واخذ ورد على اختلاف المذاهب فاشتغل هذا العالم الغيور بهذه المهمة الشاقة نحو عشرين سنة اشتغالا لا مزيد عليه حتى انم مهمته بغاية من الاجادة بتوفيق الله سبحانه فى عشرين جزءً الطيفا بقطع آثار السنن وسمى كتابه هذا اعلاء السنن وجعل له فى جزء خاص مقدمة بديعة فى اصول الحديث نافعة للغاية فى بابه والحق ان يقال انى دهشت من هذا الجمع وهذا الاستقصاء ومن هذا الاستيفاء البالغ

"اور اس (حکیم الامت تھانوی) عالم جلیل نے اپنے شاگرد رشید اور بھانجے کو جو انہی سے علوم حدیث آپ ہی سے حاصل کئے اور محدث و ناقد اور فقیہ بارع ہیں یعنی مولانا ظفر احمد تھانوی زادت مآثرہ کو ارشاد فرمایا کہ مذہب حنفیہ دلائل کی تمام ابواب فقیہ میں اس طرح کریں کہ جس قدر کتب حدیث اس وقت میسر آئیں۔ سب سے حنفیہ کے استدلات کو ابواب فقہیہ کی ترتیب پر جمع کردیں اور ہر حدیث پر فن حدیث کے اصول کے موافق جرح و تعدیل کے کام کریں چنانچہ یہ عالم غیور اس عظیم الشان مہم کی خدمت میں تقریباً بیس سال اس طرح مشغول رہے کہ اس سے زیادہ اشتغال ازح کل ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ اس مہم کو انتہائی خوبیوں کیساتھ پایہ تکمیل تک پہنچا دیا جو آثار السنن کی تقطیع پر بیس جلدوں میں آئی ہے۔ اور اس کتاب کا نام اعلاء السنن رکھا اور ایک مستقل جلد میں اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے جو اصول حدیث کی ایک عجیب نادر کتاب اور اس باب میں بہت ہی نافع ہے اور سچی بات کہنی پڑتی ہے کہ میں ان کے اس جمع اور استیعاب نیز ہر حدیث پر متناً و سنداً

فی الکلام علی کل حدیث بما تقتضی به الصناعة متنا وسندا من غیر ان یبدو علیه آثار التکلف فی تائید مذهبه بل الانصاف نائدہ عند الکلام علی آراء اهل المذهب فاغتبطت به غایة الاغتباط وہکذا تکون همة الرجال وصبر الابطال وطال الله بقائه فی خیر وعافیة ووفقه لتالیف امثاله من المؤلفات النافعه "

محدثانہ کلام سے جو فن حدیث کا تقاضا تھا حیرت میں پڑ گیا کیونکہ اس میں جو کلام کیا گیا ہے کسی جگہ اس میں اپنے مذہب کی تائید میں تکلف کے آثار ظاہر نہیں ہوئے بلکہ اہلِ مذاہب کی آراء پر کلام کرتے ہوئے ہر جگہ انصاف کو امام بنایا گیا ہے مجھے اس خاص طرز تصنیف سے انتہائی رشک پیدا ہوا مردوں کی ہمت اور بہادروں کی جفاکشی ایسی ہی ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ان کی عمر بخیر وعافیت دراز کرے اور ایسی ہی نافع کتابوں کی تالیف کی ان کو توفیق بخشے "

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندہلویؒ

اُوپر گزر چکا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی عیادت کے لیے دہلی گئے تھے مگر وہاں جا کر حضرت مولانا دہلوی کی خواہش پر حضرت مولانا مرحوم کو ایک ماہ قیام کرنا پڑا۔ حضرت دہلویؒ کا یہ آخری مرض وفات تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے اسی زمانہ قیام میں حضرت دہلویؒ کے ملفوظات بھی قلمبند فرمائے تھے جو مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے رقم کردہ ملفوظات کے ساتھ طبع ہو گئے ہیں۔ مولانا مرحوم کی اس آخری ملاقات کا تذکرہ مولانا کی قلم ہی سے سنئے۔ ارقام فرماتے ہیں :-

" آخری دفعہ جب وسط جون میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمایا ؎

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم   پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے ؟ (زمانہ سلف میں یہ وعدہ کیا تھا کہ کچھ دن تبلیغ میں دُوں گا) عرض کیا یاد ہے۔ مگر اس وقت تو دہلی میں گرمی بہت ہے رمضان میں تعطیل ہوں گی۔ بعد رمضان کے وقت دوں گا۔ فرمایا تم تو رمضان کی باتیں کرتے ہو یہاں شعبان کی بھی اُمید نہیں۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا اب میں رہ گیا ہوں۔ آپ دل بُرا نہ کریں۔ میں ابھی تبلیغ میں وقت دُوں گا۔ یہ سُن کر چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ میرے گلے میں باہیں ڈال دیں اور پیشانی کو بوسہ دیا اور دیر تک اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور بہت دُعائیں دیں "

(ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ صـــ ۲۱)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے مولانا مرحوم کے پاس پیغام بھیجا کہ میں اپنے متعلقین میں سے آٹھ آدمیوں کو قابلِ خلافت سمجھتا ہوں آپ اور مولانا عبد القادر رائے پوری اور مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث ان کو خلافت دیدیں اور ان میں سے ایک کو میری جگہ رہنے کے لیے منتخب کر دیں۔ تینوں مذکورہ حضرات نے بالاتفاق حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم کو جانشینی کے لیے منتخب کر دیا اور سب کو حضرت دہلوی کی طرف سے خلافت دے دی۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے مذکورہ تینوں بزرگوں کو تبلیغی جماعت کا سرپرست بنایا اور مولانا مرحوم سے فرمایا کہ اس جماعت میں شغل تبلیغ کی وجہ سے ذکر اللہ کی کمی آگئی ہے آپ ان کو ذکر کی تلقین کر دیں اور ان سے کہہ دیں کہ ایک مدت تک رائے پور کی خانقاہ میں ذکر کی تکمیل کریں کیونکہ خانقاہ رائے پور میں سکون زیادہ ہے۔ مولانا نے کہا کہ پھر شاہ عبد القادر صاحب کو بھی فرما دیا جائے کہ وہ ان سب کو ذکر کی تلقین کر دیں۔ مولانا دہلویؒ نے فرمایا کہ مولانا پر نقشبندیت

غالب ہے اور آپ پر چشتیت غالب ہے اور چشتیت اللہ تعالےٰ کو زیادہ محبوب ہے حضرت مولانا دہلوی کے ارشاد کے موافق مولانا مرحوم نے ان حضرات کو ذکر اللہ کی تعلیم دے کر خانقاہ رائے پور جانے کی ہدایت کر دی "۔

(انوار النظر صہ ۲۹ جلد ۲)

حضرت مولانا مرحوم نے حضرت مولانا دہلویؒ کے ارشاد مذکور کی وجہ میں اس طرح تحریر فرمایا ہے :-

" نقشبندیہ کے یہاں تصور شیخ پر بہت زور دیا جاتا ہے جو چشتیہ کے مذاق توحید پر گراں ہے "۔

(انوار النظر صہ ۲۹ ج ۲)

تصور شیخ کی جو اصل حقیقت ہے اور مشائخ طریقت کے نزدیک اس کا جو صحیح درجہ ہے اس کو حضرت مولانا مرحوم نے اپنے مکتوب بنام مودودی صاحب میں بڑی خوبی کے ساتھ واضح اور بیان فرما دیا ہے۔ جس کا ذکر اوپر باب تصوف میں آ چکا ہے۔ مولانا محمد الیاس صاحبؒ مولانا مرحوم کے اپنے پاس قیام کو بڑا باعث تسکین تصور کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ جو خود بھی حضرت مولانا دہلوی کے آخری ایام میں موصوف کی صحبت میں مقیم تھے اپنی کتاب " دینی دعوت " میں آخری مہینہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں ۔ " ان دنوں مولانا ظفر احمد صاحب کا بھی قیام تھا اور وہی گویا کہ علاج کے نگران و مشیر تھے عام مجالس اور اجتماعات میں عموماً دینی خطاب کرتے اور جلسوں میں وعظ و تقریر فرماتے۔ مولانا ان کے قیام سے بڑی تسکین و اطمینان محسوس کرتے تھے "۔ (دینی دعوت صہ ۱۵۴)

پھر صہ ۱۵۶ پر تبدیلی علاج کے سلسلہ میں لکھتے ہیں : یونانی علاج تبدیل ہوا

تو مولانا ظفر احمد صاحب کے مشورہ سے بایو کیمک علاج شروع ہوا "۔

آگے لکھتے ہیں " مولانا اہل دہلی اور بجاروں سے تقاضا فرماتے رہتے تھے کہ وہ مولانا ظفر احمد صاحب کی موجودگی سے فائدہ اٹھائیں۔ جلسے کریں اور مولانا سے تقریریں کرائیں۔ ان حضرات کے اہتمام سے شہر میں کئی جلسے ہوئے۔ آخری چہار شنبہ کے جامع مسجد والے جلسہ کے علاوہ، حوض والی مسجد، کالی مسجد (ترکمان دروازہ) بنے کی سرائے والی مسجد، قصاب پورہ اور جامعہ ملیہ میں جلسے ہوئے جن میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اور دوسرے مقررین نے تقریریں کیں "۔ (صہ ۲۹)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات کے بعد مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کا ارشاد

جب حضرت مولانا مرحومؒ حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلوی کی عیادت کے لیے دہلی گئے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے تو حضرت مولانا نے مولانا مرحوم کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت حکیم الامت نے انتقال سے پہلے آپ کو مبارکباد کے ساتھ بڑی بشارت دی ہے۔ ہماری نظر میں آپ بشارت سے پہلے بھی بڑے درجہ میں تھے مگر یہ بشارت بتلاتی ہے کہ حضرت آپ سے راضی گئے ہیں اور یہ بڑی دولت ہے۔ آپ نے حدیث میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے انتقال کے وقت خلافت کا معاملہ جن چھ حضرات کے سپرد فرمایا ان کی فضیلت میں یہی فرمایا تھا " توفی رسول اللہ وھو عنھم راض " کہ یہ چھ حضرات وہ ہیں جن پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر تشریف لے گئے ہیں "۔

(انوار النظر صہ ۳۰ جلد ۲)

یہ بشارت نامہ واقعی ایک دولت خداداد تھی جو حضرت مولانا کو اپنے شیخ سے حاصل ہوئی تھی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ تھانویؒ کے قلب مبارک کو حضرت مولانا کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق تھا اور پھر اخیر وقت تک یہ تعلق خاطر برابر قائم رہا۔ نیز مولانا کاندھلویؒ کی نظر میں حضرت مولانا مرحومؒ کا کیا مقام تھا اور حضرت مولانا موصوف کے حضرت مرحوم کے ساتھ کیسے خصوصی مراسم اور تعلقات تھے اس کا اندازہ بھی اسی سے ہو سکتا ہے۔

مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری نے اپنی بے نظیر شرح بخاری انوار الباری (اردو) کے مقدمہ کے شروع میں صـ پر فتح الباری، عمدۃ القاری وغیرہ بلند پایہ شروح حدیث سے اپنے استفادات کا تذکرہ کیا ہے اور جن کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک مجموعہ افادات اردو زبان میں مرتب کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ مولانا ممدوح نے ایسی کتابوں کے ساتھ حضرت مولانا مرحوم کی کتاب اعلاء السنن کا بھی شمار کیا ہے۔

نیز مولانا موصوف نے ہر دور کے محدثین کا ضروری اور مختصر تعارف کرانے کے لیے تذکرہ محدثین بھی لکھا ہے۔ اس کے حصہ دوم صـ۲۴۷ میں حضرت مولانا مرحوم کا تذکرہ بھی بڑی وقعت و عظمت سے کیا ہے اور حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف ذیل کے الفاظ سے کیا ہے:۔

"الشیخ الجلیل المحدث النبیل العلامہ ظفر احمد التھانوی حنفی دام ظلھم العالی"، مشہور و معروف علامہ محدث ہیں"۔ (انوار الباری صـ۲۴۷)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی

"مولانا ظفر احمد عثمانی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کر رہے ہیں۔"

علامہ سید سلمان ندوی

مولانا سید سلمان ندویؒ مولانا مرحوم کے علم و فضل کے بڑے معترف تھے۔ مولانا ندویؒ جب حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے تو حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ سے ان کے بڑے وسیع تعلقات ہو گئے تھے اور اسی تقریب سے مولانا مرحوم بزم معارف کے ایک اہم رکن ہو گئے تھے۔ مولانا کے مختلف موضوعات پر متعدد عالمانہ مضامین برابر معارف میں شائع ہوتے رہے۔

(رسالہ دارالعلوم دیو بند)

حضرت مولانا مرحوم کے رسالہ "کشف الدجیٰ" پر تقریظ لکھتے ہوئے علامہ سید سلمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

" فقد انعمت النظر فیما خط یراع الفاضل الجلیل المولوی ظفر احمد خالیفتہ قد اصاب المرمی واحاط بالمعنی واجاد فیما افاد وسدد فیما صدد اع "

نیز مولانا مرحوم کے مضمون حقیقت معرفت کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" ایک مضمون ہمارے دوست مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی" اعلاء السنن" کا ہے۔ موصوف ادب عربی میں کامل اور دینیات میں ماہر ہیں۔ اعلاء السنن کی ۱۹ جلدیں ان کی فضیلت پر شاہد عدل ہیں۔ چونکہ مجوزہ اجلاس معارف اسلامیہ کے نام سے پیش ہو رہا تھا اور موصوف علوم ظاہر کے ساتھ علوم باطن سے بھی مالا مال ہیں اس لیے اس موضوع پر موصوف کا خیال لفظ معرفت اور اسلام کی حقیقت باطنی کی طرف ملتفت ہوا۔

(معارف)

اس کے علاوہ مولانا مرحوم کے نام علامہ سید سلمان ندویؒ کے بہت سے مکاتیب معارف کے مختلف شماروں میں شائع شدہ ہیں جن سے آپس کے تعلقات پر

روشنی پڑتی ہے۔

مولانا سید مختار اللہ المدعو میرل شاہؒ

"منجم اللہ المولی الکریم الامجد الشیخ الفاضل الاوحد مولانا ظفر احمد فانہ سحر عن ساق امجد و قام بالجج الدامغہ لما شید بہ المتفتی ما اخترعہ من الدعوی واقام علیہ الطاقۃ الکبری واثبت فیما کشفہ من الدجی عن وجوہ الربوا" ۔الخ۔

مفتئ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

"حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ اس وقت اُن چند بزرگ ہستیوں میں سے تھے جو برصغیر پاک و ہند میں انگلیوں پر گنی جاتی ہیں جو مدتوں اکابر علماء و مشائخ کی نظر میں رہے اُن کی صحبتوں سے مستفید ہو کر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ آج دُنیا میں ان کی مثالیں کہاں اور کس طرح پیدا ہوں۔ وہ عہد حاضر کے ائمہ فن علماء، اولیاء، واتقیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ میرے اساتذہ کے طبقہ کے بزرگ تھے۔ اگرچہ اُن سے کچھ پڑھنے کی نوبت نہ آئی مگر میں انکا مقام اپنے اساتذہ جیسا ہی سمجھتا تھا۔"

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند

"حضرت مولانا عثمانی مرحوم برصغیر کے ممتاز علماء و فضلاء میں سے تھے۔ وہ ہم سب کے بزرگ اور مہربان تھے۔ اب ایسے عمیق علم و فہم کے حامل محدث و مدبر اور علوم دینیہ کے جامع ترین عالم کہاں پیدا ہوں گے۔ ان کی موت تمام عالم اسلام کی موت ہے۔ وہ اتباع سنت اور عظمت سلف کا خاص شغف رکھتے تھے۔ علوم شرعیہ اور رد مذاہب باطلہ میں بہت سی کتب کے بہترین مصنف تھے۔ علمی دُنیا میں آپ کا ایک خاص درجہ اور مقام تھا۔ ادبیت اور عربی و فارسی کی ادبی قوت بیمثال تھی۔ عربی زبان میں بے تکلف

اور بے تکلف بولتے تھے۔ عربی کے عظیم شاعر تھے۔ علوم فقہ و حدیث میں امامت کا مرتبہ حاصل تھا۔"

(مکتوب گرامی)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

"حضرت سے مولانا مرحوم کے مرتبہ و مقام کے بارے میں ایک تحریر مولانا جناب انیس احمد صدیقی کی ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ اس تحریر سے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مرحوم کے تاثرات حضرت مولانا مرحوم کے بارے میں واضح ہو رہے ہیں۔ وہ تحریر حسب ذیل ہے:-

"حضرت فقیہ الامت مولانا عثمانی کا علمی مقام ان کے بلند پایہ شاگرد کی نظر میں":

ایک مرتبہ میں نے حضرت استاذی مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مرحوم و مغفور سے دریافت کیا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مرحوم کا علمی مقام معاصرین میں کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں ان کا شاگرد ہوں اور میری طرح سے اُن کے بہت سے شاگرد ہیں۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ آپ کے علم اور فہم پر بہت زیادہ اعتماد فرماتے تھے۔ میں نے کہا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی میں کیا نسبت ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کا علم و فہم یقیناً زیادہ ہے۔ البتہ حضرت مدنی مرحوم چونکہ حضرت مولانا محمود الحسن مرحوم و مغفور کے ساتھ قید و بند کی تکالیف میں شریک رہے اور تحریک آزادی کی جد و جہد میں آپ کے ساتھ رہے اس لیے آپ کی شہرت زیادہ ہو گئی اس کے لیے اور بعض خصوصیات بھی حضرت مولانا مدنی مرحوم میں ہیں۔"

ایک اور واقعہ اس سلسلہ میں تحریر کرتا ہوں کہ "حضرت مولانا قاری

محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، دیوبند سے لاہور تشریف لائے تھے اور ٹنڈوالٰہ یار دار العلوم میں تشریف لے گئے۔ ایک عالم نو عمر نے محسوس کیا کہ حضرت قاری صاحب کی طرف مولانا عثمانی نے توجہ تو فرمائی۔ لیکن جس قدر خاص توجہ اور جس درجہ اُن کا احترام کرنا چاہیئے تھا وہ مولانا عثمانی نے نہیں کیا۔

وہ نو عمر عالم حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے متعلقین میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی رائے کا اظہار مولانا محمد ادریس صاحب کے سامنے کیا کہ قاری صاحب جس قدر احترام واکرام کے مستحق ہیں حضرت عثمانی نے اس قدر احترام واکرام نہیں فرمایا۔ مولانا نے فرمایا کہ کیا معاملہ پیش آیا۔ انہوں نے بتایا کہ متوجہ بھی ہوئے اکرام بھی کیا لیکن جس قدر اکرام و تعظیم کے مستحق تھے اس قدر نہیں فرمایا۔ حضرت مولانا کاندھلوی مرحوم نے فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کے سامنے قاری محمد طیب صاحب اور میں ایک شاگرد کی حیثیت سے پیش ہوتے ہیں اور وہ ہمارے مکرم و معظم استاذ ہیں۔ اگر وہ ہم سے خوش ہو کر بول بھی لیں اور معمولی سی توجہ بھی فرمائیں تو ہمارے لیے یہ بہت بڑے اعزاز و فخر کی بات ہے۔ تم حضرت قاری طیب کے ساتھ جس قدر تکریم و تعظیم کا معاملہ کرو کم ہے۔ تم نے اپنے اور حضرت عثمانی کو بھی قیاس کر لیا۔

مولانا بدر عالم میرٹھی

”مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک جلیل القدر محدث اور اس دور کے عظیم فقیہ ہیں“

مولانا خیر محمد صاحب جالندھری

”مولانا عثمانی علم کا خزانہ ہیں“

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی

”مولانا عثمانی علوم دینیہ اور قانون شرعیہ کے متبحر عالم تھے وہ شریعت کے مزاج کو خوب سمجھتے تھے اور عقل سے تولتے تھے۔ کوئی بات وزن دار اور تحقیق سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ وہ تمام عالم اسلام کے لیے چراغ ہدایت تھے۔ آہ! عالم اسلام ایک خدا رسیدہ بزرگ سے خالی ہو گیا“

(مکتوب گرامی)

مولانا موصوف اس اشکال کے جواب میں کہ حضرت حکیم الامت موجودہ طرز تبلیغ سے ناواقف تھے تحریر فرماتے ہیں:

”تعجب ہے اس مجہول روایت کی اطلاع حضرت کے اجل خلفاء کو نہ ہوئی بالخصوص مولانا ظفر احمد صاحب کو جو ہر وقت کے تھانہ بھون کے حاضر باش، خانقاہ کے مفتی اعظم اور حضرت قدس سرہ کے مسودات و ارشادات کے لکھنے والے ہیں“

(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات)

مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ

”مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے تھانہ بھون اور سہارنپور کی پوری تاریخ وابستہ تھی۔ آپ عالم تھے اور ذکی عالم، فقیہ تھے اور محدث رجال حدیث کے محقق تھے“

(ماہنامہ بینات ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

”مولانا عثمانی“ کی وفات سے عالم اسلام کے اہل علم کو زبردست نقصان پہنچا ہے“

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ

”برصغیر پاک و ہند میں حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کی یادگار اور استاذ الکل

کی حیثیت رکھتے تھے۔ پاکستان اپنے مذہبی بانی و سرپرست سے محروم ہوگیا ہے اور ان کی وفات سے علمی و دینی حلقے یتیم ہو گئے ہیں۔"

(روزنامہ "جنگ" کراچی)

مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

"اللہ تعالےٰ نے حضرت عثمانی کو حسن ظاہر اور حسن باطن سے نوازا تھا۔ وہ علم و عمل کے سمندر اور متانت و وقار کے پہاڑ اور اسلاف کی یادگار تھے۔"

مولانا کوثر نیازی سابق وزیر مذہبی امور

"مولانا عثمانی تحریک پاکستان کے عظیم رہنما تھے۔"

مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم اکوڑہ خٹک

"حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ کی زندگی اس قحط الرجال میں ایک مثالی زندگی تھی۔ اس دور کے بعد شاید ہی ایسے بے لوث اور سراپا اخلاص و عمل بزرگ مل سکیں۔ حق تعالےٰ نے انہیں حدیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت جلیلہ سے نوازا تھا۔ پھر حضرت حکیم الامت قدس سرہ جیسے مرشد و ہادی شیخ کامل کی رہنمائی اور سرپرستی میں علمی خدمات انجام دینے کا موقع عطا فرمایا اور اپنی ذہانت و تبحر علمی کی بدولت احادیث مبارکہ سے مذہب حنفی کی تائید و تقویت کا عظیم الشان کارنامہ "اعلاء السنن" جیسی تصنیف کی شکل میں انجام دیا جس پر حنفی دُنیا بالخصوص اور تمام علمی دنیا بالعموم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔"

مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری امیر انجمن اشاعت توحید و سُنت

"شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ اپنے دور کے جید ترین عالم، محدث و محقق اور عالم اسلام کے عظیم مفکر تھے۔ ان کی ہستی اس دور میں

مینارۂ نور تھی۔ ان کے وجود مسعود سے علم و دانش زہد و تقوےٰ اور یقین و معرفت کی بُنیادیں استوار تھیں۔ ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم تھا وہ علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی و للہیت کا بہترین نمونہ تھے۔ اُن کی موت عقل و دانش، تدبر و انتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے۔ اُن کے وجود سے علماء کا وقار قائم تھا۔ وہ حقیقۃً بقیۃ السلف تھے۔"

(مکتوب گرامی)

مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ جامعہ اشرفیہ لاہور

"ایسے زبردست عالم دین اور شیخ کامل جن کی رگ رگ میں دین بھرا ہُوا تھا اس زمانے میں اُن کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ دوسری بے شمار تصانیف کے علاوہ اُن کی دو کتابیں ان کے علوم و معارف کے تعارف کے لیے زندہ دلیلیں ہیں۔ ایک "احکام القرآن" اوّل کی دو منزلیں اور "اعلاء السنن" اٹھارہ جلدوں میں یہ تو ایسا زبردست شاہکار ہے کہ گذشتہ ہزار سال سے ایسی کتاب کی ضرورت تھی مگر اب تک وجود میں نہ آسکی تھی۔"

مولانا محمد متین خطیب صاحب

"حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ صرف ہند و پاکستان ہی کے لیے سرمایہ حیات نہ تھے بلکہ پُورے عالم اسلام کے لیے چراغ ہدایت تھے۔ آپ کا علمی فیضان بہت وسیع تھا اور آپ کی شخصیت بین الاقوامی شہرت کی مالک ہے۔ ایسی عظیم اور مقدس ہستیاں کہیں صدیوں کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔"

مولانا اطہر علی صاحب سلہٹی

"مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی اس وقت کے علماء اسلام کے امام ہیں۔"

مولانا عبد اللہ درخواستی مدظلہ

"حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ایک عظیم محدث فقیہہ اور عالم اسلام کے ممتاز راہنما تھے۔ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہیں ہو گا۔"

ڈاکٹر عبد الحئی صاحب عارفی خلیفہ حضرت حکیم الامت

"حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں فقہ وحدیث کے امام تھے۔ ان کی پوری زندگی خدمتِ اسلام میں گزری۔ اُن کے وجود سے خانقاہ کی عظمت باقی تھی۔ ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن تھیں۔ اور اصلاح و تربیت کی محفلیں آباد اور پُر رونق تھیں۔ وہ ایک مایۂ ناز محقق، مدبر، مفسر اور مفکر تھے۔ اور اپنے شیخ (ماموں) کا نمونہ تھے۔" (مکتوبِ گرامی)

مفتی رشید احمد لدھیانوی

"ایسی عظیم ہستی کے بارے میں کیا کہوں۔ وہ ایک عظیم المرتبت شخصیت کے مالک تھے۔ اس وقت سب سے بڑے محدث اور فقیہہ تھے۔ اُن کا غم ہمیشہ رہے گا۔"

مفتی عبید اللہ صاحب دار العلوم عبیدیہ ڈیرہ غازی خان

"وہ عالمِ اسلام کے عظیم مذہبی اور روحانی پیشوا تھے۔ ان کی خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔"

حضرت مولانا فقیر محمد صاحب خلیفہ حضرت تھانوی

"مولانا عثمانی بہت بڑے مذہبی رہنما تھے۔ ایسی ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اسلاف کا عین نمونہ تھے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اُن کے نقشِ قدم

پر چلائیں۔"

مولانا قاضی شمس الدین صاحب جامعہ صدیقیہ گوجرانوالہ۔

"مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جُدائی ہم سب کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ وہ ہمارے سرپرست اور بُزرگ تھے۔ انہوں نے زندگی کے تمام لمحات کتاب اللہ اور حدیثِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اشاعت واحیاء میں بسر کئے۔ وہ ایک متبحر عالم اور اس دور کے بے مثل فقیہہ تھے۔"

جناب مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ایبٹ آبادی

"مخدوم العلماء حضرت مولانا عثمانی قدس سرہٗ کے علمی روحانی اور باطنی مقام کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہنا بے ضرورت ہوگا کہ آپ نے حضرت حکیم الامّت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے زیرِ سایہ تعلیم و تربیت پائی۔ اور علمی وعرفانی مقام حاصل کیا اور پھر اپنے ان پیشواؤں کے نقشِ قدم پر چل کر دینِ اسلام اور شریعت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ خدمت کی جو رہتی دُنیا تک یاد رہے گی۔"

مولانا حبیب اللہ صاحب جالندھری ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال

"حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ بڑی عظیم شخصیت کے مالک تھے ہم تو اُن کے شاگرد اور خوشہ چین ہیں۔ وہ مفسرِ قرآن کریم تھے۔ وہ عظیم محدث تھے، فقیہہ تھے۔ حضرت حکیم الامت مجدد الملّت کے نہ صرف عزیز تھے بلکہ خلیفۂ ارشد بھی تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے اُنہوں نے "اعلاء السنن" جیسی حدیث کی کتاب لکھی۔ وہ پاکستان کے بانیوں اور معماروں میں شمار کئے جاتے تھے۔"

مولانا محمد شریف صاحب نواں شہر ملتان خلیفہ حضرت تھانوی

"حضرت عثمانی مرحوم کی زندگی کا ایک ایک شعبہ رشد و ہدایت کی شمع تھا۔ آپ نہایت متواضع منکسر المزاج، عابد و زاہد اور ایک عارف کامل تھے۔ بڑے بڑے علماء و اکابر کسی مشکل مسئلہ میں آپ کی طرف سے "ہاں" یا "نہیں" کے حتمی فیصلے کو حجت اور کافی سمجھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کے مرتبۂ علم و عمل کا پہچاننا معمولی حیثیت کے عالم کا بھی کام نہ تھا۔"

مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

"انہوں نے اپنی زندگی قرآن و حدیث کی خدمت میں صرف کر دی۔"

مولانا محمد بشیر جالندھری

"مولانا عثمانی خیر القرون کی یادگار تھے۔"

مولانا سمیع الحق مدیر "الحق" پشاور

"مولانا عثمانی اپنے اسلاف کی روایات کے امین تھے۔"

مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ

"مولانا عثمانی ایک عظیم عالم دین تھے۔"

مولانا محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

"مولانا عثمانی "جمیع اوصاف و خصائل کے مالک تھے۔"

مولانا محمد تقی عثمانی مدیر "البلاغ" کراچی

"آپ کی (حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ) تالیف "اعلاء السنن" اس صدی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔"

مولانا بہاء الحق قاسمی

"حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ایک عظیم دینی اور قومی نقصان ہے۔"

مولانا نذر محمد شاہ بخاری

"ان کی موت سے جو چراغ گل ہوئے وہ ہمیشہ روشنی کو ترسیں گے۔"

مولانا عبد الرحمن بیخود

"آپ کی ذاتِ گرامی قدیم اکابر اُمت کا کامل نمونہ تھی۔"

مولانا سید ابو معاویہ ابن سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

"اوائل دسمبر ۱۹۷۴ء میں ایک شام اچانک یہ خبر ملی کہ ملک کے مایہ ناز عالم، فقیہہ و محدث، ادیب و مصنف اور متکلم بزرگ حضرت مولانا العلامہ الشیخ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضرتؒ برصغیر ہند و پاکستان کی ایک معروف اور مسلمہ علمی شخصیت ہیں۔ خصوصاً حدیث و فقہ میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کیساتھ بہت قریبی رشتہ مندی کا تعلق اور علمی و روحانی رابطہ رکھتے ہیں۔ تحریر انتہائی جامع متین اور سلیس و عام فہم ہوتی ہے۔"

مولانا اکرام قادری

"قحط الرجال کے اس دور میں ایسے جید علماء اپنے بعد کبھی نہ پُر ہونے والا خلا چھوڑ جاتے ہیں۔"

مولانا گلزار احمد مظاہری

"مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ کی وفات عالم اسلام کے لیے ایک سانحہ ہے۔"

مولانا مفتی عبیداللہ صاحب

"آپ کی خدمات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔"

مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی

"آپ ایک عظیم محدث فقیہ اور قابل اُستاد تھے۔"

مولانا عبدالرشید ارشد ایڈیٹر "الرشید" لاہور

"حضرت مولانا عثمانیؒ ان عالمان دین کی قسم میں سے ایک تھے جن کے علم و عمل اور تقوے و طہارت سے اسلامی تاریخ کے اوراق روشن و تابندہ ہیں۔

مولانا عثمانیؒ زعماءِ ملّت اور مدیرانِ جرائد کی نظر میں

حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ

"آپ ہی کی کوششوں سے ہمیں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔"

شہیدِ ملت لیاقت علی خاں

"آپ کی تحریر و تقریر نے باطل کے اثرات ختم کر دیے۔"

جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز بن سعود مرحوم

"آپ تو ہمارے دیرینہ دوست ہیں۔"

خواجہ ناظم الدین مرحوم

"آپ کی جادو بیانی نے مجھے بیحد متاثر کیا ہے۔"

نورالامین سابق نائب صدر پاکستان

"آپ ایک حق گو عالم دین ہیں۔"

بابائے صحافت مولانا ظفر علی خاں

ع میرے اس قول کی تائید کریں گے علماء
پوچھ لو جا کے ظفر احمد عثمانی سے

(نگارستان ص۱۲۶)

چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان

"مجھے آپ کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے۔"

مولانا ظفر احمد انصاری ایم این اے

"اُن کی موت سے علمی و مذہبی حلقوں میں حقیقی خلاء پیدا ہو گیا ہے۔"

رانا ظفر اللہ خاں

"ان کی موت ایک عظیم قومی نقصان ہے۔"

پروفیسر غفور احمد ایم این اے

"آپ پاک و ہند کے ممتاز علماء میں سے تھے۔"

مولانا جان محمد عباسی

"ان کی وفات ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔"

نوابزادہ نصر اللہ خاں

"مولانا عثمانی عالم اسلام کے عظیم رہنما تھے۔"

سردار شیر باز خاں مزاری ایم این اے

"آپ پاکستان کے معماروں میں شمار ہوتے تھے۔"

آغاشورش کاشمیری مرحوم

"مولانا اُن ہستیوں میں سے تھے جو کسی بھی قوم کے لیے سرمایۂ افتخار ہُوا کرتی ہیں۔"

جناب مجید نظامی ایڈیٹر "نوائے وقت" لاہور

"وہ حق بات کہنے سے کبھی نہ چوکتے تھے۔"

جناب مُجیب الرحمٰن شامی

"سلہٹ سے لے کر پشاور تک اس مردِ حق کی آواز گونجی۔"

میر خلیل الرحمٰن ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی۔

"آہ! دین کا کیسا عالم اور ملّت کا کیسا خادم تھا جو ہم سے چھن گیا۔"

جناب سجاد میر

"آپ پر عرب و عجم کو ہمیشہ ناز رہے گا۔"

مُفتی عبدالرحمٰن خان

"آپ کی خدمات جلیلہ ناقابلِ فراموش ہیں۔"

پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹیؒ

"آپ نے تحریکِ پاکستان میں بڑا کام کیا ہے۔"

پروفیسر احمد سعید

"مولانا کا شمار قوم کے محسنوں میں ہوتا ہے۔"

مولانا قاضی شمس الدینؒ

"آپ ولی کامل، محدّث، مفکّر اور محقق تھے۔"

✿

قومی جرائد کا آخری خراجِ عقیدت

ماہنامہ "بیّنات" نیو ٹاؤن کراچی میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ بصائر و عبر کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"کل من علیہا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔ کل ابن انثی وان طالت سلامتہ یوما علی آلۃ حدباء محمول۔

آہ! آج مسندِ علم و تحقیق مسندِ تصنیف و تالیف مسندِ تعلیم و تدریس مسندِ بیعت و ارشاد بیک وقت خالی ہو گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

۲۳ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ (۸ دسمبر ۱۹۷۴ء) اتوار کی صبح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور واصل بحق ہُوئے۔ اس مردِ حق نے زندگی کی نوّے منزلیں طے کر کے سفرِ آخرت کے لیے قدم اٹھایا۔ ختم ہونیوالی زندگی ختم ہو گئی اور نہ ختم ہونیوالی زندگی کے لیے عالمِ برزخ میں قدم رکھا۔

مولانا عثمانی رحمہ اللہ علیہ کی ذات سے تھانہ بھون اور سہارن پور کی پُوری تاریخ وابستہ تھی اور عالم تھے وہ ذکی عالم فقیہ تھے اور محدّث رجال حدیث کے محقق تھے۔ اصولِ حدیث کے نہ صرف ماہر بلکہ اس علم کے مبحات کو کُتبِ حدیث و رجال سے تلاش و جستجو کے ذریعہ جمع کرنے والے تھے۔ اکابر اُمت اور جہابذہ عصر کی توجہات کا مرکز رہے۔ مراکز علم میں علوم حاصل کئے اور مرکز صدق و صفا میں

تربیت پائی۔ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی محبت و شفقت کے زیر سایہ تمام علمی و تصنیفی کارنامے انجام دیئے۔ علمی جواہرات کو ملفوظات و تقریرات کی صورت میں قلمبند کرتے کرتے خود صاحبِ جواہرات بن گئے۔ نسبی نسبت نے علمی و عرفانی نسبت تک پہنچا دیا۔ تحریر و تقریر میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ علیہ کے جلوے نظر آنے لگے۔ عربی کے ادیب اور شاعر تھے۔ عربی نظم و نثر پر یکساں قدرت تھی۔ علمی کمالات کے ساتھ مزاج میں حد درجہ سادگی تھی۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ اس شہیدِ علم کی یہ ایک کتاب ہی ان کی آئینہ کمالات ہے۔ اگر کوئی اور تصنیف نہ بھی ہوتی تو صرف یہ ایک کتاب ہی کافی و شافی تھی۔ حالانکہ ان کے قلمِ خوب رقم سے کتنے ہی جواہرات مرصع خزانۂ علم میں آئے ہیں۔ ان کی قابلِ رشک زندگی کا پہلو یہ ہے کہ آخر لمحہ حیات تک تدریسِ حدیث اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔

اعلاء السنن کا پہلا حصّہ جو احیاء السنن کے نام سے چھپا تھا وہ نامقبول ہوا تھا اور اس میں کچھ ایسی چیزیں آگئی تھیں جس سے کتاب کا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ اس کو دوبارہ اُدھیڑ کر "خذ ما صفا و دع ما کدر" کے پیشِ نظر جدید تصنیف بنائی۔ حق تعالےٰ کی ہزار ہزار ہا رحمتیں ہوں اس شہیدِ علم پر جس نے آخری لمحۂ زندگی کو خدمتِ علم میں صرف کیا۔

مظاہر العلوم سہارنپور سے فراغتِ علوم کی سند حاصل کی اور وہیں عرصہ تک تدریسِ علوم کی خدمت انجام دیتے رہے۔ پھر ڈھاکہ وغیرہ میں رہے۔ کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں رہے اور آخری زندگی کے تقریباً بیس سال تک دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں گزارے۔ افسوس! کہ یہ سال علمی سانحوں سے

لبریز ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی وفات ایک علمی حادثہ تھا۔ اور اس کے زخم ابھی مندمل نہ ہونے پائے تھے کہ حضرت عثمانی کے عظیم سانحہ نے ہمارے قلوب کو مجروح کر دیا۔ صدمہ اس بات کا ہے کہ ان اکابر کے رخصت ہو جانے سے اُن کی مسندِ علم و فضل ہمیشہ کے لیے خالی ہو جاتی ہے اور کوئی اس کو پُر کرنے والا مستقبل میں بھی نظر نہیں آتا ہے۔ عرصہ دراز سے دردناک سلسلہ یوں ہی جاری ہے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حق تعالےٰ حضرت مرحوم کو رحمتِ رضوان کے درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔ اور ان کی علمی خدمات کو قبول فرمائیں اور ان کے لیے اجر و ثواب کا عظیم سرمایہ بنائے اور ان کے زلات سے درگزر فرمائیں۔ آمین۔

(از بیّنات کراچی، بابت ماہ ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ)

جناب مولانا سمیع الحق صاحب دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک — پشاور رقمطراز ہیں :-

علامہ محمد ادریس کاندھلوی کے بعد علاّمہ ظفر احمد عثمانی کی جُدائی

" ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے کہ علامہ یگانہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ملّت اسلامیہ کو داغِ مفارقت دے گئے جو اپنے تبحرِ علمی اور وسعتِ مطالعہ، سادگی، قناعت اور زہد و تقوےٰ کے لحاظ سے اسلاف دیوبند کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ چلتا پھرتا علم اور زندہ کتب خانہ، علم اور کتابوں میں معمور و مخمور۔ بات سے بات نکلتی اور عام فہم باتوں کا سرا بھی علم کے پیچیدہ عقدوں اور کلام و فلسفہ کے غوامض سے جا ملتا اور پھر چٹکیوں میں ہر مسئلہ سُلجھا بھی دیا جاتا۔ علم اور مطالعہ کی دُنیا میں ان پر جذب و وارفتگی کی ایسی کیفیت طاری رہتی جس کی مثالیں ہمارے عروج علمی

کے ماضی میں مل سکتی ہیں اور جو جہل و سطحیت کے اس طوفانی دور میں عنقا ہوتی جا رہی ہیں۔ علامہ کاندھلوی کی جدائی کے ماتم سے ابھی علمی اور دینی ایوان فارغ نہیں ہوئے تھے کہ علم و سیاست میں مولانا کاندھلوی کے مکتبِ فکر ہی کے ایک اور ممتاز بزرگ اور رہنما حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ العزیز کا بھی وصال ہو گیا۔ سیاسی نظریات اور طرزِ عمل میں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن جو علم، دین اور عمل ہمارے اسلاف کا طرہ امتیاز ہے اس سے کسی متعصب مخالف کا بھی انکار کرنا علم کی ناقدرشناسی ہے۔ علامہ عثمانی مرحوم بھی مطالعہ، تصنیف، درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، جذبہ علم و عمل میں اپنے اسلاف کی روایات کے امین تھے اور نہایت ہی واجب الاحترام شخصیت، برصغیر میں علم حدیث اور فقہ حنفی کی خدمت کرنے والے اکابر میں ان کا نام سرِ فہرست رہے گا۔ رہ گئیں ملکی خدمات اور قیام پاکستان کے لیے ان کی جد و جہد تو جس جرنیل نے عمر بھر پاکستان کی خاطر پرائے تو کیا اپنوں سے بھی جھگڑا مول رکھا اور جس جرنیل کے فتح کے بعد ملک کے آدھے حصے مشرقی پاکستان پر پاکستان کا جھنڈا لہرایا اس کی خدمات اور کارناموں کو تاریخ کیوں فراموش کرے گی۔ اور تاریخ تو اس بارے میں بڑی وسیع النظرف ہے وہ نہ صرف عمل اور سعی بلکہ اس کے تاریخی محرکات اور ہر قسم کے عوامل کو بھی اپنے سینے میں محفوظ رکھ کر آگے نسلوں تک یہ سب کچھ منتقل کر دیتی ہے۔ مگر افسوس تو پاکستان کے سیاہ و سپید کے مالکوں پر ہے کہ اپنے ایسے جرنیلوں کی وفات پر بھی نہ تو کوئی جھنڈا سرنگوں ہوتا ہے نہ راگ و رنگ میں ہی کچھ وقفہ آتا ہے نہ قومی سطح پر کوئی خراج تحسین اور ستائش ہوتی ہے۔ پاکستان کے پرچم دینے والے بزرگوں پر پاکستان بننے کے فوراً بعد سے لے کر اب تک کیا بیتی۔ وہ تو ایک مستقل المناک باب ہے۔ بہرحال ہم علامہ عثمانی قدس اللہ سرہ العزیز

کی علمی اور دینی عظمتوں کو سلام کہتے ہوئے اس حادثۂ علم میں علمی دنیا کے شریک اور مرحوم کے درجات عالیہ کے متمنی ہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

(از ماہنامہ "الحق" بابت ماہ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ)

مولانا محمد تقی صاحب مدیر ماہنامہ "البلاغ" کراچی

"اور بڑھی تاریکی" کے عنوان سے حضرت مولانا مرحوم کی علمی اور سیاسی خدمات کا تفصیلی تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے صرف تین نمایاں ترین کارناموں کا مختصر تعارف تھا۔ اس کے علاوہ بھی حضرت موصوف رحمہ اللہ علیہ نے مختلف دینی موضوعات پر عربی اور اردو میں دسیوں کتابیں یا مقالات لکھے ہیں لیکن اگر صرف مذکورہ بالا تینوں کاموں ہی کو دیکھا جائے تو بلاشبہ وہ ایسے کام ہیں جو آج کے دور میں بڑی بڑی اکیڈمیاں سالہا سال کی محنت اور لاکھوں روپے کے خرچ سے بھی انجام نہیں دے پاتیں۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ نے یہ سارا کام تن تنہا انجام دیئے۔

مولانا کی انہی خدمات کا اثر تھا کہ جب پاکستان بنا اور اس سرزمین پر پہلی بار پاکستان کا قومی پرچم لہرانے کا وقت آیا تو قائد اعظم کی نگاہِ انتخاب دو حضرات پر پڑی۔ ایک شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ جنہوں نے مغربی پاکستان میں یہ جھنڈا لہرایا اور دوسرے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جن کے ہاتھوں سے مشرقی پاکستان میں یہ پرچم بلند ہوا۔

عبادت و تقوے میں حضرت مولاناؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ

اور حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ جیسے حضرات کی صحبت اٹھائی تھی ان کی عملی زندگی میں اس صحبت کا اثر نمایاں تھا۔ ہم جیسے طفلانِ مکتب نے انہیں ضعف و کبرسنی کی حالت ہی میں دیکھا لیکن اس عمر میں بھی ان کی ہمت و عزیمت اور ان کا جذبہ و حوصلہ ہم جوانوں کے لیے قابلِ رشک تھا۔ آخر وقت تک دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں صحیح بخاری کا درس دیتے رہے اور پچاسی سال کی عمر میں ضعف و امراض کے ساتھ بھی نہ صرف پانچوں وقت کی نمازیں مسجد میں باجماعت ادا کرتے بلکہ ظہر و عصر کی نمازوں میں امامت بھی خود فرماتے تھے۔

احقر کو مشرقی پاکستان کے ایک دورہ میں آپ کی رفاقت میسّر ہوئی ضعف و علالت کے باوجود عبادات کا اہتمام اور وعظ و تذکیر کا جذبہ ہر دم جوان معلوم ہوتا تھا۔ آخری بار دارالعلوم تشریف لائے تو دارالعلوم کے اساتذہ نے ان سے اجازتِ حدیث لی۔ اس وقت کمزوری کا یہ عالم تھا کہ موٹر میں بیٹھنے کے لیے بھی دو آدمیوں کے سہارے کی ضرورت تھی لیکن اسی مجلس میں احکام القرآن کی تکمیل کے لیے تصنیفی کام کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور کہا کہ جب مجھے مرض اور کمزوری کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے تو میں صحیح بخاری کا درس شروع کر دیتا ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ اس کی برکت سے صحت و قوت عطا فرما دیتے ہیں۔

حضرت مولانا کے ساتھ موجودہ صدی کی ایک تاریخ رُخصت ہو گئی۔ وہ ان مقدس ہستیوں میں سے تھے جن کا صرف وجود ہی نہ جانے کتنے فتنوں کے لیے آڑ بنا رہتا ہے۔ ان کی وفات پورے عالم اسلام کا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور

ہمیں اُن کے فیوض سے مستفید ہونے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(البلاغ ۶ ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ)

دارالعلوم دیوبند' کے حرفِ آغاز میں مرقوم ہے:

"جید الاستعداد پرانے علماء ایک ایک کر کے اُٹھتے جا رہے ہیں اور جو جگہ خالی ہوتی ہے وہ کبھی پر نہیں ہو پاتی۔ اس دورِ انحطاط میں یہ بڑا حادثہ ہے۔ ابھی اسی ماہ دسمبر میں یہ اندوہناک خبر آئی کہ پاکستان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی وفات ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالےٰ بال بال مغفرت فرمائے۔ مولانا مرحوم ایک ذی استعداد اور صاحب تصنیف و تالیف بزرگ تھے۔ آپ کی تربیت حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے فرمائی تھی۔ اور جب تک حضرت تھانویؒ زندہ رہے، مولانا مرحومؒ آپ کی ہی خدمت میں حاضر رہے۔ مذہب احناف کے متعلق ایک حدیث کا مجموعہ تیار کرنے کا جب پروگرام بنا تو اس کام پر حضرت تھانویؒ نے مولانا مرحوم کو لگایا اور آپ نے اس خدمت کو حُسن و خوبی کے ساتھ چودہ پندرہ جلدوں میں مکمل کیا جو اعلاء السنن کے نام سے اہل علم میں مشہور ہے۔ جن لوگوں نے اعلاء السنن کا مطالعہ کیا ہے وہ گواہی دیں گے کہ مولانا مرحوم نے اس مجموعے کی تیاری میں کتنی محنت کی ہے۔ اور کتنا عجیب و غریب حدیث کا ذخیرہ جمع فرما دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی حضرت مولانا مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سے علمی مقالات لکھے ہیں اور بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔"

(دارالعلوم ص۳۰ بابت فروری ۱۹۷۵ء)

"کوائف دارالعلوم دیوبند" کے زیرِ عنوان ایک ذیلی عنوان "مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا سانحۂ ارتحال" قائم کر کے لکھا ہے:

"۲۳ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ (۸ دسمبر ۱۹۷۴ء) کو پاکستان ریڈیو سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر معلوم ہو کر دارالعلوم دیوبند کے علمی و دینی حلقوں میں بھی لوگوں کو افسوس اور قلق ہُوا کہ برصغیر میں علم و عرفان کی ایک شمع فروزاں گل ہو گئی۔ حضرت مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ جماعت دیوبند میں غالباً عمر کے لحاظ سے سب سے بڑے تھے اور بزرگوں کی یادگار تھے۔ ان کا سانحۂ ارتحال علمی اور دینی حلقوں کا ایسا زبردست نقصان ہے جس کی تلافی کی بظاہر کوئی بھی صورت نظر نہیں آتی۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ تھانوی مشہور تھے۔ مگر اُن کا اصل وطن دیوبند ہے محلہ دیوان کے رہنے والے تھے۔ دیوان لطف اللہ کی اولاد میں سے تھے جو شاہجہان کے عہد میں دیوان کے منصب جلیل پر فائز تھے۔ دارالعلوم کے قریب دیوان دروازہ اب تک اُن کی یادگار موجود ہے۔ مولانا عثمانی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے بھانجے تھے۔ چونکہ بچپن سے ننھیال تھانہ بھون میں قیام رہا اس لیے دیوبندی کے بجائے تھانوی مشہور ہو گئے تھے۔

مولانا خلیل احمد انبہوٹویؒ سے حدیث کی تکمیل کر کے ۱۳۲۹ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم میں مدرس مقرر ہو گئے۔ ۱۳۳۹ھ میں جب حج سے واپس آئے تو حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے انہیں تھانہ بھون میں قیام کے لیے ارشاد فرمایا اور تفسیر بیان القرآن کی تلخیص کا کام اُن کے سپرد کیا۔ بیان القرآن کا یہ خلاصہ تلخیص البیان کے نام سے قرآن شریف کے حاشیہ پر چھپ چکا ہے۔ احکام القرآن کے ابتدائی دو حصے

بھی انہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ علمی دینی اور سیاسی حیثیت سے علماء کی جماعت میں انہیں نمایاں مقام حاصل تھا۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کو ان کے علم و فضل پر بڑا اعتماد تھا۔"

(دارالعلوم ص۲۰ فروری ۱۹۷۵ء)

دارالعلوم جامعہ رشیدیہ ساہیوال کا علمی و دینی مجلہ کے تاثرات

"حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ"

"حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے انتقال کا زخم ابھی تازہ تھا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ بھی ان کے ساتھ جا ملے اور پُوری علمی دُنیا اُن کے غم میں سوگوار ہو گئی۔ حضرت مولانا عثمانی ان عالمانِ دین تیم میں سے ایک تھے جن کے علم و عمل اور تقوے و طہارت سے اسلامی تاریخ کے اوراق روشن اور تابندہ ہیں اور جن کے تفقہ اور تدریس کی بدولت ہزارہا علماء کرام برصغیر پاک و ہند میں درس و تدریس میں مشغول و مصروف ہیں۔ خانوادہ قاسمی جن محقق علماء پر فخر کر سکتا ہے ان میں ایک نام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا ہے۔ آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء و حکم پر حدیث کی ایک کتاب "اعلاء السنن" ترتیب دی جس میں ذخیرہ احادیث سے ان احادیث کا انتخاب ہے جو فقہ حنفی کی بُنیاد ہیں۔ یہ کتاب کئی ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ آپ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کے ارشد تلامذہ اور حکیم الاُمت کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ ان دونوں بزرگوں کی صحبت و فیضان سے آپ میں عمیق رسوخ فی العلم والعمل پیدا ہُوا۔ قیام پاکستان سے پہلے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اور اب کئی برس سے اشرف العلوم ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدرآباد میں شیخ الحدیث تھے۔ پچاسی برس کے لگ بھگ عُمر تھی جو ساری کی ساری درس و تدریس اور اشاعتِ علم دین میں گزاری۔

آزادی سے پہلے آپ ان علماء کرام کے سرخیل تھے جن کی جدّ وجہد اور مساعی جمیلہ سے تحریکِ پاکستان دینی حلقوں میں متعارف ہوئی اور جنہوں نے خالصتاً اس نیت سے تحریکِ پاکستان میں حصّہ لیا کہ پاکستان میں بھی منہاج النبوت خلافت راشدہ کے انداز کی اسلامی حکومت قائم ہو گی۔ قیام پاکستان سے قبل سرحد اور سلہٹ (آسام کا ضلع) میں استصواب ہوًا تھا۔ سرحد کے استصواب میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور سلہٹ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھے۔ ان دونوں حضرات کو علی الترتیب کراچی اور ڈھاکہ میں پاکستان کے ہلالی پرچم کی نقاب کشائی کے لیے منتخب کیا گیا۔

لیکن افسوس، کہ اکابر کی جدوجہد اور اجتہاد جو قیام پاکستان کے ثمرہ پر منتج ہُوئی اس میں سال بہ سال اسلام سے دُوری اور بے زاری بڑھتی گئی اور انہی حضرات کو ایک بہت بڑے فتوے پر دستخط کرنے پڑے جو سوشلزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے دیا گیا تھا۔ لیکن اسی قوم نے ان بزرگوں کے فتوے کو ماننے سے انکار کر دیا کہ جن کے فتوے، اجتہاد سے پاکستان کے قیام میں مدد ملی تھی۔

یہ ایک طویل بحث ہے جس کی جزیات و تفصیلات بہت تلخ ہیں۔ مختصراً یہ کہ ہم اتنا کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس لیے ہُوا کہ علماء کی اکثریت نے اس تندہی اور یک جہتی سے وہ پاکستان پر کام نہ کیا جس کے کرنے کی ضرورت تھی۔ طالع آزما لوگ برسرِ اقتدار آتے رہے اور حالات یہاں تک پہنچ گئے جس کا ایک نتیجہ سقوطِ ڈھاکہ کی شکل میں ملّت دیکھ چکی ہے۔ ان حضرات کا ایک بڑا گروہ کہ جنہوں نے تحریکِ آزادی اور قیامِ پاکستان کے لیے کوشش کی تھی اپنی زندگی میں

اپنے خواب کی تعبیر "اسلامی حکومت" کی حسرت لیے اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔ مولانا عثمانی کے جنہوں نے ڈھاکہ میں بصد تمنا پرچم پاکستان لہرایا تھا اپنی زندگی میں ہی یہ دیکھا کہ وہ علاقہ پاکستان سے کاٹ دیا گیا۔

حضرت مولانا کی وفات سے ہم اس عظیم نشانی سے محروم ہو گئے کہ جن کی قیادت سے تحریکِ پاکستان پروان چڑھی تھی اور جو اس قحط الرجال کے دور میں کتاب وسُنت اور فقہ حنفی کے باب میں سند اور حجت تھے۔ حضرتؒ کا انتقال دینی درسگاہوں اور مسند ہدایت و ارشاد کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ تعلیم و تربیت کے یہ مراکز خالی ہوتے جا رہے ہیں اور ان کو پر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالےٰ سے دُعا ہے کہ وہ حضرت مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور علم وعمل کے جو نقوش ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں ان پر ہمیں چلنے، اُجاگر کرنے اور زندہ رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ ("الرشید" ص۲ و ص۳۲)

مولانا غلام غوث ہزاروی اپنے ہفت روزہ اخبار "الجمعیت" راولپنڈی میں "اللہ والوں کی کمی" کے زیرِ عنوان رقمطراز ہیں:-

"ہمارے زمانہ میں خاص کر اس سال میں اللہ والوں کی بہت بڑی کمی ہوئی۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ فوت ہو گئے۔ مولانا موصوف کی وفات سے طبقہ علماء میں بڑی کمی ہوئی اور اب تک اُن کی جگہ پُر نہیں ہو سکی اور شاید پُر نہ ہو سکے۔ اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی کی وفات کو ساری دنیا نے محسوس کیا۔ اپنے پرائے سب اُن کے علم کے قائل تھے ان کو طریقت میں بڑی دستگاہ حاصل تھی اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت مدنیؒ، حضرت علامہ انور شاہؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مفتی کفایت اللہ کے بعد اگر کسی کے افتاء یا بیان کردہ مسئلہ پر سو فیصدی یقین کیا جا سکتا تھا تو وہ حضرت مولانا مرحوم ہی تھے۔"

(الجمعیۃ ص۱۱ ۴ر اپریل ۱۹۷۵ء)

ہفت روزہ "اداکار" لاہور

مجیب الرحمٰن شامی ہفت روزہ "اداکار" لاہور میں "ایک جرنیل کی موت" کے عنوان سے رقمطراز ہیں :-

" مولانا ظفر احمد عثمانی بھی رخصت ہوئے ۔ اس مردِ بزرگ نے بھی آنکھیں بند کر لیں کہ شاید اب نئے پاکستان کے طور اطوار دیکھنے کی ہمت نہ رہی تھی ۔ یہ بوڑھا آدمی، جو آج کراچی میں ہمیشہ کے لیے سو رہا ہے ۔ برصغیر کے مسلمانوں کو اس نے سونے نہ دیا ۔ انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کیا ۔ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا ۔ سلہٹ سے لے کر پشاور تک اس کی آواز گونجی کہ مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ ۔ سلہٹ کا ریفرنڈم جیتنا اسی مردِ ضعیف کا کارنامہ تھا ۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کا پیغام اس خوبی سے لوگوں تک پہنچایا کہ مولانا حسین احمد مدنی کا دامِ قومیت تار تار ہو گیا ۔ سلہٹ ، جو مدنی صاحب کا گڑھ تھا اور ان کا خاص علاقہ سمجھا جاتا تھا اسے قائداعظم کے اس سپاہی نے فتح کر لیا ، تسخیر کر لیا ۔

پاکستان بنا تو ڈھاکہ میں پاکستانی پرچم لہرانے کی سعادت اسی (اب) مرحوم و مغفور کو حاصل ہوئی اور پھر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ معتمد نائب اسلامی دستور کی جدوجہد میں شریک ہوا ۔ علماء کے ۲۲ نکات کی ترتیب میں حصہ لیا اور جب حالات کی ویرانی بڑھی ، قویٰ مضمحل ہوتے تو مدرسہ ٹنڈو الٰہ یار میں حدیث کے چراغ جلائے ، بے شمار کتابیں لکھیں اور بے شمار شاگرد پیدا کیے ۔ نوجوان بنائے ، سنوارے جن کے سینے ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روشن ہیں ۔

پاکستان ٹوٹ گیا ۔ یہ کتنی بڑی سزا تھی جو پاکستان توڑنے والوں نے

مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو دی ۔ اس جواں مرگی نے انہیں اور بوڑھا کر دیا ۔ پاکستان کا ذکر آتا تو روتے اور زار و قطار روتے ۔ یہ رونا عمر بھر کا تھا اور اسی نے اس بزرگ سے جینے کی آرزو چھین لی ۔

اس بوڑھے کو دیکھیے اور ان کو دیکھیے جو پاکستان توڑ کر بھی ، پاکستان کے ٹوٹنے کے بعد بھی اسی طرح دندناتے اور جام چھلکاتے پھر رہے ہیں ۔ وہی انداز وہی چلن جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور ہوا ہے تو بہت اچھا ہوا ہے ۔ کاش ! اس بوڑھے کا جذبہ عام ہو جائے کہ جو پاکستان کی تعمیر کی بات کرتا ہے اور ان کی جوانی غارت ہو جائے جن کی منزل تخریب ٹھہری ہے ۔"

اسی پرچے کے سرورق پر قلمی تصویر کے نیچے ذیل کے یہ چند جملے قابلِ توجہ ہیں :-

" ڈھاکہ میں میرے وطن ، میرے پاکستان کے سرنگوں پرچم دیکھ!
تجھے لہرانے والے کی زندگی کا پرچم بھی سرنگوں ہو گیا ہے
اک چاندنی تھی ساتھ گئی ماہتاب کے "

ہفت روزہ "اداکار" لاہور کے اسی شمارے میں جناب سجاد میر کا ایک نہایت معلوماتی مضمون مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و سیاسی خدمات کے بارے میں شائع ہوا ہے جس کے چند اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں :-

" اللہ کے نام کے ساتھ آزاد فضاؤں میں پاکستان کا ہلالی پرچم پہلی بار پھڑپھڑانے لگا ۔ یہ ۱۴ اگست ، ۴۷ء کی بات ہے اور داستان ہے مسجدوں اور میناروں کے شہر ڈھاکہ کی ۔ اس پُر وقار تقریب میں نوزائیدہ مملکت کے تمام اہم منصب دار اور ہماری تحریکِ آزادی کے سربرآوردہ رہنما موجود تھے اور جس محترم

شخصیت کو پرچم کشائی کا یہ تاریخی شرف حاصل ہوا ہے وہ مولانا ظفر احمد عثمانی علیہ رحمۃ تھے۔ قائداعظم کی قیادت میں جب ہماری آزادی کی جدوجہد کامیاب ہوئی تو مغربی پاکستان میں شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مشرقی پاکستان میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز ملا کہ وہ اس نئی اسلامی مملکت کی پرچم کشائی کریں۔ ڈھاکہ کی فضاؤں میں لہرانے والے ہاتھ بھی گزشتہ دنوں منوں مٹی نیچے دفن ہو گئے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ کراچی میں انتقال کر گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز تحریک پاکستان میں ان کی ناقابل فراموش خدمات کے صلے میں ملا۔ بلکہ سچی بات تو یوں ہے کہ یہ تحریک پاکستان کی خوش قسمتی تھی کہ اسے مولانا عثمانی علیہ الرحمۃ جیسے جید عالم کی علمی سرپرستی حاصل رہی۔ مولانا کوئی درباری قسم کے مولوی نہ تھے، بلکہ ان کا شمار تاریخ اسلام کے ان علماء دین میں کیا جاتا ہے جن پر عرب وعجم کو ہمیشہ ناز رہے گا۔

مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مرتبے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے شاگردوں میں ایسے علماء شامل ہیں کہ جن کا نام آتے ہی گردنیں احترام سے جھک جاتی ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالرحمٰن کیمبلپوری کے علاوہ حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مکی رحمہ اللہ بھی ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ ان میں ایک ایک نام اپنی جگہ محترم ہے۔ حضرت مولانا بدر عالم ہی کو لیجئے جن کے علمی کارناموں کی تو خیر ہماری پوری تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ مگر اس کے ساتھ فیضان کا یہ عالم ہے کہ پندرہ بیس سال پہلے آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے وہاں سے پوری افریقی دنیا میں

انہوں نے ایسی اصلاحی تحریک چلائی کہ آج ان کے فیض یافتہ پورے براعظم میں پھیلے ہوئے ہیں۔ افریقہ کا ذکر چھڑا ہے تو یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ یوگنڈا کے چیف قاضی مولوی عبدالرزاق جو عیدی امین کے معتمد ترین تابعین میں سے ہیں سہا سال سے مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ٹنڈو الہیار کے دارالعلوم میں علمی فیض حاصل کرتے رہے۔

بلاشبہ عہد حاضر میں مولانا ان معدودے چند علماء کرام میں سے تھے جو محض عالم ہی نہیں صاحب کرامت عامل بھی تھے، جن مافوق الفطرت باتوں کا ذکر ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں اس عہد میں ان کا ظہور اب عام نہیں رہا۔ مولانا عثمانی کی ذات سے ایسی کئی باتیں وابستہ ہیں جن کا تذکرہ ہم یہاں اس لیے نہیں کرتے ہیں کہ ان کی شخصیت کے گرد کوئی مافوق الفطرت ہیولا بنانا مقصود نہیں ہے۔ خیر تو تذکرہ ہو رہا تھا مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات کا۔ سات سال مظاہر العلوم سہارنپور میں درس و تدریس دینے کے بعد آپ تھانہ بھون چلے آئے جہاں آئندہ ساٹھ سال تک حدیث وفقہ اور منطق کا درس دیتے رہے۔ اسی دوران آپ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "اعلاء السنن" تصنیف کی۔ علم حدیث پر عربی زبان میں یہ بیش بہا کتاب ۱۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے دو مقدمے ہیں۔ پہلا مقدمہ "انہاء السکن" شام کے جید عالم شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے اپنی کتاب "قواعد فی کلام الحدیث" کے ابتدائیے کے طور پر شائع کیا ہے۔ عرب وعجم میں اس موضوع پر اسے حرفِ آخر جانا جاتا ہے۔ تھانہ بھون کے ہی قیام کے دوران حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خواہش کے مطابق "احکام القرآن" کی تصنیف شروع کی۔ مولانا تھانویؒ کی خواہش تھی کہ عربی زبان میں فقہ

حنفی کی وضاحت کے نقطۂ نظر سے کوئی تفسیر موجود نہیں ۔ یہ عظیم کام مولانا عثمانیؒ کے علاوہ مفتی محمد شفیعؒ ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب کے سپرد ہُوا ۔ سورۂ نساء تک پہلی دو جلدیں مولانا عثمانی کی تصنیف ہیں ۔

تھانہ بھون میں قیام کے دوران مولانا تھانویؒ اپنے بھانجے کی علمی صلاحیتوں سے اس قدر مطمئن و متاثر تھے کہ افتاء کا کام آپ کے سپرد کردیا جب تک تھانہ بھون میں آپ کا قیام رہا کٹھن اور پیچیدہ مسائل پر افتاء کے سلسلہ میں فقط آپ پر اعتماد کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ ان فتاوی کا مجموعہ "امداد الاحکام" کے نام سے شائع ہُوا ہے جسے "امداد الفتاوے" کا تتمہ سمجھنا چاہیئے ۔

اُوپر ذرا تفصیل کے ساتھ ان کی علمی خدمات کا تذکرہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اندازہ کیا جاسکے ہم کس مرتبے کی شخصیت کا تذکرہ کررہے ہیں ۔ آپ کا فیض افریقہ سے لے کر مشرق بعید تک پھیلا ہُوا ہے ۔ بالخصوص مشرقی پاکستان کے تو چپے چپے پر آپ کے جلائے ہُوئے چراغ روشنی پھیلا رہے ہیں ۔ ڈھاکہ یُونیورسٹی نے آپ کو دینی علوم کے سرپرست کی حیثیت سے اپنے ہاں دعوت دی تو حضرت تھانویؒ کی اجازت سے آپ وہاں تشریف لے گئے اور کئی سال تک اس یونیورسٹی میں علم کے موتی رولتے رہے ۔ اس کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں بھی آٹھ سال تک صدر مدرس رہے ۔ یہیں پر جامعہ قرآنیہ لال باغ کی بنیاد رکھی ۔

یوں آج مشرقی پاکستان کا کوئی چھوٹا بڑا شہر یا قصبہ نہ ہوگا جہاں پر

آپ کے شاگرد علم دین کو پھیلانے کی خدمت انجام نہ دے رہے ہوں ۔ یوں تو آپ نے عمر کا ایک طویل حصہ اس سرزمین پر علم کی جوت جگانے میں صرف کیا اور گذشتہ ۲۰ سال سے حیدرآباد سے ۱۳ میل دُور دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہیار میں مولانا احتشام الحق تھانوی کے اصرار پر شیخ الحدیث کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے ۔ تاہم اس عرصہ میں بھی وہ رمضان کا مہینہ مشرقی پاکستان میں گزارتے جہاں بخاری شریف کا درس دیا کرتے ۔

مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ یوں تو ایک علمی شخصیت تھے مگر تاریخ اسلام کے علمائے حق کی طرح انھوں نے آزمائش کی گھڑی میں ملت اسلامیہ کی بھی رہنمائی کی ۔ مولانا مرحوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ حضرت اشرف علی تھانویؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد ترین رفیق رہے ۔ حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ محسوس کیا کہ دیوبند کے اکابرین کانگرس کے ساتھ دے کر ایک ایسی اجتہادی غلطی کے مرتکب ہورہے ہیں جو مسلمانانِ ہند کے لیے نقصان دہ ہوگی تو انھوں نے ملّت کی صحیح رہنمائی کے لیے فیصلہ کرلیا ۔ پہلی بار یہ مسئلہ جھانسی کے انتخابات میں پیش آیا جہاں لیگ نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر انتخابات میں حصّہ لیا تھا ۔ جھانسی کے مسلمانوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفسار کیا کہ وہ اس معاملہ میں کیا کریں ؟ حضرت تھانویؒ کے سامنے اس وقت بڑی نازک صورت حال تھی ۔ وہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی جماعت سمجھتے تھے مگر ابھی اس مسئلہ پر واضح نہ تھے کہ آیا یہ جماعت صحیح اسلام لائے گی یا دین کو مسخ کرے گی ۔

اس موقعہ پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جن اصحاب سے مشورہ کیا

ان میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ یہ ایک فیصلہ کُن گھڑی تھی۔ مولانا عثمانی نے مشورہ دیا کہ آپ چونکہ کانگرس کے مخالف ہیں اس لیے یہی جواب دے دیجئے کہ کانگرس کو ووٹ نہ دیا جائے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مشورہ مان لیا اور یوں مسلم لیگ کی کامیابی کی راہ ہموار ہو گئی۔

مسلم لیگ سے عملی تعاون کی ابتدار ۱۹۳۸ء میں پٹنہ کے سالانہ اجلاس سے ہوئی۔ نواب اسماعیل کی سرکردگی میں مسلم لیگ نے ایک مجلسِ عمل قائم کی تھی جس کا کام علماء سے رابطہ قائم کرنا تھا۔ انہی کی وساطت سے اس اجلاس میں مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی نمائندے بن کر شریک ہوئے۔ اجلاس سے پہلے قائد اعظم سے مُلاقات ہوئی۔ سیاست اور مذہب کی علیحدگی اور یکجائی کے مسئلہ پر بات چیت ہوئی۔ قائداعظم اس گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اگلے روز کے اجلاس میں شاید پہلی مرتبہ یہ بات آپ نے کھُلم کھلا طور پر کہی کہ مذہب و سیاست ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

اس کے بعد تھانوی مسلک کے علماء دیوبند اور مسلم لیگ کے درمیان اتحاد کی راہیں ہموار ہو گئیں۔ یہ تعاون بعد میں اس قدر بڑھا کہ حضرت تھانویؒ نے یہ تجویز پیش کی کہ جمعیت علماء ہند کانگرس کا ساتھ دے رہی ہے۔ اس لیے مسلم لیگ کی حمایت میں علماء کو ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد ڈالی گئی۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اس کے صدر اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نائب صدر منتخب ہوئے۔

قیام پاکستان کے لیے جمعیت علماء اسلام کی خدمات سرحد و سلہٹ کے

ریفرنڈم کے سلسلہ میں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ قرار دادِ پاکستان منظور ہونے کے بعد ۱۱ر جون کو مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قائداعظم سے مُلاقات کی۔ قائداعظم ان دونوں علاقوں میں ریفرنڈم کے سلسلے میں بڑے فکر مند تھے۔ یہ ایک تاریخی مُلاقات تھی جس میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے قائداعظم سے کہا کہ وہ ایک تحریر لکھ دیں کہ پاکستان کا دستور قرآن و سنّت کے موافق ہو گا۔ اس کے جواب میں قائداعظم نے اپنے وہ اہم اور یادگار جملے کہے تھے:

"جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو آئین اسلامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ رہا ایسی کسی تحریر دینے کا سوال تو اس سے ہندو الٹا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں گے کہ پاکستان میں ہندوؤں کو مسلمان کیا جائے گا۔ پاکستان بن جائے جمہوری طریقے سے اسمبلی میں اکثریت اور اقلیت کے نمائندے آ جائیں تو یہ بات واضح کر دی جائے گی کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہو گا مگر ہر فرقے کو مذہبی آزادی ہو گی۔ دستور پاکستان کے غیر اسلامی ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ میری طرف سے قوم سے کہدیں کہ میں نے کبھی قوم کو دھوکہ نہیں دیا۔ جو میں کہہ رہا ہوں ہو کر رہے گا۔"

چنانچہ اس ملاقات کے بعد سلہٹ کی ذمہ داری مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو سونپ دی گئی۔ سلہٹ ریفرنڈم میں کئی دل چسپ واقعات پیش آئے۔ لیاقت علی خاں سلہٹ کے دورے پر تھے۔ یہاں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے مریدین کی خاصی تعداد

تھی۔ ظفر گاؤں کے مقام پر کانگرسیوں نے جلسہ تلپٹ کر دیا۔

مولانا عثمانی کو تار دے کر بلوایا گیا۔ اگلے روز مولانا کی صدارت میں اسی جگہ جلسہ ہوا جس میں خان لیاقت علی خاں اور سُہروردی جیسے زعماء شریک تھے۔ مولانا عثمانیؒ نے مولانا سہول کے ساتھ پُورے سلہٹ کا دَورہ کیا۔ انتخابات سے دو دن پہلے کا اجتماع تو ایک یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت شاہ جلال رحمۃ اللہ علیہ اس علاقے کے ایک بہت بڑے بزرگ ہیں۔ اُن کا عُرس ہو رہا تھا۔ لاکھوں افراد مزار کی مسجد کے گرد خیمہ زن تھے۔ مسجد میں جلسہ رکھا گیا۔ لاؤڈ اسپیکر کا رُخ خیموں کی طرف تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد مولانا نے حضرت شاہ جلال کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ اور دُعا مانگی۔ سب کے لب پر ایک دُعا تھی مولا پاکستان بنے، رات کو جلسہ ہوا علمائے حق کی یہ آواز پُورے سلہٹ میں پھیل گئی اور سلہٹ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

پاکستان بن گیا۔ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسلامی دستور کی جد و جہد میں بھی شامل رہے۔ مولانا ان ۳۱ علماء میں شامل ہیں جنہوں نے ۲۲ نکات کا تاریخی مسودہ تیار کیا تھا۔ مشرقی پاکستان میں آپ کا لگایا ہُوا پودا سیاسی طور پر بعد میں نظام اسلام کا نام اختیار کر گیا۔ مولوی فرید احمد اسی جماعت کے سپاہی تھے۔ تاہم مولانا نے اپنا زیادہ وقت ٹنڈو الہیار میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔ اور دوبارہ اس وقت عملی طور پر میدان سیاست میں آئے جب ۱۹۷۰ء کے انتخابات سے پہلے ملک نظریاتی کشمکش سے دو چار تھا۔ مولانا عثمانیؒ نے اس موقع پر بھی پیرانہ سالی کے باوجود اپنا فرض ادا کیا۔ زندگی کے آخری لمحے تک انہوں نے علمی سرگرمیاں جاری رکھی ہیں آخر ایک صبح اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

روزنامہ "جنگ" کراچی

"موت العالم موت العالم" کے عنوان کے تحت رقمطراز ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی رحلت کی خبر پورے ملک میں بڑے رنج و غم اور افسوس کے ساتھ سُنی گئی۔ خصوصاً علماء و فقہاء کے حلقوں اور دینی درس گاہوں میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ اس جانکاہ صدمے کا اثر صرف پاکستان ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس پُورے برِ صغیر اور ممالک اسلامیہ کے حلقوں میں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا جائے گا۔ آہ! دین کا کیا عالم اور ملت کا کیا خادم تھا جو ہم سے چھن گیا۔ مولانا کا شمار بھی ان گنے چنے اکابر علماء میں ہوتا تھا جو نہ صرف اپنے علم و فضل کی وجہ سے پُورے برِ صغیر میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے بلکہ قیام پاکستان کی جد و جہد میں بھی اُنہوں نے بڑی گرانقدر خدمات انجام دی تھیں۔ مرحوم نے تحریک پاکستان کے دوران علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے مل کر جمعیت علماء اسلام کی داغ بیل ڈالی تھی جس کا مقصد جمعیت علمائے ہند کے پروپیگنڈے کا مقابلہ کرنا اور پاکستان کے حق میں رائے عام کو ہموار کرنا تھا۔

مولانا نے سلہٹ اور شمالی مغربی سرحدی صُوبے کا دورہ کر کے مُسلمانوں کو پاکستان کے حق میں رائے دینے کے لیے آمادہ کیا تھا۔ ان سیاسی اور ملی خدمات کے علاوہ مولانا کا دُوسرا عظیم کام وہ جو اُنہوں نے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کے میدان میں انجام دیا۔ اردو اور عربی میں متعدد کتب تصنیف کیں۔ جن میں سے بعض کو شہرت اور استناد کا اعلیٰ مقام حاصل ہُوا۔ شیخ الحدیث کی حیثیت سے مرحوم کی خدمات برِ صغیر کی متعدد درس گاہوں اور کئی برسوں پر پھیلی ہُوئی ہیں۔ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہیار کے وہ گذشتہ پندرہ برس سے سربراہ تھے۔ مولانا

نے اپنی ساری زندگی دین اور ملت کی خدمت میں گزار دی تھی۔ وہ صرف ایک عالم ہی نہیں تھے بلکہ علم و فضل کا ایک ایسا سرچشمہ تھے جس سے سیراب ہو کر سیکڑوں طالبانِ علم عُلماء کے گروہ میں شامل ہوتے رہے تھے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو مولانا کی جُدائی علم کا ایک بُہت بڑا نقصان ہے۔ اب ان کی خدمات کی صحیح قدر اسی طرح ہو سکتی ہے کہ علم کی جو شمع وہ روشن کر گئے ہیں طلباء اور علماء اُس کی روشنی اور تابانی میں برابر اضافہ کرتے رہیں اور اُسے کبھی نہ بجھنے دیں۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو آخرت میں اعلےٰ درجہ عطا فرمائے۔ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور اُن کے پسماندگان اور وابستگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔"

روزنامہ "حریت" کراچی

"آہ! مولانا عثمانی" کے عنوان سے اپنے اداریوں کالموں میں لکھتا ہے:۔

"ملک و ملت کا ایک اور ستون ہمارے درمیان سے اُٹھ گیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ہر لحاظ سے ایک تاریخ ساز شخصیت تھے۔ ان کے علمی تبحر اور دینی خدمات کا سارا عالمِ اسلام معترف ہے کیونکہ ان کی تصنیفات دینی علوم میں بلند رتبہ رکھتی ہیں اور اس لحاظ سے ان کا نام رہتی دنیا تک روشن رہے گا۔ اس کے ساتھ ہی مولانا مرحوم پاکستان کی تاریخ میں ان چوٹی کی شخصیتوں میں شمار ہونگے جنہوں نے اس ملک کے قیام کی تحریک کو اسلام کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ اور علمائے حق کی کثیر تعداد کو اس کارواں میں شامل کیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانی ہی کی انقلاب آفرین شخصیت تھی جس نے نہ صرف جمیعۃ علماء ہند کی سیاسی غلطیوں کی نشاندہی کی۔ بلکہ اُن کے خلاف منظم جد و جہد کر کے پاکستان کی تحریک میں زور پیدا کیا۔ پھر عین قیام

پاکستان کے وقت مرحوم کی ذاتی مساعی سے سلہٹ اور سرحد کے مسلمانوں میں بیداری پیدا کی اور اُنہوں نے ریفرنڈم میں پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام صلاحیتیں دینی تعلیم کے فروغ کے لیئے وقف کر دیں تاکہ پاکستان کی نظریاتی تعمیر کے لیے قوم کو دینی رہنمائی حاصل ہوتی رہے۔ اللہ تعالےٰ مولانا کی اس نیکی کو جاری رکھے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

"روزنامہ مشرق" کراچی، لاہور

"آہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ" کے زیرِ عنوان اپنے اداریٰ کالم میں رقمطراز ہے:۔

"مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر پاک و ہند کے ان ممتاز علماء میں سے تھے جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا اور جن کو قائداعظم کا بھی خاص اعتماد حاصل تھا۔ اُنہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصّہ اسلام اور برصغیر کے مُسلمانوں کی خدمت میں بسر کیا۔ اُنہوں نے تفسیر حدیث اور فقہ پر گراں قدر تصانیف بھی پیش کیں اور قیامِ پاکستان کی جد و جہد میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے دوش بدوش بہت اہم کردار ادا کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی وہ قومی خدمات کے محاذ پر ایک مستعد سپاہی کی طرح کام کرتے رہے۔ اُن کی ذات بہت سی خُوبیوں کا مجموعہ تھی۔ اُن کی رحلت ملت کے لیے بلاشُبہ ایک قومی سانحہ ہے اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ابدی جُدائی سے قومی زندگی میں جو خلا پیدا ہُوا ہے اُسے مشکل سے پُر کیا جا سکیگا۔"

روزنامہ "وفاق" لاہور

صفحہ اول پر شہ سرخی کے تحت لکھتا ہے :۔

"تحریک پاکستان کے سرکردہ رہنما، برصغیر پاک و ہند کے بزرگ عالم دین اور دارالعلوم ٹنڈوالہیار کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آج صبح کراچی میں رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا علیہ راجعون

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے دستِ راست اور بابائے قوم اور حضرت قائداعظم کے معتمد علماء میں سے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان میں آزادی کا سبز ہلالی پرچم سرکاری طور پر آپ ہی کے دستِ مبارک سے لہرایا گیا تھا۔ مولانا کی رحلت کی خبر پورے ملک میں انتہائی رنج والم کے ساتھ سُنی گئی۔

مولانا ظفر احمد عثمانی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ مولاناؒ ایک جید عالم، فقیہہ اور محدث تھے اور ان کا شمار حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمر خلفاء میں ہوتا تھا۔ مولانا مرحوم قیام پاکستان سے قبل ڈھاکہ یونیورسٹی میں اسلامیات کے سربراہ تھے۔ اُنہوں نے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قیامِ پاکستان کی جد و جہد میں بابائے قوم حضرت قائداعظم کی آواز پر لبیک کہا۔ اور انہیں بارہا معمارِ قوم حضرت قائداعظم سے ملاقات کا موقع ملا۔ جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشرقی پاکستان میں سرکاری طور پر آزاد پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرادیا۔

اخبار کے صفحہ اول پر سیاہ حاشیئے میں" مولانا کی کیفی مرحوم کا ایک تعزیتی

قطعہ " شیخ تھانوی کے جلی عنوان سے شائع ہوا ہے۔

آہ ! مولانا ظفر احمد وہ شیخ تھانویؒ
عالم و فاضل فقیہہ بے مثال و بے بدل
رہ گئی تھی ایک یہ عہد سلف کی یادگار
چھین کر اس کو بھی ہم سے لے گئی آخر اجل!

روزنامہ "ڈان" کراچی (انگریزی)

اپنی ۹ ر دسمبر ۱۹۷۴ء کی اشاعت میں صفحہ اول پر لکھتا ہے :۔

"آپ حدیث کی ایک ضخیم کتاب "اعلاء السنن" کے مصنف ہیں جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے چوٹی کے عالم تھے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران آپ نے مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی تاکہ جمعیۃ علمائے ہند کے پراپیگنڈا کو رد کیا جا سکے جس کی قیادت مولانا حُسین احمد مدنی کر رہے تھے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ علماء کی اس نئی پارٹی کے صدر اور مولانا ظفر احمد عثمانی اس کے سینئر نائب صدر تھے۔ قائداعظم" کی خصوصی ہدایات کے تحت مولانا ظفر احمد عثمانی سلہٹ گئے اور پھر آپ نے سردار عبدالرب نشتر کے ساتھ تاریخی ریفرنڈم کے سلسلہ میں شمالی مغربی سرحدی صوبے کا دورہ فرمایا تاکہ مسلم اکثریتی علاقوں میں الحاق کے اہم مسئلہ کا تعین کیا جا سکے اور اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ مذکورہ ریفرنڈم میں پاکستان کی نمایاں کامیابی کے سلسلہ میں مولانا کی انتھک کوششوں کو بڑا دخل حاصل ہے۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانی نے اپنا بیشتر وقت اور توجہ مذہبی

تعلیمات کے لیے وقف کر دی تھی اور دار العلوم اسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار کی حیثیت اور اس کی قدر و اہمیت مولانا ہی کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی جس کے آپ بیس سال تک سربراہ رہے ہیں۔

روزنامہ "مارننگ نیوز" کراچی (انگریزی)

رقمطراز ہے کہ:

"مولانا عثمانیؒ نے تحریک پاکستان میں نمایاں حصہ لیا اور آپ قائد اعظم کے معتمد ساتھیوں میں سے تھے۔ مولانا دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الٰہ یار میں بطور شیخ الحدیث گذشتہ پندرہ بیس سال سے علمی خدمات انجام دے رہے تھے۔

"نوائے وقت" لاہور

آہ! ظفر احمد عثمانیؒ

سرزد جرم وہ کیا ہو گئے ہم سے
ارباب بصیرت جو خفا ہو گئے ہم سے
تازہ تھا ابھی داغ بدایونی مرحوم
عثمانی ثانی بھی جدا ہو گئے ہم سے

●

تعزیتی خطوط پیغامات اور قراردادیں

حضرت مولانا مرحوم کے وصال کے بعد یوں تو جگہ جگہ سے بے شمار تعزیتی خطوط اور پیغامات موصول ہوئے جن کا نقل کرنا طوالتِ عبارت کا باعث ہو گا۔ البتہ چند خطوط اور چند تعزیتی قراردادیں اپنی اہمیت کے پیشِ نظر نقل کی جاتی ہیں۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہم

بنام

مولانا عمر احمد عثمانی از مکہ مکرمہ

"عزیز گرامی قدر و منزلت در شتہ الاستاذ المرحوم نور اللہ مرقدہٗ

بعد سلام مسنون! حادثہ جانکاہ کا اجمالی حال تو مفتی زین العابدین کی زبانی کئی دن ہوئے سنا تھا کہ وہ مکہ آئے۔ اس دن کراچی تھے اور جنازہ میں شریک اور رات عزیزم شمیم مکی نے ایک پاکی اخبار دیا جس میں تفصیل تھی۔ ابتداً خبر سننے کے بعد جو چوٹ دل پر لگی وہ تو قابلِ بیان نہیں۔ لیکن جانے والے کے ساتھ پسماندگان بجز دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ اس کا اہتمام خود بھی ہے اور احباب سے بھی تاکیداً کہتا رہتا ہوں کہ اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں۔ لیکن خبر سننے کے بعد سے مولانا مرحوم کے سارے ادوار آنکھوں کے سامنے اور دل میں گھوم رہے ہیں۔ سب سے اول جبکہ مولانا مظاہر

کے مدرس تھے اور یہ ناکارہ اسی سال سہارنپور پہنچا تو والد صاحب مرحوم رحمۃ اللہ علیہ نے میرا اور مولوی ادریس کاندھلوی مرحومؒ کا نحو میر کا سبق مولانا مرحوم کے حوالے کیا تھا۔ تین دن بعد میری اور مولوی ادریس مرحوم کی ایک جھوٹی شکایت مولانا کے پاس پہنچی۔ جس پر ہم دونوں کی مولانا نے پٹائی کی۔

دوسرے دن مولانا کو بھی شکایت کا جھوٹا ہونا معلوم ہوگیا تو مولانا مرحومؒ نے مجھ سے معاف فرمانے کو کہا۔ مجھ پر پٹائی کا کیا اثر ہوتا کہ میں اس کا بہت عادی تھا میں نے مولانا کی خدمت میں شیرینی پیش کی تھی کہ کہیں سے آئی تھی سب مجھے مولانا کا فقرہ بہت خوب یاد رہے گا کہ ایسی پٹائی بہت ہی مبارک ہے جس پر مٹھائی کھانے کو ملے۔ اس کے بعد سے تو مولانا کی شفقتیں اخیر تک بڑھتی رہی تھیں۔ چونکہ مولانا مرحوم میرے والد صاحب کے شریکِ دسترخوان بھی تھے اس لیے اور بھی تعلقات میں اضافہ ہوتا رہا۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کا معمول تو یہ تھا کہ کھانا ہمیشہ وعظ کے بعد نوش فرمایا کرتے تھے اور مولانا مرحوم کا دستور یہ تھا کہ اپنے کچھ کھانا لیتے وعظ نہ فرماتے۔ جب مدرسہ کے جلسے میں تشریف لے جاتے تو جلدی سے اکابر کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے دروازے پر تشریف لاتے اور فرماتے جو کچھ رکھا ہو جلدی بھیج دو میں وعظ نہیں کہہ سکتا۔

جب خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون جاتے ہوئے ایک شب کو سہارنپور میں ٹھہرا کرتے تھے اور استاذی مرحوم کا مسکن قاری درجہ کے اوپر کا حصہ تھا تو گرمیوں میں عشاء کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک میں مولانا مرحوم اور چچا جان نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) خواجہ صاحب

کا کلام سنتے سنتے صبح کر دیتے تھے۔

سہارنپور کے ابتدائی دور میں تمہاری والدہ اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی زوجہ ثانیہ جو بھائی سعید مرحوم کے انتقال کے بعد بیوہ ہوگئیں تھیں ایک مکان میں بلکہ ایک ہی کوٹھے میں قیام تھا۔ اس وقت کے مناظر بھی بہت یاد آئے۔ عمر پیارے کیا کیا لکھوں، آنکھیں اشکبار ہیں اور دل محزون۔ بات لکھنے کی تو نہیں ہے مگر

جس زمانے میں یہ ناکارہ بذل (بذل المجہود شرح ابی داؤد مؤلفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ) چھپوانے کے واسطے ہر ہفتہ تھانہ بھون جایا کرتا تھا تو مولانا شبیر علی صاحب مرحومؒ اور یہ ناکارہ دونوں ہی مولانا کی شان میں بڑے گستاخ تھے۔ ہر وقت ہنسی مذاق رہتا تھا۔ ایک دفعہ ظہر کی نماز پڑھ کر حضرت مولانا مرحوم تشریف لائے اور فرمایا جلدی قلم دوات لاؤ۔ میں نے مولوی شبیر علی مرحوم سے کہا۔ جلدی دو کوئی نیا کشف ہوا ہے۔ مولانا نے غصہ میں فرمایا کہ ہر بات کا مذاق نہیں اڑایا کرتے۔ میں نے مولوی شبیر علی سے تقاضا کیا کہ جلدی کاغذ قلم لادو۔ تو مولانا نے اس سیاہ کار کو اجازت بیعت لکھی۔ میں نے پڑھ کر عرض کیا کہ حضرت! میں تو اجازت بیعت کو بہت اونچی چیز سمجھوں تھا جو مجھ جیسے سیاہ کار کو بھی ہو سکتی ہے تو میری نگاہ میں اپنی تو کوئی وقعت نہیں بڑھی بلکہ اجازت کی وقعت گر گئی۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ چیزیں مذاق کی نہیں ہوتیں۔ چپ رہو۔ چند روز بعد میرے حضرت نور اللہ مرقدہ (حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ) کا والا نامہ اس سیاہ کار کے پاس پہنچا۔ اس میں بھی کچھ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی شفقت کی بنا پر امید افزا الفاظ تھے۔ مولانا مرحوم نے اس خط کو کھولا اور

پڑھا۔ مولانا وہ خط دیکھ کر میرے پاس تشریف لائے جبکہ میں پروف دیکھ رہا تھا۔ اور فرمایا کہ میری تحریر کو تو تُو نے گرا دیا۔ حضرت کے خط کو کیا کرے گا؟ میں حضرت مولانا مرحوم کے سر ہو گیا کہ (اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے) آپ کو میرا خط کھولنے کا کیا حق تھا؟ وہاں فقہی بحث چل پڑی۔ بات پر بات یاد آ رہی ہے اور میں بہت ہجوم میں گھرا ہوا ہوں۔ اور بخار کی وجہ سے بہت مضمحل تھا۔ مگر اس بے چینی نے یہ سطور لکھوا ہی دیں۔ تمہیں تسلی دوں یا اپنے کو؟

میری طرف سے مولانا کے جملہ اعزہ اور پسماندگان کی خدمت میں تم ہی تعزیت کا مضمون عرض کر دینا کہ جو آ رہا ہے۔ جانے کے واسطے آ رہا ہے۔ جانے والے کے ساتھ اگر کوئی نیکی ہو سکتی ہے یا صلہ رحمی تو صرف اسی سے ہو سکتی ہے کہ جانی و مالی اپنی استطاعت کے موافق ایصال ثواب کرتا ہے۔ اس سے اپنے کو صبر و سکون اور جانے والے کو فرحت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ رنج و قلق طبعی چیز ہے۔ مگر اس سے نہ تو اپنے کو کوئی فائدہ اور نہ جانے والے کو۔ میرا دستور ہمیشہ یہ رہا ہے کہ اپنے خصوصی اعزہ یا اکابر میں سے جب کسی کا وصال ہوا تو اطلاع کے ساتھ یہ بھی لکھا کرتا تھا کہ میری تعزیت آپ کے آنے سے نہیں ہونے کی۔ یہاں آنے میں جتنے پیسے خرچ ہوں اور جتنا وقت خرچ ہو متفرق اوقات میں اتنا وقت تلاوت کر کے اور آمد و رفت کا کرایہ صدقہ کر کے مجھے ایک کارڈ سے اطلاع دیدیں۔ تو مجھے تمہارے آنے کی نسبت اس اطلاع سے زیادہ مسرت ہو گی اور جانے والے کے لیے زیادہ کارآمد ہو گی۔"

حضرت شیخ الحدیث صاحب فیوضہم، بقلم حبیب اللہ

۱۷ر دسمبر ۱۹۷۲ء مکۃ المکرم

مکتوب گرامی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

مفتی محمد شفیع
خادم دار العلوم کراچی نمبر ۱۴
فون دفتر ۴۸۱۱۷
رہائش ۴۸۲۲۵

عزیزم محترم مولوی عبد الشکور صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ ملا، حالت طرفین کی یکساں ہے۔ مولانا مرحوم دو ہفتے کراچی میں بیمار رہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہمیں کسی طرف سے اس کی خبر نہ ملی۔ وفات کے بعد ان کے صاحبزادے عمر احمد نے ٹیلیفون پر خبر دی۔ اچانک اس حادثے کی خبر سے جو کچھ اثر اس ضعیف و ناتواں پر ہونا تھا وہ ہوا۔ کمر ٹوٹ گئی۔ اپنے بزرگوں کی یہ آخری یادگار بھی رخصت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفر لہ مغفرۃ ظاہرۃ وباطنۃ لا تغادر ذنبا۔

آپ نے جب مجھے یہاں آنے کی اجازت دے دی اور احقر نے آخر میں آنے کے لیے لکھ دیا اور اس کا بڑا سبب یہی تھا کہ آپ کے قصد سفر میں مولانا مرحوم کی زیارت بھی شامل تھی۔ اب مجھ گناہ گار کی ملاقات میں کیا رکھا ہے جس کے لیے کوئی سفر کرے بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ افضل اجلی فی طاعتک واختم لی الخیر عمل واجعل ثوابہ الجنۃ۔

میں آپ کے اور آپ کے متعلقین کے لیے دعا کرتا ہوں۔"

والسلام

بندہ محمد شفیع ۲۸-۱۱-۹۴

مکتوب امیر مجلس احرار اسلام پاکستان لاہور، ملتان

۱۵ر محرم الحرام ۱۳۹۵ھ - ۲۸ر جنوری ۱۹۷۵ء

برادر دینی جناب مولانا قمر احمد عثمانی زید لطفک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

(۱) اوائل دسمبر ۷۴ء میں ایک شام اچانک یہ خبر سُنی کہ آپ کے قابلِ صد فخر و رشک والد جد اور ملک کے مایہ ناز عالم، فقیہہ و محدث ادیب و مُصنف اور متکلم بزرگ حضرت مولانا العلامۃ الشیخ ظفر احمد عثمانی انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا مرحوم و مغفور کے متعلق فوری طور پر دل پر وارد ہونے والے خیالات و تاثرات تو میں نے غالباً اسی رات اپنے دفتر کے کارکنوں کو لکھوا دیئے جو اخبارات کے لیے بھیج دیئے گئے جو حسبِ مزاج و عادت بعض نے شائع کئے اور کئی پی گئے۔ البتہ آپ کے نام مکتوب تعزیت صرف اس لیے مؤخر ہو گیا کہ میں بذریعہ بس چیچہ وطنی اور کمالیہ کے لیے راستے سے لائل پور کے لیے آمادۂ سفر تھا۔ لیکن افسوس کہ کمالیہ سے گزرنے کا وقت ایسا ملا کہ جس میں میرا اُترنا اور کسی متنفس سے رابطہ پیدا کرنا بھی ممکن نہ رہا۔ چنانچہ عید الاضحیٰ کے بعد بھی ایسا ہی دوسرا اتفاق پیش آیا اور میں باوجود آپ سے ملنے کی دیرینہ اور شدید خواہش کے بھی کمالیہ تو آیا لیکن لائلپور کے نظام الاوقات کے پیش نظر پھر ملاقی نہ ہو سکا۔ جس کا مجھے سخت صدمہ ہوا اور یوں براہ راست تعزیت مسنونہ کے لیے آپ سے رابطہ قائم کرنے میں محروم رہا لیکن دل و دماغ پر اس کا بڑا بوجھ تھا کہ اتنے میں ۳ر محرم ۹۵ھ مطابق ۱۶ر جنوری ۷۵ء پنج شنبہ کو ظہر کے وقت حاصل پور ضلع بہاولپور میں پہنچتے ہی تانگے سے اُترنے لگا تو پاؤں ہموار زمین پر نہ پڑ سکا اور لڑھک گیا جس سے پاؤں میں موچ آگئی۔ ساتھیوں نے مجھے اٹھایا اسی حالت

میں بیٹھ کر ظہر ادا کی۔ پھر عصر تک قریباً دو گھنٹے درس قرآن کریم دیا۔ وفود سے ملاقات کی۔ رات وہیں گزاری۔ دوسرے دن اسی حالت میں افتاں و خیزاں اور کشاں کشاں تانگے، لاری کے وسائط سے ملتان ہوتا گھر پہنچا اور تا امروز صاحبِ فراش ہوں اور بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہوں اور آج پہلا دن ہے کہ جو میں بیٹھے کی آزمائش کے لیے بے سہارا بھی خود اٹھ کر کمرے سے صحن تک آہستہ آہستہ چل کر گیا۔ ابھی مکمل آرام میں اندازہ ہے کہ کم از کم ایک ماہ لگے گا۔ واللہ المیسر بکل عسیر۔

(۲) تین روز پیشتر اسی حالت میں میرے بھانجے سید محمد کفیل بخاری سلمہٗ نے مقامی روزنامہ "امروز" میں شائع شدہ یہ افسوسناک خبر سنائی جسے بعد ازاں میں نے پرچہ خود لے کر پڑھا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مدظلہٗ کے بڑے فرزند مولانا محمد ذکی کیفی انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خبر سے طبعاً اور دینی و مذہب مسلکی مشرب اور علم و روحانیت کے روابط مختلفہ کے تحت بڑا صدمہ ہوا۔ مرحوم سے سال میں ایک آدھ بار لاہور جانے پر اُن کی دُکان پر ملاقات ہو جایا کرتی تھی۔ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے لیے اس عمر میں یہ صدمہ بہت سخت دھکا ہے لیکن مشیت و حکمت الٰہیہ سب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ محمد ذکی مرحوم کو جوارِ رحمت میں انعام اور مفتی صاحب نیز جملہ متعلقین کو صبر جمیل و اجر جزیل مرحمت فرمائیں۔ آمین۔

اس خبر سے حضرت مولانا عثمانی نور اللہ مرقدہٗ کے حادثۂ وفات پر آپ کو چند سطور لکھنے کا تقاضا مکرر ابھرا اور شدت سے نتیجتہً ابھی چند منٹ پہلے مفتی صاحب کے نام مفصل تعزیت نامہ لکھا ہے اور اب آپ کے نام یہ سطور لکھ کر اظہارِ غم کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا مرحوم کی زیارت تو محض دو، چار بار ہوئی لیکن ابا جی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت اور اُن کے اپنے ظرف و ذوقِ علم و روحانیت کے باعث اُن کی شفقت یوں حاصل ہوتی

جیسے مَیں برسوں اُن کی خدمت میں رہا ہوں ۔ مجلس خدام صحابہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں "براۃ عثمان " اور تذکرہ یاران رسول علیہم السلام کی اشاعت کی اجازت اور اس ضمن میں علمی رہنمائی میں جس طرح اُنھوں نے میرے ساتھ بزرگانہ شفقت ، سرپرستانہ وسعت ظرف و قدر افزائی کا مظاہرہ کیا وہ ساری عمر یاد رہے گا ۔ پھر اس مختصر تحریر نے احقاق حق دفاع سُنّیّہ اور ردِ رافضیّہ وسبائیت و جماعت اسلامی واعوانہم کے سلسلہ میں جو بھرپور اثر چھوڑا اس سے اوّل تو ہزاروں ورنہ سینکڑوں کا ایمان تو لازماً ہی محفوظ کر دیا اور یہ چیز حضرت مرحوم کا مُستقل صدقۂ جاریہ ہے ۔ دُعا ہے اللہ تعالےٰ حضرت موحوم کی جملہ علمی فقہی حدیثی ، تاریخی اور قومی خدمات کا بہتر سے بہتر اجر و بدل مرحمت فرمائیں ۔ اُنہیں علیین میں مقام نصیب فرمائیں اور ان کے علمی و روحانی فیوض سے ہمیں تا زندگی استفادہ کی توفیق ارزانی فرمائیں اور آپ سمیت جملہ متعلقین کو صبر و تحمل اور اسوۂ اکابر پر چلنے کی ہمت و قوت عطا فرمائیں ۔ آمین

میری اور جملہ اہلِ خانہ کی طرف سے اپنے پورے خاندان کو کلمات تعزیت صبر و تسلی کہہ دیجیے ۔ عزیز عبدالرحمان غالباً آپ کے سب سے چھوٹے ملاّنی بھائی اب کہاں اور کس کے پاس ہیں ؟ اور حضرت مرحوم کے مسودات و کتب کا کیا ہُوا ؟ کچھ تفصیل کہ احکام القرآن کے علاوہ مسودات کس کس موضوع پر ہیں اور انکی اشاعت کی کیا صورت ہوگی ؟ ممکن ہو تو ضرور لکھیں ۔ شدید تقاضا ہے ۔ اُمید ہے کہ محروم نہ کریں گے ۔

(۳) اُمید ہے آپ مع متعلقین فی الجملہ بہ عافیت ہوں گے ۔ گھر میں سلام ، بچوں کو دعا کہہ دیں ۔ یہاں مجموعۃً خیریت ہے ۔ میرا بڑا لڑکا سید ابوسفیان محمد معاویہ بخاری بیسواں اور چھوٹا سید ابوعثمان محمد مغیرہ بخاری پندرھواں پارہ حفظ کر رہا ہے اُن کے

لیے بہ طور خاص حفظ قرآن کریم ، حصولِ علم دین اور استقامت علی الخیر کی دُعا کرتے رہا کریں ۔ امید ہے فراموش نہ کریں گے ۔ اور کیا لکھوں بھائی ہم تو اب اس صدی کے بقیہ بزرگوں کی اخبار موت پڑھنے اور شرکت فی الجنازہ کا ثواب حاصل کرنے کے لیے زندہ رہ گئے ہیں اور نہ جانے ہماری موت اور جنازہ کا کیا حال ہوگا ۔ اللہ تعالےٰ رحم فرمادیں ۔ موتِ قبر آسان ہو اور دین و مسلک حق پر زندگی اور موت و حشر و نشر نصیب ہو جائے آمین ۔

والسلام مخلص و خیر اندیش

فقیر ابن امیر شریعت السید ابومعاویہ ابوزر حسنی قادری ، بخاری

امیر و خادم مجلس احرار اسلام پاکستان

مکتوب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری جام پور

" آہ ! عالمِ اسلام کا آفتاب علم و عمل غروب ہو گیا "

ع یہ کون اٹھا محفل ہستی سے عزیزو

خورشید جہاں تاب بھی خوننا بہ فشاں ہے

محترم المقام جناب مولانا ترمذی صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !

مخدوم العلماء والصلحاء شیخ المحدثین والمحققین سراج السالکین فقیہ الامت سیدی و مرشدی حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ کی رحلت کی رُوح فرسا خبر دل پر بجلی بن کر گری ۔ قلب کا سکون لٹ گیا ۔

آہ ! دُنیا اندھیر ہو گئی کیوں نہ ہو عالمِ اسلام کا آفتاب علم و عمل جو

جو غروب ہو گیا۔

تاریک ہو گئی ہے شبستان اولیاء
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مولانا صاحب! حضرت عثمانی مرحوم کی وفات کا جتنا صدمہ ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ایسی برگزیدہ اور مغتنم وقت ہستی کی مفارقت یقیناً آپ حضرات کے لیے اور ہم سب خدام کے لیے انتہائی قلق کا باعث ہے۔ اُن کا سایۂ عاطفت سب ہی کے لیے باعثِ صد خیر و برکت تھا۔ اب اُن کی مخلصانہ دعائے خیر سے محرومی واقعی سخت محرومی ہے۔ حضرتؒ کی وفات دنیائے علم واخلاق کا ایک عظیم حادثہ ہے اور ایسے اکابر و اسلاف کی رحلت علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ حضرت فقیہ الامت قبلہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ علوم اسلامیہ و دینیہ اور نقلی و عقلی فنونِ علم کے جامع ترین عالم تھے۔ وہ عالم و عارف تھے، محقق و مدبر، مفسر و مفکر تھے۔ غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے۔

وہ عالم باعمل تھا، عالی دماغ تھا
انجمن دیوبند میں اک روشن چراغ تھا

آپ جیسی جامع کمالات شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ اسلاف کا عین نمونہ تھے۔ بندہ کو کئی دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ کی کون کون سی عاداتِ مبارکہ کا ذکر کیا جائے۔ آپ تو جمیع اوصاف و خصائل کے مالک تھے جن کا اس تاریک دَور میں ملنا مشکل ہے۔ ایسی جامع شخصیت اور جمیع فضائل کی ہستی کی وفات سے پورے عالم اسلام کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے افسوس کہ اُس کے پُر ہونے

کی توقع نہیں ہے۔

پیدا کہاں جہاں میں اب ایسا شیخ باکمال
فیض جس کا عام تھا، اب ملتی نہیں مثال

افسوس کہ ایسے نازک دور میں جبکہ اُمت کو علم و دین کے ایسے اکابر کی سرپرستی کی بے حد ضرورت تھی۔ اس نعمتِ عظمیٰ کا چھن جانا بڑا خسارہ، ایک بڑی مصیبت اور ایک عظیم حادثہ ہے۔ ایسے حضرات کی موت صرف گھر والوں ہی کے لیے مصیبت نہیں ہوتی بلکہ پورے ملک و قوم کے لیے اور اہلِ زمین کے لیے مصیبت ہوتی ہے۔

ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

ہمارے یہاں مرکزی جامع مسجد عثمانیہ جام پور میں حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کرائی گئی ہے۔ بندہ اور اہلِ خانہ نے الگ الگ کئی قرآن ختم کر کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ مقدس کو ثواب بخشا ہے۔ اس کے علاوہ بندہ کی اپیل پر شہر کی تمام جامع مسجدوں میں ایصالِ ثواب کے لیے اہتمام کیا گیا ہے اور خصوصی دعائیں مانگی گئی ہیں۔ اللہ عزوجل آپ، ہم اور جملہ لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

دعا ہے کہ اس پیکرِ صدق و صفا، سراپائے وقار و تمکنت، مجسمۂ زہد و تقویٰ، مخزنِ علم و عمل، جامع کمالات بزرگ کی روحِ پاکیزہ ابرِ رحمت کے فیضِ قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے اور ان کی قبر مبارک آفتابِ کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعہ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سراپا نور ہو اور

اُن کو کروٹ کروٹ اپنی مخصوص رحمتوں سے اللہ تعالیٰ نوازے اور ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلائے۔ آمین۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

؎ گم ہو گیا دیوبند کی قسمت کا ستارہ — مُحدّثِ اعظم مفکرِ اعظم عثمانی پیارا

بندہ ناچیز

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

ناظم مرکزی جمعیت علماء اسلام جام پور

تعزیتی قرارداد انجمن شہریان جام پور

اجلاس مرکزی جامع مسجد عثمانیہ جام پور منعقدہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ

زیر صدارت جناب بابو محمد یوسف صاحب قریشی۔

۔ انجمن شہریان جام پور کا یہ اجلاس یقین کرتا ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی وجہ سے جو صدمۂ عظیم اُن کے اہلِ خانہ کو پہنچا ہے۔ اہلِ شہر جام پور اُن کے غم میں برابر کے شریک ہیں یہ صدمہ اُن کے خاندان پسماندگان اور جماعت مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان ہی کا نہیں بلکہ مرحوم کا وصال پوری مِلّت اسلامیہ پاکستان کا صدمۂ عظیم ہے۔ انجمن شہریان جام پور اُن کے اہلِ خانہ کو ہر قسم کے تعاون کا یقین دلاتی ہے اور درخواست کرتی ہے کہ وہ جب کبھی انجمن کو یاد کریں گے تو انجمن کے ہر رُکن کو اپنے مرحوم قائد کے خادم کی حیثیت سے ہمیشہ حاضر پائیں گے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں مقاماتِ عالیہ عطا فرمائے اور آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور جناب مولانا عمر احمد صاحب اور

مولانا قمر احمد عثمانی صاحب کو اُن کا صحیح جانشین بنائے اور ہم سب کو حضرت مرحوم کے نقشِ قدم پر چلائے۔ آمین

شرکائے غم اراکین انجمن

بابو محمد یوسف صاحب ، محمد یٰسین مراچی ، حافظ محمد اکبر شاہ
مولانا سیّد نذر محمد شاہ بخاری ، حبیب الرحمٰن صاحب ،
عبدالرحمٰن شاہ ، سراج الدین ، سیّد محمد رمضان شاہ ۔
منشی بخاری ۔ شبیر احمد عثمانی ۔ محمد قاسم صاحب ۔
حافظ محمد علی صاحب ۔ محمد شریف ۔ محمد امین ۔ محمد صدیق ۔
مولانا عبدالحیؒ صاحب ، مولوی غلام قادر صاحب اور
ڈاکٹر گل محمد صاحب انصاری

محمد اکبر عفی عنہٗ

ناظم جامعہ عثمانیہ جام پور

ڈیرہ غازیخاں میں مولانا ظفر احمد عثمانی کی یاد میں جلسہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں مرکزی جمعیت علماء اسلام ضلع ڈیرہ غازی خاں کے زیرِ اہتمام جامع مسجد عبیدیہ میں زیر صدارت حضرت مولانا مفتی قاضی عبیداللہ صاحب امیر مرکزی جمعیت علماء اسلام ڈیرہ غازی خاں ایک جلسہ عام منعقد کیا گیا جس میں مختلف علماء و رہنمائے مِلّت نے مرحوم کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا اور حضرت عثمانی کی قومی، ملّی، دینی اور سیاسی خدمات کو سراہا۔ اُن کی موت کو عالمِ اسلام کا عظیم نقصان قرار دیا۔

صدر جلسہ مولانا مفتی عبیداللہ صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حضرت

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے وقت میں دارِ فانی سے رخصت ہوئے جب کہ اُن کی شدید ضرورت تھی۔ ابھی حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ کا زخم تازہ تھا کہ ایک اور زبردست دھچکا لگا اور ہمارے عظیم رہنما اور سرپرست ہم سے جُدا ہو گئے۔ اُن کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ مرحوم تو اپنا فرض ادا کر گئے اب ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیئے۔

مولانا سیّد نذر محمد شاہ بخاری نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عثمانیؒ ان علماء اکابر میں سے تھے جنہوں نے ساری زندگی قوم کو جگانے کی خدمات انجام دیں۔ وہ موجودہ دور کے علماء کے امام تھے۔

مولانا عبداللہ حنیف امیر جماعت اسلامی ضلع ڈیرہ غازی خاں نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا ظفر احمد عُثمانی اس مقدس قافلے سے تعلق رکھتے تھے جس نے آزادیٔ مُلک کے لیے ایک اہم کردار انجام دیا۔ وہ حکیم الاُمت مولانا تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانی کے دستِ راست تھے۔

حافظ محمد اکبر شاہ بخاری نے مولانا عثمانیؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا عثمانی بڑے بے باک اور حق گو تھے۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی قرآن و حدیث کی خدمت اور مُلک و ملّت کی خدمت کرتے ہوئے گزار دی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلائے۔

آخر میں تعزیتی قرارداد منظور کی گئی جس میں مرحوم کے پسماندگان، متوسلین خصوصاً مولانا مرحوم کے صاحبزادگان مولانا عمر احمد عثمانی اور مولانا قمر احمد عثمانی سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا گیا۔

(بحوالہ ہفت روزہ "ضرب" ڈیرہ غازیخان)

تاریخی مراثی و قطعات

بر وفات حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

عربی قصیدہ

(از مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور)

لِلّٰہِ دَرُّکَ مِنْ عَظِیْمِ الشَّانِ — فِی الدَّفْعِ عَنْ حَقِّ الْمَسَائِلِ نَعَانِ

اللہ ہی آپ کی خوبیوں کا عوض ہیں اے عظیم الشان بزرگ! — حق مسائل سے مدافعت میں مشقت اٹھانے والے

حِبْرٍ کَرِیْمٍ بَارِعٍ مُتَوَرِّعٍ — وَاعِی الْحَدِیْثِ وَحَافِظِ الْقُرْآنِ

بڑے عالم لیکن سب سے بڑھے ہوئے بہت متقی — حدیثوں کو محفوظ اور قرآن کو حفظ کرنیوالے

معظام اھل العلم اجمع والھدی — مقدام اھل الفیض والعرفان

تمام اہل علم و ہدایت میں عظیم ترین شخصیت — فیض علم و عرفان والوں کے پیش رو

صدق الذی سمی ظفر احمد لہ — ظفر لہ بالحمد والاحسان

سچ کہا جس نے اُن کا نام ظفر احمد رکھ دیا — اللہ کی حمد اور عمدہ عبادت پر ان کی ظفر و کامیابی ہے

لحکیم امتنا ابن اخت قرابۃ — اشرف علی مجدد الایمان

ہمارے حکیم الامتؒ کے نسبی بھانجے ہیں — مولانا اشرف علی مجدد اسلام و ایمان کے

لخلیل احمد ثم کان لخالہ — فی الروح فیض النور واللمعان

حضرت مولانا خلیل احمد اور پھر ان کے ماموں کا — ان کی رُوح میں نور اور چمک کا فیض ہے

علمہ لدنی سری فی قلبہ ۔ بھما فاق بہ علی الاقران
علم لدنی ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا تھا ۔ اسی بنا پر سب ساتھیوں سے سبقت لے گئے

فی کتابہ الاعلاء للسنن الصحاح ۔ ادلۃ للمذھب النعمان
ان کی کتاب اعلاء السنن جو مذہب حنفی کی دلیلوں میں ۔ صحیح حدیثوں کو سب پر غالب کر رہی ہے۔

من الف عام لیس یلفی مثلہ ۔ والاحتیاج الیہ منذ زمان
ایک ہزار سال سے اس کا کوئی مثیل نہیں ملتا ۔ حالانکہ اس کی حاجت بہت زمانوں سے تھی

والجھد بالآیات فی اثباتہ ۔ قد سمی الاحکام للقرآن
اور مذہب حنفی کو آیتوں سے ثابت کرنے کی ۔ کوشش کا نام احکام القرآن ہے

ھذان لعمری ما نظیرھما ۔ شیئ اتی قاب بہ او دان
یہ دونوں کتابیں ایسی ہیں جن کی مشابہ کتاب نہیں دیکھی ۔ کوئی بھی شخص کوئی حد کا لایا ہو یا قریب کا لایا ہو

ورسائل فی الرد والابطال والہ ۔ اصلاح والتاریخ والعرفان
اور بہت سے رسائل ہیں رد و ابطال میں اصلاح امت میں ۔ تاریخ میں تصوف کی تحقیق میں۔

امداد الاحکام الفتاویٰ کلھا ۔ حق بتحقیق بدیع الشان
"امداد الاحکام" فتاویٰ سب کے سب حق عظیم الشان تحقیقات کے ہیں۔

ولہ مقالات بکل مجلۃ ۔ دینیۃ شاعت من البلدان
اور ان کے بہت سے مضامین ہیں ہر دینی رسالہ ۔ میں جو شہروں سے شائع ہوا ہے۔

اشعارہ عربیۃ عجمیۃ ۔ حلو وحلی قلائد العقیان
آپ کے اشعار عربی کے اور اردو فارسی کے ۔ شیریں ہیں اور سونے کے ہاروں کے زیور ہیں

شیخ لادواح الخلائق مصلح ۔ منج من الافکار والنیران
مخلوقات کی روحوں کے پیر اور اصلاح کرنے والے تھے ۔ دنیا میں فکروں سے اور آخرت میں دوزخ سے نجات دلانے والے تھے

بیسیر اشغال واذکار فھم ۔ فازوا بما لم یات من شیر خان
بہت آسان شغلوں اور ذکروں کے ذریعہ سے اسلئے یہ ۔ ایسی دولت کو پا گئے جو بہت پیروں کو بھی میسر نہیں

بل فی مکاتبۃ اقل قلیلۃ ۔ وصلوا وحار الناس فی الحرمان
بلکہ بہت ہی کم خط و کتابت میں ہی وہ لوگ واصل ۔ ہو گئے اور دوسرے لوگ محرومی میں سرگرداں رہے۔

لمعت سماء بنور من تدریسہ ۔ ذکرمی الی الاعوام والازمان
چمک اٹھا آسمان نور ان کی تدریس سے اور ۔ گرمی پختہ بھی سالوں اور زمانوں تک

بالخانقاہ الاشرفیۃ درسہ ۔ والوعظ والافتا بحق بیان
خانقاہ اشرفیہ میں آپ کا درس بھی رہا اور ۔ وعظ بھی فتاویٰ بھی حق بیان کے ساتھ

وبھا تألیف نوادر کلھا ۔ لم یات عصر واحدا بالثانی
اور وہیں نادر نادر تالیفاتیں ہوئیں سب کی سب ۔ ایسی کہ زمانہ کسی ایک کا ثانی نہیں لا سکا

بالھند والبنگال والبرما ونی ۔ بلدانھا وبلاد باکستان
ہندوستان، بنگال اور برما اور ان کے ۔ شہروں اور پاکستان کے شہروں میں بھی

وبٹندو اللہ یار فیما بعدھا ۔ حتی الوفاۃ ادارۃ الفیضان
اور سب کے بعد ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدر آباد ۔ میں تا وفات فیض جاری رہا۔

لم یبق منھا واحد الا لہ ۔ فی ذکرہ بالفیض رطب ولسان
ان سب میں سے کوئی ایک ایسا نہیں کہ فیض کے ۔ ساتھ آپ کے ذکر میں اس کی زبان تر نہ ہو

وصدع بالحق ذعم مخالف ۔ ان لا تلو الکفار ھندوستان
اور حق آواز سے کان پھاڑ دینے والے تھے مخالف کی ۔ تحقیر کے لیے کہ ہندوستان کے کافروں
سے دوستی مت کرو۔

ھم خائنون وخادعون موالیا
یہ خیانت کرنیوالے ہیں دوست کو دھوکہ دینے والے ہیں

وعلیکم بالجھد وحداناً لکم
اور تم پر واجب ہے کوشش الگ الگ اپنے واسطے کرو

فمعونۃ اللّٰہ العزیز لمومن
کیونکہ غلبہ والے خدا کی مدد تو مومن کے لیے ہے

والکفر من اعدائہ والھنا
اور کفر تو اسکے دشمنوں میں سے ہے اور ہمارے معبود

لم یصغ اقوام الیٰ اعلامہ
بہت قوموں نے اس ڈنکے کی چوٹ پر کان نہ لگائے

واذا تنشاد کانگرس متخادعاً
اور اچانک کانگرس اٹھ کھڑی ہوئی شیطان کے

اذ لم یجز اتیانھم تبعاً لنا
جب کافروں کا مسلمانوں کے پاس تابع ہو کر آنا جائز نہ تھا

نادیٰ باعلیٰ صوتہ یا مسلمین
آپ نے بلند آواز سے للکارا اے مسلمانو!

المسلمون ھم ھم لاینبغی
جو مسلمان ہیں وہ وہی ہیں یہ درست نہیں کرو

خیرالبریۃ مسلم ان صالحاً
کل مخلوق سے بہتر ہے ایمان والا اگر نیک ہو

وکبیرھم ھو اکبر الشیطان
اور ان کا سب سے بڑا تو بڑا ہی شیطان ہے۔

ثقۃ بربکم و بالتکلان
اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل کر کے

وعلیہ تنزل رحمۃ الرحمان
اور اسی پر رحمان ورحیم کی رحمت نازل ہوتی ہے

لایرتضی بالکفر والکفران
کفر اور ناشکری سے راضی نہیں ہوا کرتے۔

فبلوا بغدر خیانۃ الخوان
آخر خیانت والوں کی خیانت کی غداری میں مبتلا کئے گئے

للمسلمین بنزغۃ الشیطان
درغلانے سے مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالنا ہوئی

کیف اتباع الکفر عن ایمان
تو کیسے ہو سکتا تھا کفر کا اتباع ایمان کے بعد

ایتوا الی لیگ و باکستان
آؤ مسلم لیگ اور پاکستان کی طرف

ان یجعلوا الاذناب للحیوان
جانوروں کی دم بنا دیئے جائیں۔

شرالبریۃ کافر الانسان
کل خلقت سے بدتر ہے کافر انسان

وجھنمی کافر ابداً بہ
اور ہمیشہ کا دوزخی ہے ہر کافر کفر کی وجہ سے

من این یصلح ان یسلط کافر
کہاں سے درست ہو سکتا ہے کہ اپنا اختیار دے کافر

قد شمر الاذیال فی تشییدہ
اپنے دامن چڑھائے یعنی کوشش شروع کر دی پاکستان کی

جھداً بجھد الیس یالو لحظۃ
کوشش پر کوشش جسمیں ایک لمحہ کوتاہی نہ فرمائی

فنشا بھذا الامر اعظم قائد
پھر کھڑے ہو گئے اس کام کے لیے قائداعظم

ردء لقائدھا بکل عویصۃ
قائداعظم کے لیے ہر مشکل میں پشت پناہ رہے

ظفر و شبیر بشرق مغرب
مولانا ظفر احمد اور مولانا شبیر احمد نے مشرق و مغرب میں

فی داکہ والجا تجاد و سلھٹ ھند
ڈھاکہ چاٹگام اور سلہٹ میں ہندوستان کی

لم یبغیا بدلاً بہ بوظائف
دونوں بزرگوں نے پاکستان بنانیکا کوئی بدل طلب کیا

ھذا خلوص ثم ایثاد بھا
یہ تھا خلوص اور پاکستان کے لیے ایثار!

والمومنون الکل اھل جنان
اور ایمان والے سب کے سب جنتوں والے ہیں

بالاختیار علیٰ اولی الایمان
کو ایمان والوں پر مسلط کر دیا جائے

ارکان مملکۃ لباکستان
حکومت کے ارکان مضبوط کرنے میں (الیکشن جیتنے میں)

لیل ویوم عندہ سیّان
رات اور دن دونوں آپکے لیے برابر تھے

ظفر و شبیر لہ عضدان
کہ مولانا ظفر احمد اور مولانا شبیر احمد اُن کے دو بازو تھے

التھانوی الشیخ کل اوان
حضرت تھانوی قدس سرہٗ ہر ہر وقت پہ

قد اعلیا اعلام باکستان
انہی دونوں نے پاکستان کے جھنڈے بلند کئے

ظفر و فتح رغم ھندستان
تذلیل کے ساتھ مولانا ظفر احمد کو فتح و ظفر حاصل ہوئی

ووزارۃ والارض والاعلان
نہ وظیفے نہ وزارت نہ جاگیر نہ پراپیگنڈہ و اعلان

بالیتھا لم تات بالکفران
کاش! پاکستان ناشکری نہ ظاہر کرے۔

لم يطلبه الا اجور الهنا — اذ منهما الرضاء الفعلان

سوائے اپنے رب کے ثوابوں کے اور کچھ طلب نہیں کیا — کیونکہ دونوں کے دونوں کا یہ کام مرضی الٰہی کیلئے تھا

اعطاهما اجرا جزيلا ربنا — متفضلا بالعفو والغفران

ہمارا پروردگار دونوں بزرگوں کو اجر عظیم عطا فرمائے — معافی و بخشش کے احسان کے ساتھ

وجزاهما عنا جزاء وافيا — متداوما بالروح والريحان

اور ہم پاکستانیوں کی طرف سے ان کو پوری پوری — جزا عطا فرمائے جو ہمیشہ رہے رحمت و بقا کے ساتھ

ظفر اذا ما فات عنا لم يكن — عند المساعي النجح من خسران

مولانا ظفر یعنی فتح و ظفر جب ہم سے فوت ہو گئے — تو اب کوششوں میں خسارہ سے نجات کی کامیابی معلوم نہیں ہوتی۔

ياليت ربي يوم تنا من بعده — ظفرا وانجا من النقصان

کاش ہمارے پروردگار ان کے بعد بھی (کوئی مولانا ظفر) ہمیں کامیابی اور نقصان سے نجات عطا فرمائیں۔

كون بهذا القرن منه "تفضل" ١٣١٠ — "عيد" حياة العلم والعرفان ٨٤

اس صدی میں ان کا وجود ایک احسان تھا — اور علم و معرفت کی زندگی ایک عید تھی

هو حبه للفضل والفيضان
١٥ ٩٨٠ ٩٧٨
١٩٧٤ء

وہ تو فضیلت اور فیض کی وجہ سے اللہ کے پسندیدہ ہیں

فی جنة باللطف والرضوان
٩٠ ٥٨ ١٥٢ ١٠٩٤
١٣٩٤ھ

جنت میں ہیں مہربانی اور رضائے الٰہی میں ہیں۔

القطعة التاريخيه

ظفر احمد الشيخ شيخ الهدى — نبى الملك والرشد لم ينتظر

مولانا ظفر احمد شیخ ہدایت نے پاکستان ملک کو — بنا دیا اور اس کی درستی کا انتظار نہ کیا

فهيهات هيهات ساعى البنا — فللارخ قل "بالمساعي ظفر"
٧١٤ ١١٨٠
١٣٩٤ھ

وہ دور ہو گئے وہ پاکستان کی بنا کی کوشش کرنے والے تم تو تاریخ کیلئے کہدو کہ کوششوں میں تو کامیاب ہوگئے

ظفر احمد الحبر في كل علم — وكان اجتهاد له في الفهوم

مولانا ظفر احمد جو ہر علم میں بڑے ماہر تھے — اور معارف و مطالب میں اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے

لقد سافر اليوم عن غير مثل — فللارخ قالوا "عزيز الحلوم"
١٢١٨ ١٧٦
١٣٩٤ھ

آج بغیر کسی مثل کے چھوڑے سفر کر گئے۔ — تو تاریخ کے لئے لوگوں نے کہا بہت ہی علوم والے تھے

کرد مولانا ظفر احمد وفات — فیض ہا کہ بود ازاں بیحد نماند

سال رحلت چوں ز ہاتف خواستم — گفت او "ہائے ظفر احمد نماند"
١٦ ١٨٠ ٥٣ ١٣٥
١٣٩٤ھ

ظفر احمد شیخ علم و معارف — چرا رفتی و ہیچ با ما نگفتی

کجا فیض ظاہر کجا فیض باطن — بتاریخ گفتم "رخ از ما نہفتی"
٨٠٠ ٤٩ ٥٤٥
١٣٩٤ھ

(البلاغ ربیع الاول ١٣٩٥ھ)

قطعہ تاریخ

(اُردُو)

زلزلہ سا عالم علمی میں کیوں برپا ہے آج ۔۔۔ لرزہ براندام کیوں ہوتی ہے ساری کائنات

فاضلان دھر کیوں حیران و ششدر ہو گئے ۔۔۔ اُمڈے کیوں آنکھوں سے دریا آج آخر کیا ہے بات

ایک تاریکی سی کیسی چھا گئی آفاق پر ! ۔۔۔ کس ولی اللہ نے ماری ہے اس دنیا پر لات

آہ ! مولانا ظفر احمد رئیسِ کاروان ۔۔۔ علم کے کوہِ بلند اور زہد کے شبلی صفات

عالم باقی و دائم کی طرف ہو کر رواں ۔۔۔ چھوڑ بیٹھے ہیں ہمیشہ کو جہانِ بے ثبات

اب کہاں وہ فیض علمی اور کہاں اصلاح حال ۔۔۔ اب کہاں وہ جامع شرع و طریقت نیک ذات

مرکزی جمعیت اسلام کے صدر جلیل ۔۔۔ روح اسلامی سیاست مرکز اسلامیات

خانقاہ اشرفی کے مفتی عزت مآب ۔۔۔ صاحب تصنیف و تالیف عجائب نادرات

ہند و پاکستان اور بنگال میں درس حدیث ۔۔۔ تربیت روحی میں جاری فیض کے دو با فرات

خط کتابت زمین سے آسمان تک کا عروج ۔۔۔ انقلاب روح کے ضامن تھے جیسے نام جات

سینکڑوں ادارہ گرد ملک اور اوباش قوم ! ۔۔۔ بن گئے برکت سے جن کی صالحین و صالحات

رو رہا ہے ٹنڈو الہیار کا دار العلوم ۔۔۔ آہ وہ شیخ الحدیث و مفتی و شیخ نجات

علم کے گہرے سمندر جس کی موجیں ہر طرف ۔۔۔ گوہر افشاں کشت پرور باعث سبزہ نبات

ایک اعلاء السنن اٹھارہ جلدوں کی کتاب ۔۔۔ مذہب احناف کی جملہ احادیث و نکات

پھر ثبوت آیات کا دو منزلیں قرآن کی ۔۔۔ دفتر "احکام قرآن" رد جملہ واہیات

ان کتابوں کی فہرست سب کو ہی صدیوں سے تھی ۔۔۔ کر نہ پایا کوئی لیکن اب تک ان پر التفات

پھر بہت ہیں رسائل اردو عربی دین ۔۔۔ نظم عربی کی بلاغت رشک سوز او ہرات

شرف پاکستان کے پرچم کشائے اوّلین ۔۔۔ صاحب فتح و ظفر سلہٹ میں دیکھو مات

زہد و بے لوثی کا یہ عالم کہ شہرت سے الگ ۔۔۔ ممبری عہدوں وظیفوں کی نہ جاگیروں کی بات

صبر کی تلقین اب کس کس سے ہو کس کس کو ہو ۔۔۔ ہر مسلماں کے جگر پر زخم کاری ہے وفات

شمس عالم ظاہر و باطن ہائے ہے گیا غروب ۔۔۔ روز روشن بخت کا اب بن گیا تاریک رات

ہادی[1] عالم ظفر احمد" کا لاؤ تو مثیل ۔۔۔ منتجر سید سے ہو کیسے شرف کا التفات

۱۳۹۴ھ ۵۸۰ ۔۔۔ ۱۳۹۴ھ ۵۸۰

۱۹۷۴ء ۵۸۰ ۔۔۔ ۱۹۷۴ء ۵۸۰

آہ ! کیا دن تھے کہ جب تھا موجزن دریائے فیض

آمد دنیا بفضل[2] "عید" تھا دورِ حیات

فیض ظاہر فیض باطن جب ہے دونوں سے قعود[3] -

"شہر ذیقعدہ" مہینہ[4] بن گیا سالِ وفات

---

[1] یعنی اس پر لفظ مثیل لاؤ "مثیل ہادی عالم ظفر احمد" کبھی تو دوسری تاریخ عیسوی بن جائے۔ ایسے ہی سید منتجر پر" شرف کا التفات کر" مشرف منتجر سیدی کہو تو عیسوی تاریخ ہو جائے۔

[2] یعنی احسان یہ سال ولادت دنیا میں آنے کا سال ہے۔ ۱۳۱۰ھ اور عید (۸۴ سال) زندگی ہے۔

[3] بیٹھ رہنا، کام بند کر دینا جو وفات سے بند ہو گا۔

[4] وفات کا مہینہ اس لیے سال وفات بن گیا۔

از مولانا انیس احمد صدیقی "قصر الحکمت" افتخار بلڈنگ چوبرجی لاہور

تاریخ وفات

حق سے واصل ہوا، شیخ رخصت ہوا
عاقبت خیر ہو ، سال رحلت ہوا

۱۳۹۴ھ

از مولانا محمد احمد صاحب تھانوی مہتمم مدرسہ اشرفیہ سکھر

"علامہ مولوی ظفر احمدؒ از اولیاء بود" (۱۹۸۴ء)
"سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْا" (۱۳۹۱ھ) (از البلاغ)

دیگر

آہ بیداد اجل نے کر دیئے بے سرو پا
عقل و بصر، مجد و فقر، درس و نظر
۱۰۰ ۹۰ ۴۴ ۱۰۰ ۲۰۰ ۹۰۰

۱۳۹۴ھ

از جناب ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب ابر ساہی وال سرگودھا

مولانا ظفر احمد عثمانی مرحومؒ

افسوس ہے کہ حامیٔ سنت چلا گیا	اسلام کا وہ شیخ طریقت چلا گیا
غم کی کل فضا ہے زمانہ اداس ہے	اک آفتاب راہ ہدایت چلا گیا
اشرفؒ کا جانشین اور قائد کا ہم نوا	وہ دوست دار قائد ملت چلا گیا
شبیرؒ اور خلیلؒ وہ دونوں کا ہم جلیس	عمدہ سرشت نیک جبلت چلا گیا
امت کا خیر خواہ وہ ملت کا درد مند	وہ راز دار علم و شرافت چلا گیا
تربت پہ ابر اس کی ہزاروں ہوں رحمتیں	افسوس! پاسبان شریعت چلا گیا

نومبر ۱۹۰۰ء تمت بالخیر

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com